ہیم کُنٹ کا مُسافر

گورو گوبند سنگھ

زبیر

ہیم کنٹ کا مسافر

یگ پرش شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کی جیون کہانی

رنبیر

دشم پاتشاہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج

ہیم کنٹ کا مسافر

یگ پرش شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کی جیون کہانی

از

رنبیر

پبلشر:- پبلیکیشن سب کمیٹی شری گورو گوبند سنگھ فاؤنڈیشن، بارہ دری پیلس، پٹیالہ

طباعت :-
انڈین پرنٹنگ ورکس ۔ نئی دہلی

ملنے کا پتہ :-
پبلیکیشن سب کمیٹی شری گورو گوبند سنگھ فاؤنڈیشن، بارہ دری پیلس، پٹیالہ

اِس کتاب کے متعلق

شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج سے مجھے تب سے عقیدت ہے جب میں نے ہوش سنبھالا۔ اور سمجھا کہ وہ صرف ایک دھارمک نیتا نہیں بلکہ اس دیش کے عظیم ترین سیاستدان، عظیم ترین دیش بھگت، عظیم ترین فلسفی، عظیم ترین منتظم اور عظیم ترین شاعر تھے۔ جوں جوں اُن کے متعلق زیادہ جانا توں توں معلوم ہُوا کہ وہ صرف ایک دھرم یا فرقے کے نہیں، تمام تر بنی نوع انسان کے تھے۔ ایسے مہاپُرش تھے جو اپنے تدبر اور اپنی دُور اندیشی سے نئے یُگ کا آغاز کرتے ہیں۔ اس دیش میں اگر اُن کا جنم نہ ہوتا اور وہ اِس مہان یُگ کا آغاز نہ کرتے تو شاید یہ دیش ابھی ہزار برس تک بھی آزاد نہ ہوتا۔ اُن کے یُگ کی عظمت یہ ہے کہ تین سو برس گذر جانے کے بعد بھی اُن کا شروع کیا ہُوا یُگ موجود ہے۔ اور تب تک موجود رہے گا، جب تک اِس دھرتی پر کہیں بھی ظلم ہے اور ناانصافی ہے۔ تب تک گورو مہاراج کی گرجتی ہوئی، حوصلہ دیتی ہُوئی آواز لوگوں کو ظلم و ناانصافی کے خلاف لڑنے کی ترغیب دیتی رہے گی۔

اِن سب باتوں کے باوجود اپنے اِس پرم پُنیہ دیوتا کے جیون کی کہانی لکھنے کا خیال میرے دِل میں نہیں آیا۔ یہ خیال آیا تو پبلیکیشن سب کمیٹی شری گورو گوبند سنگھ فاؤنڈیشن۔ پٹیالہ" کی کرپا سے۔ اس کی پریرنا سے میں نے یہ جیون کہانی لکھی۔ اُسی نے اِس کو شائع کرنے کا انتظام کیا۔ اس لئے میں اس کا سچے دِل سے شکریہ ادا کرتا ہُوں۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اُن بزرگوں اور بھائیوں کا بھی شکرگذار ہُوں جن کی لکھی کتابوں سے مجھے یہ جیون کہانی لکھنے میں مدد ملی۔ اِن میں مقدس شری گورو گرنتھ صاحب اور شری دشم گرنتھ بھی شامل ہیں۔ اُن کے علاوہ جن کتابوں سے مجھے شری گورو مہاراج کی عظمت کو سمجھنے میں مدد ملی وہ یہ ہیں:۔

۱:۔ شریمد بھگوت گیتا۔

۲:۔ دشم گرنتھ۔

۳:۔ کلغی دھر چمتکار۔

۴۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا۔

۵۔ دشم گرنتھ کی کویتا۔ ڈاکٹر ڈی پی۔ اشٹا۔

۶۔ دشم گرنتھ کی پورانک پرشٹھ بھومی ۔۔۔ رتن سنگھ گل۔

۷۔ یجر وید۔

۸۔ گیارہ اپنشد۔

۹۔ شری گورو گرنتھ صاحب۔ انگریزی ترجمہ۔ ڈاکٹر گوپال سنگھ۔

۱۰۔ ڈیوائن ماسٹرز ۔۔۔ رنبیر سنگھ۔

۱۱۔ دی ٹین ماسٹرز ۔۔۔ پورن سنگھ۔

۱۲۔ ہسٹری آف دی سکھس ۔۔۔ خوشونت سنگھ

۱۳۔ دلّی دے گوردوارے۔

۱۴۔ گورو گوبند سنگھ ۔۔۔ پروفیسر کرتار سنگھ۔

۱۵۔ شری گورو گوبند سنگھ جی ۔۔۔ دولت رائے۔

۱۶۔ سکھ ریلیجن ۔۔۔ آرتھر میکالف۔

۱۷۔ شری گورو گرنتھ صاحب' ہندی ویا کھیا۔ منی ارجن سنگھ جی۔

۱۸۔ ظفرنامہ۔ ترجمہ ۔۔۔ نانک چند ناز۔

۱۹۔ کتھا وکاہنی ۔۔۔ رابندر ناتھ ٹیگور۔

رنبیر

"سمجھ لیہو سادھو سب منمم"

پانچ ہزار برس پہلے، اُس کورو کھشیتر میں جہاں خُون کی ندیاں بہنے والی تھیں، یاس میں ڈوبے اور اپنے فرض کو بھُولے ارجن کو نئی اُمید اور نیا حوصلہ دینے کیلئے ایک پیار بھری گرجتی آواز نے کہا:-

"سُنو بھارت! — جب جب اِس دُنیا میں دھرم کا زوال ہوتا ہے، ظلم و گناہ آگے بڑھتے ہیں — تب تب دھرم کو اوپر اُٹھانے کیلئے مَیں اپنے آپ کو سرجن کرتا ہُوں —— اِسلئے کہ —— جو اچھے لوگ ہیں اُن کی رکھشا کی جائے، اِسلئے کہ ظالموں اور گناہگاروں کا وِناش کیا جائے — اور اِسلئے کہ پھر سے دھرم کو قائم کیا جائے —— مَیں ہر یُگ، ہر زمانے میں پیدا ہوتا ہُوں ——————"

اور اس عظیم اعلان کے چار ہزار سات سو برس بعد ایک اور پیار بھری، ہمت بھری، اور اُمید بھری آواز گونج اُٹھی:-

ہم ایہہ کاج جگت مو آئے
دھرم ہیت گوردُ دیو پٹھائے
جہاں تہاں تم دھرم بتھارو
دُشٹ دوکھین پکڑ پچھارو

یاہی کاج دھرا ہم جنمم
سمجھ لیہو سادھو سب منمم

دھرم چلاون۔ سنت اُبارن
دُشٹ سبھن کو مُول اُپارن"

(ہم اِس دنیا میں آئے اور گورودیو نے ہمیں یہاں بھیجا تو دھرم کیلئے (انھوں نے کہا) ہر جگہ تم دھرم پھیلاؤ۔ جو ظالم اور گنہگار ہیں انہیں پکڑ کے پچھاڑ دو۔ اے سادھو لوگو!۔ اچھی طرح یہ بات اپنے من میں سمجھ لو۔ ہم نے یہ جنم لیا تو اسلئے کہ دھرم کو چلائیں۔ سنتوں کو اوپر اٹھائیں اور جو دُشٹ لوگ ہیں اُن کا جڑ مُول سے وناش کر دیں۔۔۔۔۔۔")

پہلے اعلان میں ایک مہان یوگی کا آتم وشواس ہے۔ یہ ابھیمان بھی کہ "میں آتما ہوں۔ میں اپنے آپ کو پیدا کرتا ہوں"۔۔۔۔۔ دوسرے اعلان میں ایک اور مہان یوگی کا آتم وشواس ضرور ہے لیکن ابھیمان کی بھاونا نہیں۔۔۔۔۔ یہ دوسرے مہا یوگی خود نہیں آئے "گورو دیو" نے انہیں بھیجا ہے کہ:۔

جہاں تہاں تم دھرم بتھارو
دُشٹ دوکھین پکڑ پچھارو

لیکن اس معمولی سے فرق کے سوائے چار ہزار سات سو برس پہلے اور چار ہزار سات سو برس بعد کے یہ دونوں اعلان ایک ہیں۔ دونوں میں ایک بھاونا ہے۔ ایک دعوے، اُس پاپ کیلئے جو ظلم و نا انصافی کا رُوپ دھارن کر کے آگے بڑھتا ہے۔

اور یہ فرق بھی اصل میں بہت فرق نہیں۔ یوگی لوگ کبھی کبھی موج میں آکر عابد و معبود کے فرق کو بھلا دیتے ہیں۔ ایک جگہ وہ کہتے ہیں:۔

ہیم کُنٹ پربت ہے جہاں
سپت سرنگ سوبھت ہے تہاں
تہاں ہم ادھک تپسیا سادھی
مہا کال کالکا ارادھی
تن جو کری الکھ کی سیوا
تا تے بھئے پرسن گورو دیوا
تن پربھو جب آئیس موہی دیا
تب ہم جنم کلو مہی لیا

(جہاں "ہیم کنٹ" نام کا پربت ہے۔ اور اس کی سات چوٹیاں شوبھا دیتی ہیں[1]۔ وہاں میں نے بہت تپسیا کی۔ اُس کال کی پوجا کی جو "مہا کال" کا کال ہے۔ جس سے بڑا کوئی دوسرا نہیں۔ اور جو الکھ ہے۔ دکھائی نہیں دیتا، جس کا کوئی رُوپ نہیں اُس "الکھ" کی ہر روز سیوا کی تو وہ گورو دیو" خوش ہوئے۔ اس مالک نے جب مجھے حکم دیا تو میں نے اس کلجگ میں جنم لے لیا ——————")

ہاں "عابد" اور "معبود" دونوں الگ ہیں ——————— لیکن تبھی وہ کہتے ہیں :—

"ایہہ بدھ کرت تپسیا بھئیو
دوئیہہ تے ایک رُوپ ہوئے گئیو"

("اس طرح میں نے تپسیا کی کہ دو سے ایک رُوپ ہو گئے۔ "دُوئی" مٹ گئی عابد و معبود دونوں ایک ہو گئے۔)

در پھر ایک دُوسری جگہ زیادہ وضاحت سے کہتے ہیں :—

ہر ہرجن دوئی ایک ہے بِبھ بچار کچھو ناہہ
جل تے اُپج ترنگ جیُوں جل ہی بکھے سماہہ

("عابد" اور "معبود" دونوں ایک ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہ سمجھو۔ پانی سے لہر پیدا ہوتی ہے۔ پانی میں سما جاتی ہے —— پانی اور لہر دونوں ایک ہیں۔ فرق ہونے پر بھی بہت فرق نہیں ———————")

اس لئے میں نے کہا کہ اس یوگی کے لئے جو جنم جنم کے تپ سے اور سادھنا سے یوگ کی بلند ترین سطح پر پہنچ گیا ہے۔ "دویت" (عابد و معبود کا اپنی الگ الگ ہستی میں موجود رہنا۔ اور "ادویت" (عابد و معبود کا احساساً ایک ہو جانا) دونوں میں بہت فرق نہیں، یوگ کی انتہائی

---

[1] یہ ہیم کنٹ پربت ہردوار اور رشی کیش سے اُوپر "اُترا کھنڈ" کے اُس علاقہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ جو بدری ناتھ کے مشرق میں "الک نندا" اور "ہیم گنگا" ندیوں کے درمیان واقع ہے۔ بچتر ناٹک کے مطابق اس جگہ گورو جی نے پہلے جنم میں بہت تپسیا کی تھی۔ اب اس جگہ ایک خوبصورت گوردوارہ بنا ہوا ہے۔

بلندی پر پہنچے ہوئے مہاتما کبھی شری کرشن کی طرح کہتے ہیں ۔ "میں اپنے آپ کو پیدا کرتا ہوں" ۔ اور کبھی شری گورو گوبند سنگھ جی کی طرح کہتے ہیں ۔ "واہگورو نے بھیجا مجھے" ۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ قابلِ پرستش یوگیراج ایک طریقہ سے بات کہیں یا دوسرے طریقہ سے حیرت کی بات ہے کہ قریباً پانچ ہزار برس کا لمبا عرصہ درمیان میں حائل ہونے کے باوجود یہ دونوں مہایوگی ایک ہی اعلان کرتے ہیں ۔

یاہی کاج دھرا ہم جنمم
سمجھ لیہو سادھو سب منمم
دھرم چلاون سنت اُبارن
دُشٹ سبن کو مُول اُپارن

آج سے پانچ ہزار برس پہلے کی حالت ایک پُرانا افسانہ بن چکی ۔ سچ یہ ہے کہ اس کے متعلق بہت کچھ ہم جانتے نہیں ۔ لیکن آج سے تین سو برس پہلے کی حالت تو اب بھی ایسے لگتی ہے جیسے کل کی بات ہو ۔ اور پھر صرف تین سو کیوں ۔ اس سے سَو دو سَو برس پہلے بھی ایسی ہی حالت تھی ۔ ظلم کا ایک دریا بہتا ہُوا چلا آرہا تھا ۔ آگ پھیلاتا ، آگ لگاتا ، آگ اُبھارتا ہُوا پاپ کا دریا آگے بڑھ رہا تھا ۔ امن و سکون کے کنارے مسمار کرتا ہُوا ۔ جھوٹ کا دریا آگے بڑھ رہا تھا ۔ سچ کے کنارے توڑتا ہُوا ۔ نفرت ، حقارت اور لالچ کا دریا آگے بڑھ رہا تھا ۔ عصمت و شرافت و انسانیت کے کناروں کو چکنا چُور کرتا ہُوا ۔۔۔۔۔۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے دھرم کی دُنیا میں قیامت آگئی ہے ۔ پاپ کی دُنیا میں نئی سرشٹی ، نئی بہاریں جاگ رہی ہیں ۔ اس حالت کو دیکھ کر ایک دردبھری ، پیار بھری آواز نے کہا :۔

"لالو ۔ مالک کی جس باتی کو میں جانتا ہوں ۔ اسے سمجھنے کی کوشش کر ۔
گناہوں کا ہجوم کابل سے دوڑا آتا ہے ۔
طاقت کے زور سے دان مانگتا ہے ۔
شرم دھرم دونوں چھپ گئے ۔
جھوٹ ہی سب سے اوپر ہو گیا ہے ۔
نانک کہتے ہیں لالو !
سُن ۔ ہر طرف خُون کے گیت گائے جاتے ہیں ۔
دیکھ ۔ خُون کے تلک لگ رہے ہیں ۔۔۔۔۔۔ "

خون کے گیت ۔ خون کے تلک ۔ خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں اس وقت ۔۔ یہ تب کی بات ہے جب "فرغانہ" سے بھاگا ہوا بابر ہندوستان کو روندتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا ۔ جب ایمن آباد اور کتنے ہی دوسرے نگر واقعی "ناس پوری" (کٹی ہوئی لاشوں کی بستی) بنے ۔ جب واقعی ہزاروں لاکھوں بے گناہ انسانوں کے جسم پرانے کپڑے کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے ۔ اور جب ہر طرف اس طرح ہاہا کار جاگ اٹھا جیسے کسی محو خواب نگری میں لگاتار زلزلہ آئے جاتا ہو ۔ مکان گرے جلتے ہوں ، ملبے کے نیچے وہ زخمی چلّاتے ہوں جنہیں نکالنے والا کوئی نہیں ۔

لیکن یہ ایک دو یا دس بیس دن کی کہانی تو نہیں ۔ برسوں کے بعد برس بیت گئے ۔ صدیاں صدیوں میں سو گئیں ۔ ظلم و گناہ کی باد سموم اس طرح چلتی رہی جیسے ہر شے کو خس و خاشاک بنا دینا چاہتی ہو ۔ جس درد بھری ، پیار بھری آواز نے کہا تھا کہ ۔۔ "خون کے گیت گائے جاتے ہیں خون کے تلک لگ رہے ہیں" ۔۔ اور جس نے اپنے مالک سے بے انت ، بے انت ، بے انت پیار کیا ۔ اسی میں دکھ بھری شکائت جاگ اٹھی ۔ آنسو جاگ اٹھے ۔ اور ایک ایسی پکار جاگ اٹھی جس سے شائد آسمان کا دل بھی ہل گیا ۔

جیسے کوئی اپنے بہت پیارے دوست کی ، بے حد عزیز محبوب کی ، بہت پیار کرنے والے پتا کی شکائت اسی سے کرتا ہو ۔ اسی طرح شری گورو نانک دیو جی مہاراج نے کہا :۔

"خراسان کو مالک بنا دیا تو نے ۔
"ہندوستان کو خوفزدہ کر دیا ۔
"تاکہ تجھے کوئی قصور وار نہ کہہ سکے ۔
"تو نے مغلوں کو یم بنا کر یہاں بھیج دیا ۔
"اور اتنی مار پڑی ان لوگوں کو (اس دیش میں رہنے والوں کو)
کہ بلک پڑے وہ ، چلّا اٹھے ، چیخ اٹھے ۔
"اور پھر بھی تجھے درد نہ آیا ۔
"رحم نہ جاگا تیرے من میں ؟ ۔۔۔۔

لیکن پرم پوجیہ شری گورو نانک دیو جی مہاراج کیا صرف اس وقت کی بات کہہ رہے تھے جب ازبیکوں کے ڈر سے بھاگا ہوا بابر ہندوستان کو ڈراتے ، دھمکاتے اور یہاں اپنا راج جمانے کی کوشش کر رہا تھا ؟ ۔۔ کیا یہ زیادہ صحیح نہیں کہ اس مہان یوگی کی آنکھیں ماضی ، حال ، مستقبل

سب کو دیکھ رہی تھیں ؟ انہیں کی جوت سے جگمگانے والے، انہیں کا پیغام سنانے والے اُن مہاتماؤں کو بھی دیکھ رہی تھیں جو ایک کے بعد ایک —— شری گورو نانک دیو جی مہاراج کے جانشین بنے ؟ — شہیدوں کے سرتاج شری گورو ارجن دیو جی مہاراج کو دیکھ رہی تھیں ؟ اُن لپلپاتے شعلوں کو جو ظالم کے غصّے کی طرح بھڑک رہے تھے ؟ اس بہت بڑے توے کو ۔ جو انگارے کی طرح سُرخ ہو گیا تھا ؟ اُس ریت کو جس کا ہر ذرّہ چنگاری بن گیا تھا ؟ تپ اور سادھنا سے نحیف سے اس جسم کو جسے زندہ ہی بھونا جا رہا تھا ؟ شہیدِ اعظم کی آنکھوں میں اس جلتے ہوئے جھلستے ہوئے درد کے باوجود آنسو نہیں تھے ۔ اُن کے ان ہونٹوں پر "ہائے" نہیں تھی جن پر جھلستی ہوئی ریت نے آبلے جگا دیئے تھے ۔ ان کے اس چہرے پر دُکھ کا نشان بھی نہیں تھا جس کی چمڑی لہو لہان ہوئی جاتی تھی —— وہ پروانے کی طرح اپنے معبود کی شمع پہ جل رہے تھے ۔ جل رہے تھے اور خوش تھے کہ "ان کا بھگوان" ان کے لئے باہیں پھیلائے کھڑا ہے —— لیکن دُوسروں کی حالت تو یہ نہیں تھی ۔ سنت میاں میر رو رہے تھے ۔ اس دیش میں لاکھوں، کروڑوں لوگ رو رہے تھے —— اس دیش کی آتما رو رہی تھی —— مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ شری گورو نانک دیو جی مہاراج کی دُور رس نگاہیں یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں ۔ انہوں نے جب کہا ——

"کایا کپڑ ٹُک ٹُک ہوسی"

تو وہ اس عظیم شہادت کو دیکھ رہے تھے ۔ آنسوؤں کے اس سمندر کو دیکھ رہے تھے جو اس ظلم کو دیکھ کر جاگ اُٹھا تھا —— انہوں نے جب کہا :۔

"ایتی مار پئی کُرلانے
تیں کی دَرد نہ آئیا ؟"

تو وہ صرف اپنے زمانہ کو نہیں، اس زمانے کو بھی دیکھ رہے تھے جو اُن کے بعد آنے والا تھا ۔ ظلم کی آگ کا آغاز تو شری گورو نانک دیو جی سے بہت پہلے ہُوا ۔ اُن کے وقت میں یہ آگ تیز ہو رہی تھی ۔ ان کے بعد بھی وہ موجود تھی ۔ ہر طرف اُٹھتے ہوئے اس "بھانبڑ" کو دیکھ کر ہی اُنہوں نے آنسو بھری آواز میں پوچھا :۔

تجھے کیا ترس نہیں آتا میرے مالک !

"تو سب کا مالک، سب کا کارساز ہے۔

ہمارے لئے پرایا کیوں بن گیا؟

'طاقت والا طاقت والے سے لڑے تو من میں دُکھ نہیں ہوتا۔

'لیکن یہ تو اس طرح ہے جیسے خونخوار درندہ بے بس گئوؤں کے ریوڑ پر ٹوٹ پڑا ہو ——————"

ایسا تھا وہ زمانہ جسے دیکھ کے شری گورو نانک دیو جی مہاراج نے اپنے اس مالک کو پکارتے ہوئے، جس کے سوائے کوئی مالک نہیں، جس کے سوائے کوئی سننے والا نہیں۔ اپنی درد بھری آواز میں کہا :—

جگت جلندا رکھ لے۔ اپنی کرپا دھار
جت دوارے اُوبرے تِتّے لیہو اُبھار

(اس جلتے ہوئے جگت کو بچا لو پربھو۔ اپنی کرپا سے بچا لو۔ جس طرح جس راستہ سے، جیسے بھی ہو سکتا ہو ویسے ہی اس کی رکشا کرو)

اِس طرح جب ہر طرف ہاہاکار ہو رہی تھی۔ جب واقعی ظلم، تعصب، نفرت، حقارت، لالچ اور خود غرضی کی آگ میں جہان جلا جاتا تھا۔ جب دھرم اور نیکی کا نشان مٹا جاتا تھا۔ اور جب ظلم کی تلوار گھماتا، ہر طرف چیخیں جگاتا، قیامتیں اُبھارتا ہوا گناہ آگے بڑھ رہا تھا ——————

تب —

ہیم کُنٹ پربت ہے جہاں
سپت شرنگ سوبھت ہے تہاں

اُس جگہ اس مہاشکتی نے (جسے لوگ رام، رحیم، کرشن، کریم، اللہ، خدا، واہگورو، پرماتما، پرمیشور اور کتنے ہی دوسرے ناموں سے پکارتے ہیں۔ اور جو مہاکال کی بھی کالکا ہے) پریرنا کی بھاشا میں شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کو کہا —"اُٹھو مہاپرش ظلم و ستم کی آگ سے جھلستی اس دنیا میں جاؤ۔ اور

جہاں تہاں تم دھرم بتھارو
دُشٹ دوکھین پکڑ پچھارو۔"

اور تب اس مہایوگی کا اوتار ہوا جس نے ظلم کی جڑیں ہلا دیں۔ ناانصافی کے محل مسمار کر دیئے۔ ور پاپ کی پناہگاہوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

اس پرم پوتر، پرم پوجیہ یوگیراج کی جیون کہانی کتنے ہی عالموں، پنڈتوں اور گیانیوں نے لکھی ہے ——— کتنے ہی کویوں نے ان کے گیت گائے ہیں۔ میں اُن کے جیسی خوبصورت اور عالمانہ باتیں کہہ نہیں سکوں گا۔ میرے جیسے حقیر آدمی کے پاس اتنی طاقت نہیں، علمیت نہیں۔ پھر بھی اس مقدس جیون کی بات سنانے سے پہلے ایک عرض کرنا چاہتا ہوں۔

شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے ظالم کے خلاف اگر تلوار اٹھائی تو اُس کے مذہب کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ اسلئے کہ وہ ظالم اور جابر تھا۔ یہ جنگ تھی ظالم اور مظلوم کی۔ جابر اور مجبور کی ——— ایک سفاک حکومت کی اور ایک بے بس محکومیت کی ——— شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے مظلوم، مجبور اور محکوم کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا ——— اٹھو، آگے بڑھو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں، ——— آؤ ہم جبر و استبداد اور ظلم و ناانصافی کا تختہ الٹ دیں۔

اور واقعی انہوں نے ظلم کے محل کی بنیادیں ہلا دیں ——— اُن کے سامنے ہی اس عمارت میں شگاف پڑ گئے ——— کتنے ہی لوگوں نے، کتنے ہی طریقوں سے "بلیاں" لگا لگا کر اس عمارت کو بچانے کی کوشش کی۔ لیکن یہ بچی نہیں۔ کچھ ہی برسوں کے بعد وہ اُس طرح چکنا چور ہو کے گر پڑی کہ اب اُس کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔

شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے "بھوانی۔ بھگوتی۔ چنڈکا" کو اٹھایا تو کسی مذہب یا فرقے کے خلاف نہیں۔ بلکہ جور، ناانصافی، پاپ اور غلامی کے خلاف ——— اس لئے انہوں نے جس تیغ کو اٹھایا اُس کو دیکھتے ہوئے کہا:———

کھگ کھنڈ بیہنڈم۔ کھل دل کھنڈم۔ اتی رن منڈم۔ بر بنڈم

بھج ڈنڈ اکھنڈم۔ تیج پرچنڈم۔ جوت امنڈم۔ بھان پربھم

سکھ سنتاں کرنم۔ درمت درنم۔ کل وکھ ہرنم۔ اس سرنم

جے جے جگ کارن۔ سرشٹ اُبارن۔ مم پرت پارن۔ جے تیغم

اے ملکوں اور براعظموں کو فتح دینے والی!

مکاروں اور گناہگاروں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والی!

جنگ کی شدت میں بہادروں کو حوصلہ دینے والی!

بازوؤں کو طاقت دینے والی!

پرچنڈ تیج اور جگمگاتی روشنی کے ساتھ سورج کی طرح چمکنے والی!

نیک لوگوں کو سکھ دینے والی!

پاپیوں کو پیسنے والی!

دکھوں کو دور کرنے والی!

میں تیری شرن میں آیا ہوں۔

تو دنیا کو بنانے والی ہو۔

تو عالم کو ابھارنے والی ہو۔

تو ہی میری محافظ اور میرا پالن کرنے والی ہو۔

تیری جے ہو!

اے تلوار — تیری جے ہو! ———————— "

"یاہی کاج دھرا ہم جنم"

کتابیں کہتی ہیں۔ اتہاس کہتا ہے کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کا جنم ۲۹ دسمبر ۱۶۶۶ء کے دن اُس مقدس پٹنہ نگری میں ہُوا جس کا نام کبھی "پاٹلی پُتر" تھا۔ جہاں کبھی ہندوستان کے عظیم سیاستدان مہاتما چانکیہ نے اس دیش کی عظمت کے خواب کو اصلیت بنایا تھا۔ اس دیش کے دشمنوں کو اس طرح نیچا دکھایا تھا کہ وہ پھر صدیوں تک سر نہ اُٹھا سکے۔ اور جہاں کبھی سمراٹ اشوک نے دُنیا بھر کو وہ پیغام دیا تھا جس کی آواز آج بھی چین، جاپان، کوریا، منگولیا، تبت، ویت نام، لاؤس، کمبوڈیا، تھائی لینڈ، ملیشیا، لنکا اور کتنے ہی دوسرے دیشوں میں سُنائی دیتی ہے۔

کتابیں سچ کہتی ہیں۔ اتہاس سچ کہتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ کتنی ہی صدیوں سے ظلم و استبداد کے پاؤں تلے روندی گئی پٹنہ کی وہ پنیہ دھرتی رات کے خاموش سناٹوں میں اپنی جس بیتی ہوئی عظمت کے خواب دیکھتی تھی، اس کو پھر سے جگانے کی تمنا ہی اس بالک کے رُوپ میں جاگ اُٹھی جس نے اس دیش کے سینے پر کھڑے غلامی کے محل کو مسمار کر کے رکھ دیا۔ وہ پٹنہ جہاں کبھی چندر گپت موریہ کے سامنے یُونان و بابل کے نمائندوں نے سر جھکایا تھا، جہاں گھاس کے جھونپڑے میں رہنے والے مہامنتری چانکیہ نے ساری دُنیا کو راج نیتی کا سبق دیا تھا۔ جہاں کبھی مہاراج سمندر گپت نے بھارت کی سوئی ہوئی شان کو جگانے کی کوشش کی تھی، جہاں سے تھوڑی ہی دُوری پر نالندہ میں دُنیا کی سب سے بڑی تعلیمی درسگاہ کی سات منزلہ عمارتوں میں بھارت کا علم، بھارت کا فلسفہ، بھارت کا گیان اور بھارت کا وگیان دُنیا بھر کو روشنی دکھانے کیلئے چمک اُٹھے تھے۔ جہاں ——— ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اُس دھرتی کی آتما تاریک راتوں کے اندھیرے میں اور چاندنی راتوں کی روشنی میں سمندر کی طرح گرجتی، گنگا کے کنارے پر کھڑی ہو کے، ہاتھ پھیلا کے پوچھتی تھی ——— کیا وہ بیتا زمانہ پھر کبھی واپس نہ آئے گا؟ ——— وہ کھوتی ہوئی عظمت؟ ——— وہ چھنی ہوئی آزادی ——— ؟ کیا یہ زنجیریں نہ ٹوٹ سکیں گی؟ ——— آنسو نہ سُوکھ سکیں گے؟ ——— آہوں کا انت نہ ہو سکے گا؟ ——— اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ——— لاکھوں برس بوڑھے ہمالہ کی بیٹی یہ گنگا

جو یوگی کی مالا کی طرح اس کی گود میں کھیلتی ہے۔ "ہیم کُنٹ" کے "سپت شرنگوں" کا پیغام سناتی ہوئی کہتی تھی۔
"رو نہیں۔ گھبرا نہیں۔ تھوڑی دیر انتظار کر۔ تیری پکار سُنی گئی۔ اب تیری ہی گود میں وہ آفتاب طلوع ہو گا جس کی روشنی ظلم و جبر و ناانصافی کی تیرگی کو تار تار کر دے گی۔"

کتابیں سچ کہتی ہیں۔ اتہاس سچ کہتا ہے۔

اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کا جنم صرف ۲۹ دسمبر ۱۶۶۶ء کے روز نہیں بلکہ اس سے ۱۹۷ برس پہلے ۱۵ اپریل ۱۴۶۹ء کے روز بھی اُس تلونڈی میں ہوا جس کے چاروں طرف پنجاب کے کھیت لہلہاتے تھے۔ پنجاب کے جنگل جھُومتے تھے۔ پنجاب کی ہوا کے جھونکے گاتے تھے۔ پنجاب کا حسن مُسکراتا تھا۔ پنجاب کی شجاعت گرجتی تھی۔ اس خوبصورت خطہ زمین میں جسے آج ہم "شری ننکانہ صاحب" کہتے ہیں، شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے جسم کا جنم نہیں ہوا، لیکن اس مشن کا، اس سپرٹ کا اور اس پیغام کا جنم ضرور ہوا جس کے لیئے وہ اِس دُنیا میں آئے۔

آدمی کیا ہے؟

کیا محض یہ جسم؟ یہ ہاتھ، ناک، کان، پاؤں اور دُوسرے اعضاء؟

شری گورو گوبند سنگھ جی جسمانی لحاظ سے بے حد خوبصورت تھے۔ جو لوگ اُنہیں دیکھتے ان کا دِل چاہتا کہ دیکھتے ہی رہیں۔ ان کے چہرے پر شجاعت تھی، آنکھوں میں امرت، آواز میں شہد کی مٹھاس۔ وہ جب سامنے آتے تو لوگوں کے صرف سر ہی نہیں جھکتے تھے، پیار سے دِل بھی جھوم اُٹھتے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا دیکھنے والوں کو کہ ایک عجیب نشہ، ایک عجیب خُمار۔ ایک عجیب مستی ان کے دِلوں پہ چھائی جاتی ہے۔ عجیب اسلیئے کہ اس میں عام نشے کی سی تلخی اور بے چینی نہیں۔ اِک بیحد میٹھی سی شانتی ہے۔ جیسے گرمیوں کی دھوپ میں جلتا آدمی کسی شیتل چھایا میں پہنچ گیا ہو۔ اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں اُسے نیند آنے لگی ہو۔

ایسے تھے وہ پریتم۔ جنہیں دیکھ کر حُسن کے دِل میں وارفتگی عشق کا سیلاب جاگ اُٹھتا تھا۔

لیکن اگر وہ اتنے خوبصورت نہ ہوتے، اگر ان کے نقش و نگار قدرے مختلف ہوتے تو کیا ہم انہیں "گورو جی" نہ کہتے۔ اُنہیں پیار نہ کرتے۔ ان کا ذکر آتے ہی ادب و احترام سے اپنے سر نہ جھکا دیتے؟ ——

—— یقیناً ہم یہ سب کچھ کرتے۔ کیونکہ آدمی محض جسم نہیں بلکہ وہ سپرٹ ہے، وہ مشن ہے، وہ پیغام ہے، جسے وہ اپنے جیون کے ذریعے دُوسروں کے سامنے رکھتا ہے۔ جسم تو ہر سات برس کے بعد کلیتاً بدل جاتا ہے۔ جس بچے کو آپ نے دو برس کی عمر میں دیکھا اُسے دس برس کی عمر میں دیکھئے تو وہ کوئی دُوسرا آدمی

معلوم ہوگا۔ اس کو ۲۰ یا ۲۲ برس کی عمر میں دیکھیئے تو وہ کوئی" اور آدمی ہوگا۔ اور ساٹھ یا ستر سال کی عمر میں دیکھے تو آپ یقین نہیں کر پائیں گے کہ یہ وہی آدمی ہے جسے آپ نے چالیس یا پچاس برس پہلے دیکھا تھا ۔ جسم محض رُوپ ہے۔ لگاتار بدلتا ہے۔ آدمی کی اصلیت وہ نصب العین ہے جسے پُورا کرنے کے لئے وہ اس دُنیا میں آیا ہے۔

اور شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے مشن کا جنم پٹنہ میں نہیں تلونڈی میں اُس وقت ہُوا جب مہتہ کلیان داس جی کے گھر میں ایک چھوٹے سے بالک نے اپنی امرت بھری آنکھیں کھول کر دُنیا کو دیکھا۔ اور جب اس بالک کی بڑی بہن نے اس مسکراتی ہُوئی معصومیت کو دیکھ کر دل ہی دل میں حیرت سے کہا۔
"یہ کون دیوتا ہمارے گھر میں آگیا ہے؟"
پچھلے دنوں ایک کتاب میں پڑھ رہا تھا جسے پروفیسر پورن سنگھ جی نے لکھا ہے۔ اور جس کا نام "ٹین ماسٹرز" (TEN MASTERS) ہے۔ پروفیسر پُورن سنگھ جی کبھی سوامی رام تیرتھ جی کے ساتھ کام کرتے تھے سوامی رام تیرتھ جی کی جیون کہانی بھی انہوں نے لکھی۔ اور سچ یہ ہے کہ سوامی رام تیرتھ جی کی اس سے بہتر جیون کہانی دُوسرا کوئی لکھ نہیں سکا۔ دس گورُوں کے متعلق بھی متذکرہ بالا جو کتاب انہوں نے لکھی وہ بہت خوبصورت ہے۔ اُسے پڑھ کے رُوح میں روشنی آتی ہے۔ لیکن اس کتاب میں سب سے خوبصورت بات یہ ہے کہ پورن سنگھ جی نے پراتہ سمرنیہ پُوجنیہ سکھ گورُوں کے نام ایک نئے طریقہ سے دیئے ہیں۔ شری گورو نانک دیو جی مہاراج کے بعد وہ شری گورو انگد دیو جی مہاراج کو "انگد نانک" کہتے ہیں۔ شری گورو امرداس جی کو "امرداس نانک"۔ تب "رام داس نانک" - "ارجن دیو نانک" - "ہر گوبند نانک" - "ہر رائے نانک" "ہرکشن نانک" - "تیغ بہادر نانک"۔ اور تب دسویں پاتشاہ کو "گوبند سنگھ نانک" ——— پرم پُوجنیہ گورُوں کے نام لکھنے کا یہ ڈھنگ مجھے بہت اچھا لگا۔ کیونکہ اس سے وہ سچائی ظاہر ہوتی ہے جسے کبھی کبھی ہم بھول جاتے ہیں۔ اور وہ سچائی یہ ہے کہ شری گورو نانک دیو جی سے لے کر شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج تک ایک ہی جیوتی کام کر رہی تھی۔ ایک ہی نُور کا سیلاب اُمڈتا، اُبھرتا، سب کو اپنے پیار کی لپیٹ میں لیتا ہُوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک ہی پیغام کو سُنانے کے لئے، ایک ہی مشن کو لے کر یہ سب کے سب پُنیہ مہاتما ایک ہی منزل کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔ ان کے نام الگ الگ تھے، رُوپ مختلف جسم جُدا جُدا، لیکن اُن کی آواز ایک تھی۔ پیغام ایک تھا۔ نصب العین ایک تھا۔

اور یہ پیغام کیا تھا؟ ——— یہ کہ ظلم کا خاتمہ ہونا چاہیئے۔ ناانصافی کا، گناہ کا، غلامی کا، اور انسان کی تذلیل کا خاتمہ ہونا چاہیئے۔ اس کے تنزل کا خاتمہ ہونا چاہیئے ———

شری گورو نانک دیو جی مہاراج نے جب دیکھا کہ :-

"وہ خوبصورت سر جن کی ریشمی زلفیں عطر میں بسی ہیں۔

اور جن کی مانگوں میں اب بھی سیندور بھرا ہے۔

اُن کی گردنیں کٹی پڑی ہیں۔

اور وہ دھول میں لڑھک رہے ہیں ———————"

جب اُنہوں نے دیکھا کہ :-

محلوں میں رہنے والی یہ دیویاں

"اپنے اپنے دولہا کی آنکھوں میں پیار کی پیاس جگانے والی دُلہنیں۔

پیار کے جھولے جھولنے والی حسینائیں

جن کی آمد پر انہیں ڈولی سے اُتارتے ہی گھر کی بزرگ عورتوں نے ان پہ پانی وار وار کے پیا

"تاکہ ان کی بلائیں لے لیں

ان کے دُکھوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں۔

جنہیں کھانے کے لئے "کھانڈ اور چُوری" دی گئی

گری اور چھوہارے دیئے گئے۔

جن کا حکم کتنے ہی لوگوں پر چلتا تھا۔

کتنے ہی لوگ ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے

"جو سُہاگ بھری سیجوں کی سجاوٹ تھیں

"جو جسم پر سلک اور گردن میں موتیوں کی مالائیں پہنتی تھیں۔

انہیں پیار کرنے والے، انہیں چاہنے والے، ان پر فدا ہونے والے

آج پتہ نہیں کہاں گئے۔

محلوں میں رنگ رلیاں منانے والیوں کے لئے

آج بیٹھنے کی جگہ نہیں۔

آج بدیشی حملہ آور اُنہیں لونڈیاں بنا کر،

باندھ کر لئے جاتے ہیں

کیسا زمانہ ہے۔

دھن اور جوبن دونوں ہی انسان کے دشمن بن گئے ہیں ————— "

یہ سب کچھ دیکھا انہوں نے تو درد بھرے الفاظ میں کہا :-

دھنیہ ہو بابا - دھنیہ ہو تُم -

ہے آدی پُرش ! تیرا انت کسی نے پایا نہیں -

چاہے کوئی کیسا ہی بھیس دھارن کر لے ————— "

لیکن یہ تو اس بیماری کا روپ ہے جسے گورو مہاراج نے دیکھا - بدیشی حملہ آور بڑھے آتے تھے - ظلم کا سیلاب بڑھا آتا تھا - مظلوم کے پاس رونے چلّانے آنسو بہانے کے سوائے کوئی چارہ نہیں تھا توہمات میں پھنسے ہوئے، سچے مالک کو بھولے ہوئے، دبتے ہوئے، پستے ہوئے لوگ نہیں جانتے تھے کہ انہیں کرنا کیا ہے - نہیں جانتے تھے کہ سچائی کا راستہ کیا ہے ؟ -

مگر شری گورو نانک دیو جی مہاراج جیسے مہا پُرش اس لئے تو آتے نہیں کہ تماشہ دیکھیں اور چلے جائیں - یُگوں کے بعد ایسے مہا پُرش آتے ہیں - اور اسلئے آتے ہیں کہ دُنیا کو بدل کے رکھ دیں - نئے یگ کا آغاز کر دیں - نئی جیوتی کو روشن کر دیں - شری گورو نانک دیو جی مہاراج نے بھی اپنے چاروں طرف روتی ہوئی دُنیا کو دیکھا - اتیاچار تلے دبی ہوئی، اہنسا کے تلے پستی ہوئی، لالچ تلے لہولہان ہوتی ہوئی دُنیا کو دیکھا - اور فیصلہ کیا کہ وہ اس حالت کو جاری نہیں رہنے دیں گے ظلم و ناانصافی کے سیلاب کو روک دیں گے - لیکن کیسے ؟ - کس طرح یہ سب کچھ کرنا ہوگا ؟

تلونڈی کے اس پرم پُوجیہ مہاتما کے متعلق دُوسرے لوگ کیا کہتے ہیں، یہ میں جانتا نہیں - لیکن میرا وشواس ہے کہ وہ ایشور، پرمیشور یا واہگورو نہیں تھے - برہما، وشنو، شِو، شکتی یا مہاکالی کا اوتار بھی نہیں تھے - وشواس اور شردھا کے معاملہ میں دلیل ہو نہیں سکتی اسلئے دوسروں کے وشواس اور دوسروں کی شردھا کے متعلق میں کچھ کہوں گا نہیں - میرا وشواس ہے کہ جسے ہم پرم پتا، پرمیشور، پرم شکتی، اللہ، خُدا یا واہگورو کہتے ہیں اس کے اوتار کا سوال پیدا نہیں ہوتا - ہماری زمین سے ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل کی دُوری پر سُورج ہے - سُورج سے تین ارب ، ۶ کروڑ میل کی دُوری پر وہ یم تارا ہے جس سے شائد مزید ایک ارب میل پرے ہمارے سورج منڈل کی حد ختم ہو جاتی ہے - اس کا مطلب یہ ہے کہ قریباً ۹ ارب میل لمبا، اتنا ہی چوڑا یہ سورج منڈل ہے - ایسے ڈیڑھ ارب سُورج منڈل اُس مہا سورج منڈل میں ہیں جسے ہم آکاش گنگا کہتے ہیں - اور جو اندھیری رات کے وقت چمکتی دھُوں کے بادل جیسا دکھائی دیتا ہے - عام آدمی کیلئے یہ سمجھنا اور ماننا بھی مشکل ہے کہ یہ ساری کی ساری

آکاش گنگا (جو اصل میں ہمارا برہمانڈ ہے اور جس کا ایک حصہ وہ سورج منڈل ہے جس کے ایک چھوٹے سے گرہ اِس پرتھوی پر ہم رہتے ہیں۔ یہ سب کا سب) اربوں میل کی دوری سے محض ایک ستارہ سا دکھائی دیتا ہے۔ ایک چمکتا ہوا نقطہ۔ جگمگاتا ہوا ذرہ۔ ٹھیک ایسے ہی جیسے آکاش میں چمکنے والے ستارے ہمیں دکھائی دیتے ہیں۔ سائینسدانوں نے اب تک جو گنتی کی اُس کے مطابق قریباً ایک کھرب ستارے آکاش میں نظر آتے ہیں۔ شاید کوئی بڑی دوربین بننے پر اس سے بھی کئی گنا زیادہ نظر آئیں گے۔ ان میں ہر ستارہ ایک ایک برہمانڈ ہے (جیسے ہماری آکاش گنگا ہے) ان میں ہر برہمانڈ کے اندر ہمارے برہمانڈ کی طرح اربوں سورج منڈل ہیں۔ ہر سورج منڈل کے اندر متعدد تارے گھوم رہے ہیں۔ جیسے ہمارے سُورج کے گرد بدھ، شکر، پرتھوی، منگل، برہسپتی، شنی، ارُن، وُرن اور یم گھوم رہے ہیں۔۔۔ ان میں سے ہر تارے پر کھربوں جاندار رہتے ہیں۔ جیسے ہماری پرتھوی پر رہتے ہیں۔ اور ان سب پرانیوں کا، ان سبھی تاروں، سورج منڈلوں اور مہا سورج منڈلوں کی پرورش کرنے والا، سب کو پیدا کرنے والا، سب کو چلانے والا، سب کی دیکھ ریکھ کرنے والا، سب کو طاقت دینے والا، روشنی دینے والا، زندگی دینے والا وہ ایک پرم پُرش ہے۔ جس سے بڑی کوئی شکتی نہیں۔ جس کے جیسی دوسری کوئی طاقت نہیں۔ وہ پرم شکتی ہے، وہ مہا کال ہے۔ مہا دیو ہے۔ وہ اس دیش میں ہے۔ اس شہر میں، اس کمرے میں، اس میز میں، اس کاغذ میں، اس قلم میں، اس سیاہی میں، اس پرتھوی کے اندر دھدکتے ہوئے لاوے میں، ہمالہ کی چوٹیوں پر چمکتی ہوئی برف میں، ہر جگہ۔ ہر کن میں۔ ہر ذرے میں ۔۔۔ اور وہ اُس ستارے میں بھی ہے جس کی روشنی کو ہمارے پاس پہنچنے میں کئی کروڑ برس لگ جاتے ہیں جبکہ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل چلتی ہے۔ یہاں اس کی جتنی طاقت ہے، یہاں سے کروڑوں برس کی دوری پر چمکنے والے ستارے میں بھی اتنی ہی طاقت ہے۔ وہاں جتنی طاقت ہے اتنی ہی یہاں بھی ہے۔ اسے اوتار دھارن کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ وہ اس بے نت۔ بے انت آکاش میں دھول کے ایک حقیر ذرے کی طرح اُڑتی ہوئی اس پرتھوی کے کسی حصے پر رہنے والے لوگوں کو بچانے یا راہِ راست پر لانے کے لئے انسان کا یا کوئی دوسرا روپ کیوں دھارن کرے گا؟ اس کی طاقت بے انت ہے۔ اس کے ایک اشارے سے ہزاروں لاکھوں نئے برہمانڈ جاگ اُٹھتے ہیں۔ اس کے ایک اشارے سے کروڑوں برہمانڈوں میں قیامت ناچ اٹھتی ہے ۔۔۔۔۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ اس پرم شکتی کے اوتار لینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا جسے ہم پرمیشور، پرم پُرش، پرم پتا، پرماتما، اللہ، خُدا اور واہگورو یا رام کہتے ہیں ۔۔۔۔۔ لیکن

جتنے وشواس کے ساتھ میں کہتا ہوں کہ شری گورونانک دیو جی مہاراج پرمیشور کا اوتار نہیں تھے۔ اتنے ہی وشواس کے ساتھ میں کہتا ہوں کہ ان کے اندر جو آتما تھی وہ سادھارن نہیں، بہت مہان، بہت شکتی والی، روحانیت کی انتہائی بلندیوں پر پہنچی ہوئی آتما تھی۔ ان کے اندر یہ شکتی تھی کہ اگر وہ چاہتے تو بابر کو تحس نحس کر کے رکھ دیتے۔ ہندوستان پر حملہ کرنے والوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ ان لوگوں کو بچا لیتے جو پسے جاتے تھے۔

شکتی ہوتے پر بھی انہوں نے ایسا نہیں کیا تو کیوں؟ اس لئے کہ وہ ایشور کے بھگت تھے ان کے باغی نہیں۔ وہ جانتے تھے کہ اس ملک کے لوگوں پر جو مصیبتیں آ رہی ہیں وہ ان کے اپنے کرم کا، اپنے طرزِ عمل کا اور اپنی غلط روی کا نتیجہ ہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ جب تک یہ سب کچھ بدلے گا نہیں، تب تک جو کچھ بھی ہوگا وہ عارضی رہے گا۔ آج وہ ایک بابر کو ختم کر سکتے ہیں۔ اپنے یوگ بل سے اس کی طاقت کو حقیر بنا سکتے ہیں۔ لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ کچھ برسوں کے بعد کوئی نیا بابر نہیں آئے گا؟ نئے ظلم نہیں ہوں گے؟ کسی دوسرے کے دل میں حرص و ہوا کی آگ نہ جل اٹھے گی؟ ناانصافی کا کوئی نیا دور شروع نہ ہوگا؟ یقیناً اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں۔ ایسی حالت میں اگر وہ "فرغانہ کے بابر" کو ختم بھی کر دیں تو اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ بجا طور پر انہوں نے سوچا۔ اصل ضرورت یہ ہے کہ خود لوگوں میں یہ طاقت پیدا کی جائے۔ انہیں کے اندر اس روشنی کو جگایا جائے جو ہر اندھیرے کو دور کر دے۔

لیکن یہ طاقت پیدا کیسے ہوگی؟ یہ روشنی جاگے گی کیسے؟

دنیا میں ہر طاقت، ہر شکتی کا مالک وہ پرمیشور ہے۔ جسے بھول کر بھولے بھالے لوگ دکھاوے اور آڈمبر کا شکار بنتے جاتے تھے۔ تلک کس طرح لگانا، دھوتی کس طرح پہننا، کھانا کس طرح پکانا، کس چیز کو کھانا کس کو نہیں کھانا، کدھر سر کر کے سونا، کدھر منہ کر کے اٹھنا۔ یہی سب کچھ دھرم رہ گیا تھا۔ جس دیش کے اندر کبھی گھر گھر میں وید منتر گونجتے تھے۔ رشی اور مہاتما جگہ جگہ گھوم کر لوگوں کو سکھ اور شانتی کا مارگ دکھاتے تھے۔ اس میں کچھ برہمن ہی وید کو پڑھتے تھے۔ ایسی بھاشا میں پڑھتے تھے جس کو لاکھ میں ننیانوے ہزار نو سو ننیانوے آدمی سمجھ نہیں پاتے تھے۔ اور یہ ایک آدمی بھی پوری طرح سمجھ پاتا ہے یا نہیں، یہ بھی کسی کو معلوم نہیں تھا۔ دھرم کا مطلب یا تو درختوں، پودوں، ندیوں، پہاڑوں، پتھروں اور مورتیوں کی پوجا رہ گیا تھا۔ یا اُن سدھوں اور یوگیوں کے متعلق باتیں کرنا جو عام وہم کے مطابق "جنتر منتر اور تنتر" سے انہونی باتیں کرتے تھے۔

ایسی حالت تھی اُس وقت جیسے کسی مکان میں رہنے والوں نے بجلی گھر سے مکان میں آنے

والی تار کو توڑ دیا ہو۔ اور بجلی کے وہ بٹن دبا دبا کر بتیاں جلانے کی کوشش کر رہے ہوں جن میں بجلی کی طاقت نہیں۔

اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے اس ٹوٹی ہوئی تار کو جوڑنا ہوگا۔ فیصلے کے بعد انہوں نے ایک قسم کے لوگوں سے کہا:۔

"دھرم ٹکڑے جوڑ کر بنائی گدڑی کو پہننے میں نہیں۔
"دھرم "ڈنڈ" دھارن کرنے میں نہیں۔
"جسم پر راکھ ملنے میں نہیں۔
"کان پھڑوا کر اُن میں مُندرا پہننے میں نہیں۔
"سر مُنڈانے یا شنکھ بجانے میں بھی دھرم نہیں۔
"تجھے دھرم کی تلاش ہے تو
"مالک کے نام کا سُرمہ اپنے دِل کی آنکھوں میں ڈالو۔
"مالک کا پیار ہی اصل دھرم ہے ——————— "

دُوسری قسم کے لوگوں کو انہوں نے کہا:۔

"رحم کی مسجد بناؤ۔
"یقین کا مُصلیٰ بچھاؤ۔
"ایمانداری کے جیون کو اپنا قرآن
"انکساری کو سُنّت بناؤ۔
"قناعت کو روزہ
"نیکی کو کعبہ مانو۔
"سچائی کو پیغمبر
"اُس کی رضا کو اپنی تسبیح بنالو۔
"مالک سے مہر کی بھیک مانگو۔
"تبھی تم مسلمان ہو۔
"تبھی تمہاری دُعا قبول ہوگی ——————— "

اور سب کو راستہ دکھاتے ہوئے انہوں نے کہا ——— "کس راستے پر چلے جلتے ہو تم۔ اپنی

منزل کو سمجھو۔ تمہارا رام۔ تمہارا واہگورو۔ تمہارا ایشور۔ تمہارا خدا تو ہر جگہ ہے۔ وہ ایک ہے سب کا ہے۔ تم اُسے بانٹ کر کیسے بیٹھ گئے ہو۔ وہ سرب روگ کی اوشدھی ہے۔ سب بیماریوں کا علاج۔ سب مصیبتوں کا مداوا۔ تم نے اُسی کو سب مصیبتوں کی جڑ بنا دیا ہے۔ اس کا نام لے کر، اس کے الگ الگ گھر بنا کر لڑے جاتے ہو۔ آؤ۔ وہ دیکھو۔ اُوپر

آسمان کے تھال ہیں
سُورج اور چاند کے چراغ جلتے ہیں۔
بے انت ستاروں کے ہیرے چمکتے ہیں۔
ملے کے پہاڑوں سے چندن کی خوشبو لے کر
اور بے انت پھُولوں کی مدماتی مہک لے کر
ہوا کے جھونکے چنور جھُلاتے ہیں۔
اس طرح اس محبوب کی آرتی اُتاری جاتی ہے۔
جو خوف کو تباہ کرتا ہے۔
جو سب کا مالک ہے۔
اناہت ناد[1] اس کے لئے ساز بجاتا ہے۔
اور شبد کی موسیقی اس طرح جاگ اُٹھتی ہے
جیسے کسی کے شہد بھرے ہونٹوں کو چھُو کر بانسری پکار اُٹھی ہو ——— "

اور تبھی جیسے ان کی نام خماری سے مخمور آنکھیں اپنے مالک کو سامنے دیکھتی ہوں، انہوں نے کہا:۔

"ہزاروں آنکھیں ہیں تیری۔
لیکن کوئی بھی تیری آنکھ نہیں۔
ہزاروں رُوپ ہیں تیرے۔
لیکن کوئی بھی تیرا رُوپ نہیں۔
ہزاروں چرن کمل ہیں تیرے۔

---

[1] "اناہت ناد" ——— وہ آواز جسے یوگی لوگ دھیان کی حالت کو حاصل کرنے کے بعد اپنے اندر سُنتے ہیں۔

لیکن کوئی بھی تیرا چرن نہیں۔

ہزاروں ناک ہیں تیری۔ بُو کو جاننے والی۔

لیکن تیری کوئی بھی ناک نہیں۔

کتنی حیرت ہے مالک۔ کتنی حیرت! ______________

اور تب پھر جیسے بھولے ہوئے لوگوں کو سچائی کی روشنی دکھاتے ہوئے انہوں نے کہا:۔

"سُنو!

سب کے اندر اُس جیوتی والے کی جیوتی ہے۔

سب کے اندر اُس شکتی والے کی شکتی ہے۔

اُس کی روشنی کی وجہ سے ہر جگہ روشنی ہوتی ہے۔

گورو کی کرپا سے یہ روشنی دکھائی دیتی ہے۔

جو اُسے اچھی لگے وہی اُس کی پُوجا ہے۔

مَیں اور کچھ جانتا نہیں۔

بھنورے کی طرح اُس کے چرن کمل ہی میرے محبوب ہیں۔

چاترک پرندے کی طرح اُسی کے نام کا امرت جل میری پیاس کو بجھا سکتا ہے۔

نانک پر مہر کرو۔ میرے مالک!

مجھے اپنے نام میں مدغم ہو جانے دو ______________"

اِس طرح یہ پیغام جاگ اُٹھا — یہ پیغام کہ "ظلم اور ناانصافی کے سامنے جھکو نہیں۔ یاس و ناامیدی کے اندھیرے کو اپنا جیون نہ بناؤ۔ پاکھنڈ، آڈمبر، دکھاوے اور توہمات سے اُوپر اُٹھ کر سچے دل سے اُس مالک کو یاد کرو جو سب کا مالک ہے، سب کا اپنا ہے۔ جس سے بڑی اور کوئی طاقت نہیں، جس سے بڑا اور کوئی حاکم نہیں۔" ______________ اِس پیغام کو لے کر اور

"ایک[1] اونکار۔ ست نام۔ کرتا پُرکھ۔ نربھو۔ نرویر۔
اکال مورت۔ اجونی۔ سیبھنگ۔ گورو۔ پرساد۔"

---

[1] ایک ہے وہ پرم پتا پرم شکتی پرمیشور اونکار۔ وہی ہمیشہ رہنے والی سچائی ہے۔ وہی سب کا خالق۔ سب کا مالک ہے۔ اس کیلئے کوئی خوف نہیں۔ اسکے دل میں کسی سے دشمنی نہیں۔ اسکے لئے کال نہیں، وہ کبھی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ خود ہی ظاہر ہوتا ہے۔ وہ جہان ہے۔ وہ آنند ہے۔

کا امرت برساتے ہوئے وہ نگر نگر، گاؤں گاؤں، دیش دیش گھومتے پھرے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اُس زمانے میں جب ریل گاڑیاں نہ تھیں، موٹریں نہیں، ہوائی جہاز نہیں۔ کس طرح اتنے لمبے لمبے سفر انہوں نے کئے۔ عرب کے جھلستے ریگستانوں میں، بھارت کے جھومتے جنگلوں میں۔ ہمالہ کی فلک بوس چوٹیوں پر۔ ہر جگہ بالا اور مردانہ کے ساز گونج اٹھے۔ ہر جگہ شری گورو مہاراج کی بانی کا امرت لوگوں کو یوں لگا جیسے پھولوں کے شہد سے بھرپور چاندنی کا امرت بھرا دریا بہتا چلا آتا ہے۔

آج سے قریباً پچاس برس پہلے عراق کی راجدھانی بغداد میں پتھر کا ایک کتبہ ملا جس پر لکھا ہے۔ "فقیروں کے بادشاہ مقدس گورو بابا نانک کی یاد میں یہ یادگار سات پیروں نے مل کر پھر سے تعمیر کی"۔ عبارت کے نیچے جو ہجری سن لکھا ہے اس کے مطابق یہ یادگار ۱۵۲۰ء میں بنائی گئی تھی۔ شری گورو نانک دیو جی مہاراج کے جسم کا اس پرتھوی پر جیون ۱۵۳۹ء تک رہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری بار جب یہ یادگار "پھر سے" بنائی گئی تب شری گورو مہاراج کرتار پور میں موجود تھے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ شری گورو مہاراج اپنا پیغام سنانے کے لئے مغرب میں عرب کے ریگستانوں تک پہنچے۔

اسی طرح اس بات کا ثبوت بھی موجود ہے کہ شری گورو مہاراج تبت کی سرحد تک اور شاید تبت کے اندر کیلاش اور مانسرور تک اور اس سے بھی آگے منگولیا تک پہنچے جہاں اُس زمانے میں سادھو اور سنت عام طور پر جایا کرتے تھے۔ تبت کی سرحد کے اُس پار ترائی کے علاقہ میں آج بھی وہ "نانک متا" موجود ہے جہاں "ریٹھے" کے ایک ہی درخت پر ایک طرف میٹھے ریٹھے پیدا ہوتے ہیں، دوسری طرف کڑوے۔

مشرق، مغرب، شمال، جنوب ہر طرف وہ پہنچے تو اِسلئے کہ لوگوں کو اس ایشور کا نام سنا سکیں اُس کی بھگتی کی طرف راغب کر سکیں۔ جو ہر طاقت سے بڑی طاقت ہے، ہر روشنی سے بڑی روشنی۔ اور جسے بھول کر عام انسان ذلّت و پستی کا شکار ہوتے جاتے تھے۔ اپنی بزدلی کی وجہ سے ظلم و ناانصافی کا بھی۔

بھائی گورداس نے کیا خوب کہا ہے:۔

ست گورو نانک پرگٹیا
مٹی دھند جگ چانن ہویا۔"

اور سچ ہی گورو نانک دیو جی مہاراج نے جو مشعل روشن کی اُس سے دھند مٹی۔ روشنی ہوئی۔

لیکن ضرورت یہ تھی کہ اس مشعل کو لگاتار روشن رکھا جائے۔ اندھیرے کا لگاتار مقابلہ کیا جائے۔ اُمید کی روشنی جاگ اُٹھی تھی اس مشعل سے۔ لیکن منزل ابھی دُور تھی۔ مسافر کو ابھی بہت دُور جانا تھا۔ اس لیئے شری گورو نانک دیو جی مہاراج کی روشن کی ہوئی مشعل کو شری گورو انگد دیو جی مہاراج نے، تب شری گورو امرداس جی مہاراج نے اور شری گورو رام داس جی مہاراج نے اپنی ریاضت سے، اپنے تپ سے اور یوگ سادھن سے مزید روشن کیا۔ مشعل وہی تھی۔ اس کی روشنی بڑھتی جاتی تھی۔ شری گورو انگد دیو جی مہاراج نے کہا :—

"جلا کے راکھ کر دو وہ عزّت۔
"وہ شہرت، وہ دولت، وہ طاقت۔
"جو اس دُنیا کے لوگ تمہیں دیتے ہیں۔
"غلط طریقوں سے، ظلم و ناانصافی سے۔
"ان سب کا فائدہ کیا ہے۔
"اگر وہ مالک بھول گیا جو سب کا خالق، سب کا مالک، سب کا داتا ہے—"

شری گورو رام داس جی نے کہا :—

"تیرا نام ہی میرے مالک۔ میرا واحد سہارا ہے۔
"اِس سے میری بھوک مٹ گئی۔
"جنم جنم کی پیاس مٹ گئی۔
"میرے من کے اندر بیٹھے ست نام نے
"مجھے سکون دے دیا۔ آنند میں شرابور کر دیا۔
"میری سب اِچھائیں پُوری ہو گئیں۔
"بلہاری ہیں اپنے گورو کے۔
"جس نے مجھے یہ سب کچھ دِیا ہے۔
"نانک کہتے ہیں۔ سُنو رے سادھو!
"شبد سے پیار کرو۔ اس کے نام سے پیار کرو۔
"وہ نام ہی میرے مالک۔ میرا سب سے بڑا سہارا ہے———"

اور تب شری گورو رامداس جی نے کہا :— میرے گورو دیو سے بڑھ کر میرا دوست کون ہے؟

"رام نام کی روشنی انہوں نے مجھ کو دے دی۔
گورو کی کرپا سے مِلا یہ نام ہی میرے جیون کا سب سے بڑا ساتھی ہے۔
مالک کے نام کا گُن گانا ہی میری 'رہراس'* ہے ——————"

"جنہوں نے ہری کو اور ہری نام کے رس کو نہیں پایا۔
وہ صرف موت کے جال میں پھنسے ہیں۔ بدنصیب ہیں۔
جو ست گورو کی شرن اور سنگت میں نہیں آئے، اُن کے لئے جینا بے کار ہے۔
جینے کی اُمید بے کار ہے ——————"

شری گورو ارجن دیو جی کے ہاتھوں میں پہنچ کر یہ مشعل اور بھی تیزی سے روشن ہو اُٹھی۔ اُن کی عظیم روحانیت، ان کی شہد جیسی میٹھی شخصیت اور ان کی امرت بھری بانی سب نے اس مشعل کو اتنا روشن، اتنا دلکش اور اتنا حیات افروز بنا دیا کہ دیکھنے والوں کے دل جھوم اُٹھے —— ایک طرف ان کی پیار بھری آواز نے کہا:—

"جب مصیبتوں کے بادل گھر آئیں اور کوئی راستہ دکھائی نہ دے۔
جب دشمن تمہارے پاس آ پہنچے ہوں۔
اور اپنوں نے ساتھ چھوڑ دیا ہو۔
جب نا اُمیدی ہر طرف ہو۔
اُمید پاش پاش ہو گئی ہو۔
تب اپنے مالک کا دھیان کرو۔ جس نے تمہیں پیدا کیا۔
اور تمہاری سبھی تکلیفیں دور ہو جائیں گی۔
وہ مالک ہی کمزور کی طاقت ہے۔
وہ کہیں آتا نہیں، کہیں جاتا نہیں۔
وہ ہر وقت، ہر جگہ موجود ہے۔
گورو کے شبد تمہارے لئے سچائی کے دروازے کھول دیں گے ——————"

* رہراس — یعنی پوجا، پرستش، عبادت۔

دُوسری طرف وہ ہر مظلوم، ہر دکھی، ہر مصیبت زدہ کا سہارا بن گئے۔ بادشاہ جہانگیر کو ایسے معلوم ہُوا کہ اس کے تخت کی بنیادیں ہل گئی ہیں۔ جہانگیر کے بیٹے خسرو نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تو بادشاہ نے اُسے دبانے کیلئے خود اس کا پیچھا کرنا شروع کیا۔ خسرو لاہور کی طرف بھاگا۔ راستہ میں "گوئندوال" آتا تھا۔ جہاں شری گورو ارجن دیو جی رہتے تھے۔ خسرو ان کے پاس پہنچا تو گورو جی نے (جیسے وہ سب کو آشیرواد دیتے تھے ویسے ہی) اُس کو آشیرواد دیا۔ وہ مسافر تھا، اُسے پناہ دی۔ وہ اور اس کے ساتھی بھوکے تھے۔ انہیں گورو کے لنگر" سے کھانا دیا۔ بادشاہ قریب آرہا تھا۔ خسرو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ لاہور کی طرف بھاگا۔ بادشاہ خود "گوئندوال" سے گذرا۔ اس وقت اس نے گورو مہاراج کے خلاف کچھ کہا نہیں، کیا نہیں۔ بھاگتا ہُوا خسرو لاہور میں گرفتار ہُوا۔ اس کے ساتھ سو ساتھی لاہور کے دروازوں کے باہر سُولی پر چڑھا دیئے گئے۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا تو کسی نے جہانگیر کو بتایا کہ گورو ارجن دیو جی مہاراج نے خسرو کو اپنے ہاں پناہ دی تھی کھانا دیا تھا۔ اور اُس کے ماتھے پر تلک لگایا تھا کہ اسے بغاوت میں کامیابی ہو (حالانکہ سکھوں میں تلک لگانے کا رواج اُس وقت تھا نہ اب ہے۔ اس زمانہ میں صرف گورو کو تلک لگایا جاتا تھا جب وہ پہلی بار گدی پر بیٹھتے تھے) تلک لگانے کے متعلق جھوٹی بات کہنے والا شاید وہ "چندو" تھا جو لاہور کے صوبہ دار مرتضیٰ حسین خاں کا "دیوان" تھا۔ اور جو شری گورو ارجن دیو جی مہاراج کا صرف اسلئے دشمن تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹے ہرگوبند کیلئے چندو کی بیٹی کا رشتہ منظور نہیں کیا تھا چندو نے یا کسی دُوسرے نے جہانگیر کو یہ اطلاع دی تو جہانگیر کا غصہ بھڑک اُٹھا۔ اپنی سوانح حیات میں اُس نے خود لکھا:۔

"بیاس ندی کے کنارے گوئندوال نام کا ایک گاؤں ہے جہاں ارجن نام کا ایک آدمی رہتا ہے۔ اُسے 'گورو' کہا جاتا ہے۔ اپنے طور طریقوں سے متعدد ہندوؤں کو اور کچھ سیدھے سادے مسلمانوں کو بھی اُس نے اپنے حلقہ میں لے لیا ہے۔ اُسکی پاکیزگی اور اُسکی روحانیت کا ہر طرف بہت چرچا ہے۔ ملک کے ہر حصّہ سے عبادت کرنے والے اُس کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنے گورو پر پورا اعتماد ہے پچھلی تین چار پیڑھیوں سے یہ تحریک جاری ہے۔ بہت دیر سے میں سوچتا تھا کہ یا تو یہ تحریک ختم ہونی چاہیئے یا اس گورو کو دعوت دینی چاہیئے کہ وہ اسلام قبول کرے۔۔۔۔۔"

اس اطلاع کا ذکر کرنے کے بعد کہ شری گورو ارجن دیو جی مہاراج نے باغی خسرو کو مدد دی اور تلک دیا جہانگیر نے لکھا:۔

"مجھے اس آدمی کی کافرانہ حرکتوں کا پہلے بھی علم تھا۔ اسلئے مَیں نے حکم دیا ہے کہ اِسے گرفتار کر کے میرے سامنے لایا جائے۔ گورو کی ساری جائداد ضبط کر کے مَیں نے مرتضےٰ حسین خاں کے حوالے کر دی ہے اور گورو کے متعلق حکم دیدیا ہے کہ اُسے اذیت دے کر ہلاک کر دیا جائے ـــــ"

یہ اُس آدمی کے اپنے الفاظ ہیں جسے دُنیا نے بھگوان جانے کیوں "عادل" کہا۔ ایک آدمی کے متعلق اسے اطلاع ملی۔ وہ خود تسلیم کرتا ہے کہ اس آدمی کی پاکیزگی اور روحانیت کا ہر طرف چرچا ہے۔ اور اس کے بعد وہ یہ بھی ضروری نہیں سمجھتا کہ جو اطلاع اسے ملی اس کے درست ہونے کی تصدیق بھی کر لے ـــــ ایک سُنی سنائی بات پر بھروسہ کر کے اس نے یہ ظالمانہ حکم دے دیا۔ "ملزم" کو صفائی کا موقع بھی نہیں دیا۔ اس کی بات بھی سُننے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ یہی اگر انصاف ہے تو سفاکی اور ناانصافی کسے کہتے ہیں؟ ـــــ اور پھر (لوگ کہتے ہیں کہ جہانگیر بہت عادل اور بیدار مغز تھا۔ لیکن) اس کے اپنے لکھے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دماغ میں کچھ نہ کچھ خرابی ضرور تھی۔ ایک طرف وہ کہتا ہے "مَیں نے حکم دیدیا ہے کہ گورو کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کیا جائے" ـــــ (ظاہر ہے کہ اس کا صرف ایک مطلب ہو سکتا ہے کہ گورو مہاراج آئیں۔ ان پر عائد کیا گیا الزام انہیں بتایا جائے۔ وہ جواب دیں تب بادشاہ سلامت فیصلہ کریں کہ الزام درست ہے یا نہیں۔ لیکن) ـــ دُوسری طرف یہ بادشاہ صاحب مقدمہ سُننے سے پہلے ہی حکم دے رہے ہیں کہ گورو جی کی جائداد ضبط کر کے مرتضےٰ حسین خاں کے حوالے کر دی جائے۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔ اسے اذیت دے کر ہلاک کر دیا جائے" ـــ عجیب قسم کا انصاف ہے یہ ـــــ لیکن اس تمام تر کہانی کا سب سے شرمناک حصہ یہ ہے کہ گورو مہاراج کو گرفتار کر کے لاہور میں لایا گیا تو بادشاہ سلامت" لاہور سے کشمیر کی طرف جا چکے تھے۔ گورو جی کو انہوں نے کبھی دیکھا نہیں۔ ان سے بات بھی نہیں کی۔ اُن کی بات سُنی بھی نہیں ـــ

بادشاہ کی عدم موجودگی میں لاہور کے صُوبیدار نے اور شری گورو ارجن دیو جی کے پرانے دشمن دیوان چندو شاہ نے فیصلہ کیا کہ گورو مہاراج کو زندہ جلا کر شہید کیا جائے گا۔ لیکن "زندہ جلانے" کا جو طریقہ ان دونوں درندوں نے ایجاد کیا وہ اپنی مثال آپ ہے ـــ لاہور کے شاہی قلعہ کے باہر اس وقت راوی دریا بہتا تھا۔ اس کے کنارے دُور تک ریت تھی۔ اس ریت پر ایک بہت بڑا چولہا بنایا۔ چولہے کے اُوپر لوہے کا توا رکھ دیا گیا۔ توے کے اُوپر ریت ڈال دی گئی۔ چولہے میں آگ جلا دی گئی ـــ ریت انگارے کی طرح گرم ہوئی تو گورو مہاراج کو اس تپتے ہوئے توے پر بٹھا دیا گیا۔ اُن کے جسم پر .

آبلے جاگ اُٹھے تو تپتی ریت اُن پر ڈالی گئی - ہزاروں لوگ اس منظر کو دیکھ رہے تھے - ہزاروں آنکھیں رو رہی تھیں - لیکن گورو مہاراج کے ہونٹوں سے ایک بار "ہائے" تک نہیں نکلی - اُن کے دوست اور روحانیت کے علمبردار پیر میاں میر کو اس ظالمانہ واقعہ کا پتہ لگا تو وہ دوڑے دوڑے اس جگہ پہنچے جہاں شری گورو ارجن دیو جی مہاراج کو بھونا جا رہا تھا - گورو مہاراج کو اس حالت میں دیکھ کر میاں میر جی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کے رو اُٹھے - سسکتے ہوئے بولے "گورو مہاراج - یہ حالت دیکھی نہیں جاتی - کیا کروں میں ؟"

گورو مہاراج نے شانت گمبھیر آواز میں کہا --- "کچھ نہیں میاں میر ! --- مالک جو چاہے وہی مجھے میٹھا لگتا ہے - اس کی اِچھا پوری ہو - اس کے سوائے کچھ نہیں چاہیئے "

لاہور اُس وقت تنور کی طرح گرم تھا - جلتی مٹی لو چل رہی تھی - جیٹھ کا آسمان آگ برسا رہا تھا - اور نیچے دھدکتے ہوئے شعلوں کے اُوپر لوہے کا توا انگارے کی طرح لال ہو گیا تھا - ریت کا ہر ذرہ چنگاری تھا - اور شری گورو مہاراج دھیمے دھیمے کہہ رہے تھے :-

"تیرا کیا میٹھا لاگے
نام پدارتھ نانک مانگے"

شری گورو نانک دیو جی نے کہا تھا :-

"لاہور شہر، زہر، قہر، سوا پہر"

اور واقعی اس روز "سوا پہر" کے لئے لاہور شہر میں زہر بھرا قہر جاگ اُٹھا - آخر یہ سوا پہر ختم ہوا - شری گورو ارجن دیو جی مہاراج راوی کی شیتل دھارا میں داخل ہوئے - پھر کبھی باہر نہیں آئے - آگ بجھ گئی - جیٹھ کا مہینہ گذر گیا --- لیکن سچائی، انصاف اور حق کی حفاظت کیلئے شری گورو مہاراج نے اپنی شہادت سے بغاوت کی جس آگ کو روشن کیا وہ تو ختم نہیں ہوئی - جہانگیر نے سمجھا کہ "گوئندوال کے ارجن" کو ختم کر کے اس نے اپنی سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط کر لیا ہے - یہ نہیں دیکھا اس نے کہ جس طرح نور جہاں کی آنکھوں میں اور شراب کے پیالوں میں اس کی اپنی موت جھانک رہی تھی - اسی طرح اس اُبھرتی ہوئی بغاوت میں سلطنتِ مغلیہ کا سرب ناش جاگ رہا تھا - یہ حکم دے کر کہ گوئندوال کے ارجن کو لاہور میں لایا جائے اور اذیت دے کر ہلاک کیا جائے " وہ کشمیر کی سرد ہواؤں میں چلا گیا - یہ نہیں سمجھا اُس نے کہ ایک دن وہ کشمیر سے واپس آئے گا تو اس کی لاش کو بھی اس لاہور سے آگے جانے کی اجازت نہیں ملے گی - راوی کے اس کنارے پر جہاں شری گورو ارجن دیو جی نے ایسی شہادت حاصل کی کوئی بھی

لاکھوں کروڑوں لوگوں کے سر اُن کے چرنوں کی یاد میں جھکتے ہیں۔ کچھ ہی برسوں کے بعد راوی کے پرلے کنارے پر جہانگیر کی لاش پہنچی تو اتنی بدبو اس میں پیدا ہو گئی تھی کہ نور جہاں نے اسے دفنا دینا ہی مناسب سمجھا

شری گورو نانک دیو جی مہاراج کی روشن کی ہوئی مشعل اب بھی موجود تھی۔ زیادہ جگمگاہٹ کے ساتھ چمکتی۔ زیادہ دور تک روشنی دیتی ہوئی۔ لیکن پرانا زمانہ اب بدل چکا تھا۔ شری گورو نانک دیو جی نے بابر کے ظلم کو دیکھ کر مالک سے شکائت کی تھی :-

"ایتی مار پئی کُرلانے
تیں کی درد نہ آئیا؟"

لیکن انہیں کی جیوتی سے جگمگاتے ہوئے شری گورو ہرگوبند جی گدی پر بیٹھے۔ اور سفید ریش بھائی بڈھا نے سیلی ٹوپی ان کے سامنے پیش کی تو ہرگوبند جی نے کہا "اس سیلی کو رہنے دو مہاراج۔ ایک تلوار لاؤ۔ میری کمر میں تلوار باندھ دو۔"

بزرگ بھائی بڈھا نے شری گورو نانک دیو جی کا زمانہ دیکھا تھا۔ ان کے بعد گورو انگد، گورو امرداس، گورو رامداس اور گورو ارجن دیو جی کا بھی۔ تلوار کی بات وہ جانتے نہیں تھے۔ تلوار کیسے باندھی جائے، یہ بھی انہیں معلوم نہیں تھا۔ کہیں سے ایک تلوار لے آئے وہ۔ شری گورو ہرگوبند جی کی کمر میں باندھ دی۔ لیکن گورو جی اسے دیکھ کر ہنستے ہوئے بولے "باباجی! یہ کیا کیا؟ یہ تلوار تو آپ نے اُلٹی طرف باندھ دی۔ لیکن اب اسے رہنے دیجئے۔ ایک اور تلوار لائیے۔ اُسے سیدھی طرف باندھئے۔ میں دو دو تلواریں لے کر چلوں گا۔ میری اور پیری۔ بھگتی اور شکتی۔ دونوں سے اس دیش کے لوگوں کی سیوا کروں گا۔"

اور اس کے ساتھ ہی اپنے سکھوں کو انہوں نے حکم دیا "ہر آدمی اپنی کمر میں تلوار باندھے۔ ہر آدمی گھوڑا رکھے۔ ہر آدمی ہتھیاروں کو بنانا اور استعمال کرنا سیکھے۔"

ظاہر ہے کہ سکھوں کا راستہ اب بھی امن، شانتی، ایشور بھگتی اور ایشور وشواس کا راستہ تھا وہ کسی کا حق چھیننا، کسی پر ظلم کرنا، کسی سے ناانصافی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ شری ہرگوبند جی نے سکھوں کو تلوار باندھنے اور ہتھیار بنانے کا حکم دیا تو کسی پر حملہ کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ اپنا اور دوسرے مظلوموں کا بچاؤ کرنے کے لئے۔ حرص وہوا کی اس آگ کی فناکاری کو روکنے کے لئے جو آج بھی دھدکتی ہوئی جل رہی تھی۔

شری گورو ہررائے اور شری گورو ہرکشن جی نے اس حکم کو بدلا نہیں۔

شری گورو تیغ بہادر جی نے اس کو واپس نہیں لیا۔

مشعل وہی تھی لیکن اب اس میں، تیروں اور تلواروں کی چمک جاگ اٹھی تھی۔
پیغام وہی تھا لیکن اب اس میں بھگتی رس کی پکار کے ساتھ ساتھ ویر رس کی للکار جاگ اٹھی تھی۔
نانک کا مشن اس منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جس کا خواب تلونڈی کے اس پرم پوجیہ مہاتما نے دیکھا تھا۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج سے پہلے سکھ گورو ہر حالت میں شانتی کے پجاری تھے۔ ظلم کو برداشت کر لینے کے حامی تھے۔ اس کے خلاف ہاتھ اٹھانے کے حامی نہیں تھے یہ خیال غلط ہے۔ سکھوں کو شستر دھارن کرنے کا حکم سب سے پہلے شری گورو ہر گوبند جی نے دیا جو رشتے میں شری گورو گوبند سنگھ جی کے دادا۔ اور گورو گدی کے معاملہ میں ان سے چار پیڑھیاں پہلے تھے۔ لیکن ہتھیار دھارن کرنا تو ظلم کو شکست دینے کا صرف ایک طریقہ ہے۔ یہ طریقہ اپنانے سے پہلے آدمی کے اندر یہ سپرٹ ہونی چاہیئے کہ اسے ظلم کو برداشت نہیں کرنا ہے۔ اس کے سامنے سر نہیں جھکانا ہے۔ اس کے دل میں یقین ہونا چاہیئے کہ ظلم کرنے والا ایک حقیر سا جاندار ہے۔ خدا کو، ایشور کو، مالک کو بھول گیا ہے۔ اس سے اربوں، کھربوں گنا زیادہ طاقت والا وہ مالک ہے جو سب کا اپنا ہے۔ اور جو سب سے انصاف کرتا ہے۔ وہ ہر جگہ ہے، ہر وقت ہے، ہر طاقت کا مالک ہے۔ جو اس کا سہارا لیتا ہے اسے پھر کسی سے دبنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کے لئے کوئی خوف نہیں رہتا۔

"جا تو صاحب، تاں بھو کیہا۔
ہوں تدھ بن کس صالاحی"۔

"تو میرا مالک ہے۔ تو پھر میرے لئے خوف کیسا ہے۔
تیرے سوائے کسی دوسرے کی تعریف کیوں کروں؟"

اس لئے میں کہتا ہوں کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کا جنم صرف ۲۹ دسمبر ۱۶۶۶ء کے روز نہیں، اس سے بہت پہلے ۱۵ اپریل ۱۴۶۹ء کے روز بھی ہوا۔ ان کے جسم کا ظہور ہوا ۲۹ دسمبر ۱۶۶۶ء کے روز شری پٹنہ صاحب کے اندر۔ لیکن جس مشن کو لے کر وہ آگے بڑھے اور جس سپرٹ کو لے کر انہوں نے ظلم و ناانصافی کی دنیا میں زلزلے جگا دیئے اس کا جنم ہوا لہلہاتے پنجاب کے اس گاؤں میں جسے پرانے زمانہ میں لوگ "تلونڈی" کہتے تھے۔ اب شری ننکانہ صاحب کہتے ہیں:

"ٹھیکری پھوری دِتّیس ہر"

سِکھ گوروؤں میں گدّی نشینی کا خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ گدّی کسی کی جدّی جائداد نہیں تھی کہ باپ کے بعد بیٹے کو ضرور ملے گی۔ شری گورو نانک دیوجی مہاراج کے دادا شری شِو رام تھے۔ نانا شری رام۔ ماتا ترپتا اور پتا کلیان داس کے ہاں اُن کا جنم ہُوا تو اُن سے پہلے بڑی بہن دیوی "نانکی" کا جنم ہو چکا تھا گورو مہاراج کے اور ماتا "سُلکھنی" کے دو بیٹے ہُوئے۔ مہاتما شری چند اور مہاتما لکشمی داس۔ دونوں اپنی اپنی جگہ بہت اُونچی قسم کی رُوحانیت کے مالک تھے۔ اُن کا چلایا ہُوا اُداسی پنتھ آج بھی موجود ہے لیکن شری گورو نانک دیوجی مہاراج کے سامنے اپنا جانشین مقرر کرنے کا سوال آیا تو انہوں نے مہاتما شری چند یا مہاتما لکشمی داس کے متعلق نہیں سوچا۔ اپنے پتا کے بھائی کے متعلق، اپنے دادا، نانا یا کسی دُوسرے رشتہ دار کے متعلق بھی نہیں سوچا۔ اپنی جیوتی انہوں نے شری گورو انگد دیوجی مہاراج کو سونپ دی۔ جن کا دنیاوی طور سے اُن سے کوئی رشتہ نہ تھا۔ لیکن روحانی طور پہ جن سے بڑھ کر اُن کے لئے کوئی اپنا نہ تھا۔ شری گورو انگد دیوجی مہاراج کے لئے اپنے مشن کی جیوتی کو سونپنے کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کی طرف نہیں دیکھا۔ اپنی بیٹی کی طرف بھی نہیں۔ بلکہ شری امرداس جی کو اپنا جانشین بنا دیا جو عمر میں اُن سے بڑے تھے۔ شری گورو نانک دیوجی مہاراج کا جنم ۱۴۶۹ء میں ہُوا۔ اُن سے دس ہی برس بعد شری تیج بھان کے گھر میں ایک سادھو قسم کے بالک کا جنم ہُوا۔ جسے لوگوں نے امرداس کہا۔ ۱۴۷۹ء سے ۱۵۵۲ء تک (جب شری گورو انگد دیوجی مہاراج نے انہیں اپنی جیوتی دی) وہ ۷۳ برس کے ہو چکے تھے۔ شری گورو انگد دیوجی مہاراج اُس وقت صرف ۴۸ برس کے تھے۔ ۴۸ برس کے انگد جی نے ۷۳ برس کے امرداس جی کو اپنا جانشین بنا کر اپنی جیوتی انہیں دے کر کہا "سنبھالیئے اسے۔ میں جا رہا ہُوں"۔ اور شری گورو رام داس جی (جسے کبھی کسی جولاہے نے "امرو نتھاواں"۔ "امرو بے خانماں" کہا تھا) ۲۲ برس تک اپنے بُوڑھے لیکن مضبوط ہاتھوں میں اس جیوتی کو لے کر آگے بڑھتے گئے۔ ۹۵ برس کی عمر میں انہوں نے اپنے شریر کو چھوڑا۔ اُن کے دو بیٹے تھے۔ کافی بڑے اور سمجھدار۔ لیکن شری گورو

امرداس جی نے اُن کو اپنی جیوتی کے قابل نہیں سمجھا۔ ان کی بجائے یہ جیوتی اَور گدی اس آدمی کو دیدی جو کچھ ہی برس پہلے اُبلے ہوئے چنے اپنے سر پہ رکھ کے گوئندوال کی گلیوں میں بیچتا پھرتا تھا۔ نوجوان تھا وہ یتیم تھا۔ لاہور کا رہنے والا تھا۔ گورو مہاراج کے درشن کے لیئے گوئندوال پہنچا تو وہیں کا ہو کے رہ گیا۔ شری گورو امرداس جی مہاراج کی آنکھوں میں اُسے جو امرت بھری روشنی دکھائی دی اس نے جیسے باقی ساری دُنیا اُس کے لیئے ہیچ بنا دی۔ اُبلے ہوئے چنے بیچنا منظور تھا اُسے۔ گوئندوال سے دُور جانا منظور نہیں تھا۔

ایک دن یہ نوجوان حسب معمول اُبلے ہوئے چنے بیچتا ہوا شری گورو امرداس جی کے گھر کے سامنے سے جا رہا تھا تو ماتا منسا دیوی کو اپنی چھوٹی بیٹی "بھانی" کا خیال آ گیا۔ بھانی گورو مہاراج کی سب سے چھوٹی سنتان تھی۔ لیکن بڑی ہو گئی۔ بیاہنے کے لائق۔ اُسے یاد کرتے ہوئے ماتا منسا دیوی نے گورو مہاراج سے کہا "بھانی کیلئے کوئی ور گھر دیکھئے نہ مہاراج! وہ بڑی ہو گئی ہے"۔

گورو مہاراج نے مسکراتے ہوئے پوچھا "کیسا ور چاہیئے بھانی کے لیئے؟"

بھانی کی ماں نے باہر دیکھتے ہوئے کہا "وہ۔ وہ لڑکا ہے نہ۔ ویسا ہی کوئی ....."

گورو مہاراج ہنستے ہوئے بولے "ویسا تو کوئی ہو نہیں سکتا۔ ویسا تو وہی ہے۔ اُسی کے ساتھ بھانی کی شادی کر دو"۔

اس طرح ایک یتیم راہرو سچے بادشاہ کا داماد بن گیا۔

لیکن اگر وہ اُن کا داماد نہ بھی ہوتا تو بھی شری گورو امرداس اپنی جیوتی کو اُسی کے سپرد کرتے۔ کیونکہ اس جیوتی کو لینے کی شکتی صرف رام داس جی میں ہی تھی۔ لیکن شری گورو رام داس جی کے بعد یہ جیوتی اُسی پریوار میں رہی۔ شری گورو ارجن دیو جی مہاراج شری گورو رام داس جی کے چھوٹے بیٹے تھے۔ شری گورو ہرگوبند جی شری گورو ارجن دیو جی کے گھر میں پیدا ہوئے۔ شری گورو ہررائے جی شری گورو ہرگوبند جی کے نواسہ تھے۔ شری گورو ہری کرشن جی (جو صرف پانچ برس کی عمر میں گدی پر بیٹھے اور آٹھ برس کی عمر میں سورگ لوک کو چلے گئے) شری گورو ہررائے جی کے چھوٹے بیٹے تھے۔ اپنے بڑے بیٹے رام رائے کو انھوں نے اسلیئے گدی نہیں دی کہ وہ اپنی جان کو گورو بانی کی تقدیس سے زیادہ عزیز سمجھ بیٹھے۔

لیکن شری گورو ہری کرشن جی مہاراج کے بعد اُن کے جانشین کے متعلق ایک سمسیا جاگ اُٹھی وہ سورگ سدھارے تو صرف آٹھ برس کے تھے۔ کافی دیر سے بیمار تھے۔ آخری وقت تک وہ

کسی سجن کے متعلق یہ نہیں کہہ سکے کہ "میرے بعد یہ گورو ہوں گے"۔
آخری وقت پر لوگوں نے جب پوچھا کہ "آپ کے بعد ہم کس سے رہنمائی پائیں گے؟"۔ تو انہوں نے صرف دو لفظ کہے۔ "بابا بکالے"۔ یعنی آپ کے گورو بکالہ میں ہیں۔
بکالہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا امرتسر سے قریباً بیس میل کے فاصلہ پر۔
یہ گاؤں اب بھی ہے۔ اب اسے "بابا بکالہ" کہتے ہیں۔
یہ سنتے ہی کہ گورو جی بکالہ میں ہیں" کتنے ہی لوگ وہاں پہنچنے لگے۔ کتنے ہی ایسے سجن بھی پہنچنے لگے جن کا دعویٰ تھا کہ وہ گورو ہیں۔
ہردوار میں کنبھ کا میلہ ہوتا ہے تو سینکڑوں سنت، سادھو، مہنت اور مہاتما وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ ہر طرف ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے "مکتی" اور "سورگ" کی دکانیں کھلی ہیں۔ کچھ اسی قسم کی حالت بکالہ میں تھی تقریباً دو درجن گورو وہاں موجود تھے۔ ہر کسی کا دعویٰ تھا کہ وہی نانک ہے۔ بھگت لوگ وہاں پہنچتے۔ حیران ہوتے کہ کس کو گورو مانیں۔ کچھ لوگ ہر گورو کے سامنے تھوڑے تھوڑے پیسے رکھ کے چلے آتے۔
صرف ایک سجن تھے جو بہت دیر سے وہاں رہتے تھے۔ اور جن کا کوئی دعویٰ نہیں تھا۔ ایک گفا کے اندر تن تنہا وہ بیٹھے رہتے۔ واہگورو کی یاد میں مست۔ دھیان کی خماری میں سرشار۔ ان کا کوئی "ایجنٹ" نہیں تھا۔ جو باہر سے آنے والے بھگتوں کو ترغیب دیتا کہ "ادھر آؤ۔ سچے گورو صاحب یہاں رہتے ہیں"۔ کوئی خود ہی اُن کی گفا میں آجاتے تو اسے وہ آشیرواد دے دیتے۔ نہ آئے تو اپنی ہی موج میں مست پڑے رہتے۔ اُن کی اس حالت کو دیکھ کر کئی لوگ انہیں "کملا تیگا" (دیوانہ تیغ بہادر) کہتے تھے۔
کتنے ہی برسوں سے وہ اسی رُوحانی مستی میں تھے۔ وہ اور اُن کے واہگورو۔ وہ اور پرم آنند سے بھرپور دھیان۔ وہ اور ایسی خماری جس کے سامنے سب خماریاں ہیچ ہیں۔ شری گورو ہرگوبند جی مہاراج کے دوسرے بیٹے تھے وہ۔ لیکن گورو گدی پر بیٹھنے کی اِچھا بھی کبھی اُن کے من میں نہیں جاگی۔ اُن کی بہن کے لال شری ہررائے جی گدی پر بیٹھے تو تیغ بہادر جی اُن کے چرنوں کا دھیان کر کے اپنے مالک کو یاد کرتے رہے۔ اُن کی بہن کے نواسہ شری ہری کرشن جی گدی پر بیٹھے تو تیغ بہادر جی اُن کے چرنوں میں بھی ماتھا نوا کر اُس آنند میں کھو گئے جو نام اور دھیان کے سوائے کہیں ملتا نہیں۔ ایسے مہاپُرش کیلئے کسی جھگڑے میں پڑنے کی

ضرورت کیا تھی؟ باقی لوگ اپنی اپنی دوکانیں چلا رہے تھے۔ ستیہ بہادر بھی اپنی گفا (بھوے) میں مست الست اُس جیوتی کا آنند لے رہے تھے جو شری گورو ہری کرشن جی[1] کے بعد اُن کی آتما میں آ کر سما گئی تھی۔ لیکن جھگڑوں میں پڑے بغیر بھی اُن لاکھوں لوگوں کی دیکھ ریکھ تو وہ کرتے جن کی نگہبانی اور رہنمائی کا کام اُنہیں سونپ دیا گیا تھا۔

اِن لاکھوں لوگوں میں ایک تھا مکھن شاہ لبانہ۔ بہت بڑا تاجر تھا وہ۔ لاکھوں روپے کا مال کشتیوں میں لاد کر شاید وہ ستلج کے دریا سے ہوتا ہُوا، بیاس ندی کی طرف آ رہا تھا جب آسمان میں طُوفان گرج اُٹھا۔ تیز ہوا چلنے لگی۔ آسمان میں بجلیاں تڑپنے لگیں۔ بادلوں کی آواز اس طرح گونج اُٹھی جیسے ایک ساتھ ہزار توپیں داغ دی گئی ہوں۔ دریا کی لہریں اس طرح اُوپر اُٹھنے لگیں جیسے کناروں کو غرقاب کر دینا چاہتی ہوں۔ مکھن شاہ کی مال سے بھری ہوئی جہازوں جیسی کشتیاں اِن بھیانک لہروں پر اس طرح کانپنے لگیں جیسے موت کو دیکھ کر بزدلی لرز اُٹھتی ہے۔ مکھن شاہ نے دیکھا کہ سرب ناش سامنے ہے۔ بیڑا غرق ہو جائے گا۔ کچھ بھی نہ بچے گا نہیں۔ اور آنسو بھری آنکھوں کو مُوند کر، دونوں ہاتھ جوڑ کر، سر جھکا کر اُس نے کہا: "گورُو مہاراج! بچا لو مجھے۔ یہ بیڑا ڈوب گیا تو میرا سرب ناش ہو جائے گا۔ میرے بس میں کچھ رہا نہیں۔ یہ طُوفان میرے لئے پرلے بن کے آ گیا ہے۔ اَب مہر کرو بابا۔ مہر کرو گورُو نانک دیو! جیسے بھی ہو سکے اس بیڑے کو کنارے لگا دو۔"

اور تبھی ایک عجیب بات ہُوئی۔ طُوفان اب بھی تڑپ رہا تھا۔ بادل اب بھی گرج رہے تھے۔ دریا کی لہریں اب بھی پاگل ہو کر آسمان کو چھُونے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ہوا اِس طرح چلا رہی تھی جیسے دھرتی اور آکاش کو ایک کر دینا چاہتی ہو۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود کشتیوں کا ڈگمگانا بند ہو گیا تھا۔ دھیرے دھیرے، دھیمے دھیمے وہ کنارے کی طرف جا رہی تھیں۔

---

[1] شری گورُو ہری کرشن جی مہاراج اپنے سورگ واس کے وقت دہلی میں تھے۔ راجہ جے سنگھ کے اُس بنگلے میں اُن کا نواس تھا جسے اب ایک خوبصورت گوردوارے کا رُوپ دے دیا گیا ہے۔ اور جسے گوردوارہ شری بنگلہ صاحب کہا جاتا ہے۔ شری گورُو ہری کرشن جی کا آخری سنسکار اُس جگہ ہوا جہاں دہلی کے اندر جنگ پورہ اور بھوگل کے علاقہ میں آج شری بالا صاحب کا گوردوارہ ہے۔

اور مکھن شاہ —— (بیوپاری آدمی تھا۔ بیوپار کی بات، سوچتا ہوا) کہہ رہا تھا۔" گورو مہاراج! بچالو مجھے۔ میں بچ جاؤں تو آپ کو پانچ سو اشرفیاں بھینٹ کروں گا۔"

اور واقعی بچ گیا وہ —— بیڑا کنارے پہ آ لگا۔ دھیرے دھیرے طوفان بھی تھم گیا۔

اور مکھن شاہ "بکالہ" میں پہنچا تو پانچ سو اشرفیاں اُس کے پاس تھیں۔ اپنے اُن گورو مہاراج کو وہ تلاش کر رہا تھا جنہوں نے اس کے جان و مال کی رکھشا کی۔ اُسے طوفان کی قیامت سے بچا دیا۔

لیکن اُس کے یہ گورو مہاراج تھے کہاں؟

بکالہ میں تو بائیس آدمی دوکانیں لگائے بیٹھے تھے۔ ہر آدمی اپنے دعوے کے مطابق گورو تھا۔

تب سچے گورو کا پتہ کیسے لگایا جائے؟

روایت ہے کہ ایک ایک کر کے وہ ہر اُس آدمی کے پاس گیا جو اپنے آپ کو گورو کہتا تھا۔ کسی کے سامنے اُس نے ایک اشرفی رکھی، کسی کے سامنے آدھی۔ ماتھا جھکایا اور باہر چلا آیا۔ کسی میں اُسے وہ نور نہیں مِلا جسے وہ دیکھنا چاہتا تھا۔ کہیں وہ سکون نہیں مِلا جو گورو کے درشن سے ملنا چاہیئے تھا۔ نراش ہو کر واپس جلنے لگا تو کسی نے کہا۔" وہاں۔ اُس گُفا میں تیغ کا کملا ہے۔ اُسے بھی دیکھتے جاؤ۔"

ناامیدی اور بے یقینی کو لے کر وہ مہر و محبت کی اُس مورتی کے پاس پہنچا تو ایسے لگا جیسے ایک نئی دُنیا میں آ گیا ہے۔ یہاں کوئی آڈمبر نہیں، کوئی دکھاوا نہیں۔ کوئی شان و شوکت نہیں۔ ایک سیدھے سے مہاتما کی سیدھی سی جھونپڑی۔

مکھن شاہ نے گھٹنے ٹیکے۔ سر جھکایا۔ دُوسروں کو اُس نے کہیں ایک، کہیں آدھی اشرفی دی تھی۔ اُس مہاتما کے سامنے اس نے پانچ اشرفیاں رکھ دیں۔ شری گورو تیغ بہادر جی نے ان اشرفیوں کو دیکھا اور مسکرا دیئے۔ دھیمے سے بولے۔" بس؟"

مکھن شاہ نے حیرت سے کہا۔" جی۔ میں سمجھا نہیں۔"

گورو مہاراج ہنستے ہوئے بولے۔" وعدہ پانچ سو کا کرتے ہو۔ دیتے پانچ ہو۔ اسی لیئے میں نے پُوچھا کہ بس۔ وعدہ کہاں گیا؟"

مکھن شاہ کی آنکھوں کے سامنے جیسے ایک نئی جیوتی جاگ اُٹھی۔

اب بھی اُس کے من میں تذبذب تھا۔ جیسے سورج نکل آنے پر کہیں کہیں اندھیرا چھپا رہتا ہے۔ اس اندھیرے کی وجہ سے اُس نے کہا۔" کیا۔ کیا آپ جانتے ہیں مہاراج؟"

گورو مہاراج سنجیدگی سے بولے۔" صرف جانتا نہیں مکھن شاہ۔ میں اُس طوفان کو بھول بھی نہیں

جو پاگل ہو کے گرج رہا تھا - اور تیرے بیڑے کو ڈبا دینا چاہتا تھا - دیکھ تیری کشتیوں کو کنارے تک لاتے لاتے میرے کندھے چھل گئے تھے۔"

اور اپنے شانوں سے چادر ہٹا کر انہوں نے وہ نشان دکھائے تو مکھن شاہ دیوانہ ہو اٹھا - تیزی سے نیچے جھک کر گورو مہاراج کے چرن اس نے چوم لئے - پانچ سو اشرفیوں کی تھیلی ان چرنوں میں رکھ دی - اور پھر دوسری کوئی بھی بات کہے بغیر وہ تیزی سے اٹھا - اس زمین دوز گفا سے باہر آیا - ایک ٹیلے پر چڑھ کر خوشی سے پاگل ہوتی ہوئی آواز میں پکار پکار کے کہنے لگا "گورو لادھو رے - گورو لادھو" (گورو جی مل گئے ---- گورو جی مل گئے)

اس چھوٹے سے گاؤں کے سب لوگ وہاں دوڑتے ہوئے پہنچے - سب نے مکھن شاہ کی وہ بات سنی جسے وہ خوشی سے کانپتی، ڈگمگاتی ہوئی آواز میں سنا رہا تھا - سب نے نئے نانک کے درشن کئے - جس میں پرانے نانک کی جیوتی مسکراتی تھی - سب نے کہا "گورو تیغ بہادر کی جے" اور وہ سب دوکانیں اٹھ گئیں جن میں گورو ہونے کا دعویٰ کرنے والے آڈمبر کا جال بچھائے بیٹھے تھے۔

۱۶۴۴ء میں شری گورو ہر گوبند جی مہاراج سورگ سدھارے - تیغ بہادر جی اس وقت ۲۳ برس کے تھے - ۱۶۶۴ء تک پورے بیس برس وہ اس "بھورے" (گفا نما زمین دوز رہائش گاہ) میں تپ اور یوگ سادھن کرتے ہوئے اس سمادھی کا آنند لیتے رہے جہاں "میں" اور "تو" کا بھید ختم ہو جاتا ہے - ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تپ سادھنا کے اس لمبے عرصہ میں یہ مہان یوگی سمپورن "برہمچریہ" کی حالت میں رہے - کیونکہ ان کی پہلی اور واحد سنتان کا جنم ۱۶۶۴ء کے (جب وہ گورو بنے) دو برس بعد ۱۶۶۶ء میں ہوا - ۴۵ برس کی عمر تک ان کے ہاں کوئی سنتان نہیں ہوئی -

جیسے ہی سکھوں کو وشواس ہوا کہ شری گورو تیغ بہادر ہی "نئے نانک" ہیں - ویسے ہی "بکالہ" سے "گورو یائی" کے سبھی دعویدار بھاگ گئے - لیکن ان کے دلوں سے کدورت تو نہیں بھاگی - دماغوں سے لالچ اور خود غرضی کی بھاونا تو نہیں بھاگی - ان کے پیچھے ایک طرف اورنگ زیب کے "ایجنٹ" کام کر رہے تھے جن کی کوشش یہ تھی کہ سکھوں میں زیادہ سے زیادہ پھوٹ اور انتشار پیدا کر کے انہیں چھوٹے چھوٹے حصوں میں بانٹ دیا جائے - دوسری طرف وہ لوگ کام کر رہے تھے جن کی اپنی حقیر خود غرضی کا تقاضا تھا کہ ان کا تجویز کردہ آدمی گورو بنے دوسرا نہیں - دوسری قسم کے یہ لوگ جانتے تھے کہ اگر ان کا کوئی "اپنا" آدمی گورو بنے تو وہ اس دان کے پیسے کو اپنے عیش و عشرت کیلئے استعمال کر سکیں گے جو سکھ لوگ گورو بھگتی کے

کارن ملک بھر میں دیتے تھے ۔ ان لوگوں نے شری گورو تیغ بہادر جی کے باقاعدہ گدّی نشین ہونے پر بھی اپنی کدورت اور خباثت کو ترک نہیں کیا۔

آج ہم کئی بار شکائت کرتے ہیں کہ دھرم ستھانوں کا استعمال ناجائز اور نامناسب باتوں کیلئے ہوتا ہے۔ لیکن سچائی یہ ہے کہ یہ بات ہر دھرم کے اتہاس میں کئی بار ہوئی ہے۔ کئی بار ہوتی ہے۔ خود غرض اور گناہگار لوگ دھرم ستھانوں پر قبضہ کرکے انہیں اپنی حقیر خود غرضی کیلئے اور ایسے مقاصد کیلئے استعمال کرتے ہیں جن کا دھرم یا رُوحانیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جن کی وجہ سے دراصل دھرم کو اور اس کی پاکیزگی و ہر دلعزیزی کو نقصان پہنچتا ہے۔

شری گورو تیغ بہادر جی کے وقت میں بھی یہ بات ہوئی۔ شری دربار صاحب امرتسر جس طرح آج سکھوں کا سب سے مقدس تیرتھ ہے، اُسی طرح اس وقت بھی تھا۔ شری گورو تیغ بہادر جی مہاراج اس تیرتھ کو دیکھنے کیلئے گئے جو اُن کی جیوتی سے جگمگاتا تھا تو مذہب کے لامذہب ٹھیکیداروں نے شری گورو مہاراج کو دربار صاحب میں جانے کی اجازت نہیں دی۔ گورو مہاراج چاہتے تو شری ہر مندر پر قبضہ کرکے بیٹھے "مسندوں" کے پرخچے اُڑوا سکتے تھے۔ لیکن ایسا کرنے کی بجائے اُنھوں نے سر جھکایا۔ اُس تیرتھ کا درشن کئے بغیر چلے گئے جسے ان کے بزرگوں نے دھرم، شانتی اور سچائی کا پرچار کرنے کے لئے بنایا تھا۔ آج اُسی تیرتھ میں دھرم، سچائی اور شانتی کے پیامبر کے لئے جگہ نہیں تھی۔ گورو نانک کے گھر میں گورو نانک کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

گورو مہاراج نے اس حالت کو دیکھا۔ واپس جاتے ہوئے ایک اور مہاپُرش کی طرح دل ہی دل میں بولے "انہیں معاف کردو مالک! انہیں نہیں معلوم کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔"

لیکن اُن کے اس تیاگ نے اُنہیں لوگوں کے نزدیک اور بھی محبوب، اور بھی محترم بنا دیا۔ جدھر گئے اُدھر ہزاروں لوگ اُن کے ساتھ چل پڑے۔ گاتے ہوئے، گوربانی کا کیرتن کرتے ہوئے، "واہگورو، واہگورو، واہگورو" کا جاپ کرتے ہوئے۔ گورو مہاراج امرتسر میں ٹھہرے نہیں۔ نزدیک کے ایک گاؤں "والا" میں چلے گئے۔ اپنے ایک غریب سکھ کے گھر میں ٹھہر گئے۔ لیکن اُن کے اس تیاگ سے اُن کی عزت اور مقبولیت میں اضافہ ہوا تو وہ لوگ اور بھی جل اُٹھے جو اب بھی گورگدّی کو اپنی حقیر خود غرضی کا ذریعہ بنانا چاہتے تھے۔ گورو مہاراج جگہ جگہ نام کا پرچار کرتے، دُکھی لوگوں

کو ڈھارس دیتے، مظلوموں کو حوصلہ دیتے ہوئے اُس "کیرت پور" میں پہنچے جسے اُن کے پتا شری گورو ہرگوبند جی مہاراج نے تعمیر کرایا تھا تو ایک بار پھر حقیر خودغرضی کے یہ پرستار اور دھرم کے یہ خود ساختہ ٹھیکیدار اُن کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ان میں کتنے ہی اُن کے رشتہ دار تھے۔ لیکن اندھیرے میں کھوئے ہوئے۔ روشنی کو بھولے ہوئے۔

گورو مہاراج نے یہ گھناؤنا کھیل دیکھا تو ایک بار پھر سر جھکا دیا۔ ایک بار پھر دل ہی دل میں کہا "انہیں معاف کردو مالک۔ یہ نہیں جانتے کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔"

لیکن اب وہ جائیں کہاں؟

سکھوں کی تعداد میں لگاتار اضافہ ہو رہا تھا۔ آتما کو شانتی ملے، من کو روشنی ملے، دُنیا کے مسائل میں دِل کو سہارا ملے۔ اس لئے وہ اپنے سچے پاتشاہ کے درشن کو دُور دُور سے آتے تھے سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں آتے تھے۔ ایسی حالت میں ضروری تھا کہ ایسی کوئی مستقل جگہ ہو جہاں گورو مہاراج نواس کریں۔ جہاں ان کے درشن ابھلاشی اس وشواس کے ساتھ پہنچ سکیں کہ ابھی نہیں تو کچھ دیر کے بعد انہیں گورو مہاراج کے درشن ضرور ہوں گے۔

اس مقصد کے لئے انہوں نے "کیرت پور" سے قریباً پانچ میل کی دُوری پر ایک کافی بڑا ٹیلہ خرید لیا۔ جس کے ایک طرف کچھ دُوری پر ستلج دریا بہتا ہے۔ دُوسری طرف وہ سلسلۂ کوہستان ہے جو شمالی مشرق کی طرف کانگڑہ کے پہاڑوں سے جا ملا ہے۔ اور جنوب مشرق کی طرف شملہ کے پہاڑوں سے۔ اس ٹیلے کے نزدیک "مکھووال" نام کا ایک گاؤں بھی تھا۔ اسے جوں کا توں رہنے دے کر گورو مہاراج نے اس ٹیلے پر ایک نیا گاؤں آباد کر دیا۔ اور اس کا نام رکھا۔ "آنندپور"۔

یہ آنندپور اُس وقت "کلہور" راجیہ میں تھا جس کی راجدھانی بلاسپور تھی۔ اور جہاں بھیم چند نام کا ایک راجہ حکومت کرتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس گاؤں نے ایک قصبے کی صورت اختیار کر لی۔ گورو بھگتی سے بھرپور سکھ سنگتیں جوق در جوق وہاں پہنچنے لگیں۔

لیکن گورو مہاراج کے رشتہ داروں نے یہاں بھی ان کے لئے بے چینی اُبھارنے کا جتن چھوڑا نہیں۔ آنندپور میں بھی وہ پہنچنے لگے۔ یہ گورو مہاراج کا ستھان تھا۔ گورو مہاراج چاہتے تو ان لوگوں کو آنندپور سے باہر نکلنے کا حکم دے سکتے تھے۔ لیکن جس کے دل میں رحم و محبت کا سمندر اٹھلاتا ہو، جس کی آنکھیں کسی کا بھی دُکھ دیکھ نہ سکتی ہوں۔ اور جس نے جیون بھر کے تپ سادھن اور سادھن سے دُنیا کی اصلیت کو سمجھا ہو۔ اُس کے لئے سختی کی یہ بات کرنا ممکن نہیں۔ اسلئے اپنے

خریدے ہُوئے، اپنے بسائے ہُوئے قصبے سے وہ اپنے پریوار کو لے کر باہر چلے گئے۔ پنجاب سے بھی باہر چلے گئے کہ کچھ برس دُوسرے علاقوں میں رہُوں گا۔ تب تک شائد اِن لوگوں کو عقل آجائے۔ شائد یہ اپنی غلط روی کو ترک کردیں۔

اور تب اُن کی وہ یاترا شروع ہُوئی جو انہیں آسام تک لے گئی۔

اس یاترا کے متعلق ایک دلچسپ بات قابلِ ذکر ہے۔ سکھوں کا اور سکھ گوروؤں کا اتہاس لکھنے والے ہر سجن نے اسے لکھا ہے۔ لیکن اس کی اہمیت پر وہ توجہ نہیں دی جو اسے ملنی چاہیئے تھی۔

پرم پوجیہ دشم پاتشاہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے اپنے پوجیہ پِتا کی اس یاترا کے متعلق لکھتے ہُوئے کہا:-

"مُور پت پُورب کِین پیانا
بھانت بھانت کے تیرتھ نانا
جب ہی جات تربینی بھیئے
پُن دان کرت بتیئے"

"میرے پِتا جی پُورب کی طرف گئے۔ کتنے ہی تیرتھوں پر پہنچے۔ جب وہ تربینی (پریاگ۔ الہ آباد) میں گئے تو کتنے ہی دِن پُنیہ اور دان کرنے میں بیت گئے"

اسی یاترا کے متعلق پروفیسر کرتار سنگھ جی ایم۔ اے لکھتے ہیں:-

"کچھ دیر کے بعد گورو تیغ بہادر جی دیش کی وسیع یاترا پر چل پڑے۔ انھوں نے ہندوؤں کے سبھی اہم مقدس مقامات کو دیکھا جس طرح اُن سے بہت پہلے شری گورو نانک نے دیکھا تھا"

میں شری گورو تیغ بہادر جی مہاراج کے متعلق عرض کر رہا تھا کہ وہ آنند پور سے مشرق کی یاترا پر چل پڑے۔ مختلف تیرتھوں سے ہوتے ہوئے، ہر جگہ لوگوں کو سچے دھرم کی روشنی دکھاتے، حوصلہ دیتے اور گوروبانی کے امرت میں شرابور کرتے ہوئے وہ پٹنہ پہنچے تو ان کی دھرم پتنی دیوی گوجری زچگی کی ایسی حالت میں تھیں کہ ان کے لئے مزید سفر کرنا ممکن نہیں تھا۔ انہیں وہیں چھوڑ کر گیا۔ راجگیر اور دُوسرے نگروں سے ہوتے ہُوئے وہ بنگال میں داخل ہُوئے۔ وہاں سے آسام پہنچے۔ آنند پور سے کام روپ تک ہر جگہ جیسے امرت کی ایک گھٹا برستی ہوئی چلی گئی۔ گیان کی روشنی کو۔ آتم وشواس کے

سہارے کو اور پربھو بھگتی کی مہا شکتی کو جگاتی ہوئی۔

شری گورو تیغ بہادر کے اُپدیش میں جو امرت ہے۔ اُسے بیان کرنا آسان نہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ جب اُپدیش دیتے تو سبھی گوروؤں کی بانی کو بنیاد بنا کر زندگی دینے والے اُس رس کو لوگوں کے سامنے رکھتے جو شری گورو نانک دیو جی مہاراج سے لے کر سبھی گوروؤں کی بانی میں موجود ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ اُن کی اپنی بانی میں جو رس ہے اس میں ایک عجیب اپنا پن ہے۔ اِس طرح جیسے کوئی بہت بڑا مہا پُرش اپنے سچے گیان، عظیم فلسفے، عظیم تجربے اور مہان تپ کے آدھار پر کوئی بات کہتا ہو۔ لیکن باہر بیٹھ کر، آپ سے پرے ہٹ کر نہیں بلکہ آپ کے دِل میں آ کر، رُوح کی گہرائیوں میں پہنچ کر آپ کے من کی آواز بن کر آپ کو کہتا ہے :-

گُن گوبند گائیو نہیں - جنم اکارتھ کین
کہہ نانک ہر بھج منا - جِہہ بِدھ جل کو مِین

یہ کیا کیا میرے بھائی !
گوبند کا گُن تو گایا نہیں۔
ساری زندگی بے کار ضائع کر دی۔
نانک جی کہتے ہیں
اے بھائی۔ مالک کو یاد کر !
جس طرح مچھلی پانی کو یاد کرتی ہے۔"

"ترنا پو اِیُو ہی گیو - لیو جرا تن جیت
کہہ نانک بھج ہری منا - اودھ جات ہے بیت

"جوانی تو ایسے ہی بیت گئی میرے بھائی !
بڑھاپے نے جسم کو آ کر پکڑ لیا۔
نانک کہتے ہیں
اب تو مالک کو یاد کرو بھائی۔
یہ عُمر بیتی چلی جاتی ہے۔"

"دھن - دارا - سنپت سکل جن اپنی کری مان
اِن میں کچھ سنگی نہیں - نانک ساچی جان"

یہ دولت - یہ بیوی بچے - یہ ساری تیری جائداد -
جنہیں تو اپنا سمجھ بیٹھا میرے بھائی
ان میں کوئی تیرا ساتھی نہیں - کوئی تیرا سنگی نہیں -
نانک کہتے ہیں
یہ سچ ہے میرے بھائی - اس کو سمجھنے کی کوشش کرو -

"سب سکھ داتا رام ہے - دوسر ناہن کو،
کہہ نانک سن رے منا - تہہ سمرت گت ہو"

ہر مسرت، ہر خوشی کو دینے والا رام ہے -
دوسرا تو کوئی ہے نہیں -
نانک کہتے ہیں
میرے من! کان کھول کے سن -
اُس رام کو یاد کرنے سے ہی سپھلتا ہوگی
دوسرا کوئی راستہ نہیں -

میں معافی چاہتا ہوں - شری گورو تیغ بہادر جی کی بانی اس کتاب کا موضوع نہیں - لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ اس بانی کو پورے کا پورا آپ کے سامنے رکھوں - ایک بار نہیں بار بار رکھوں ہزاروں بار رکھوں - جب کبھی نویں پاتشاہ کی اس بانی کو میں پڑھتا ہوں تو ایسے معلوم ہوتا ہے دل کے تار ہل اُٹھے ہیں - روح میں ایک پکار جاگ اُٹھی ہے - اتنی آسان سرل بھاشا میں اتنے آسان سرل طریقہ سے، اتنا مہان اور دل کی گہرائیوں میں اُترنے والا اُپدیش میں نے کبھی دیکھا نہیں

رام چلے گئے - راون چلا گیا -
کتنے بڑے پریوار تھے ان کے
نانک کہتے ہیں

اس دُنیا میں کچھ بھی رہنے والا نہیں۔
یہ ایک سپنا ہے۔ آنکھ کھُلتی ہے ختم ہو جاتا ہے۔"

"جسے سکھ دُکھ دونوں چھُو نہیں پائے۔
جس کے من میں لالچ نہیں، موہ نہیں۔ تکبر نہیں۔
نانک کہتے ہیں
سُن رے میرے من! ۔ وہ ہی بھگوان ہے، وہ ہی ایشور۔"

"تعریف اور مذمت۔
سونا اور لوہا۔
سب جس کے لیئے برابر ہیں۔
جس کے لئے خوشی نہیں ۔ غم نہیں۔
جس کے لئے اپنا نہیں، پرایا نہیں۔
جو کسی کو ڈراتا نہیں،
جو کسی سے ڈرتا نہیں۔
نانک کہتے ہیں ۔ سُن رے میرے من!
وہ ہی مُکت ہے
وہ ہی گیانی ہے ——————"

اس امرت کو جگہ جگہ برساتے، انسان کو انسانیت، روح کو بلندی اور ملک کو بے خوف آتم وشواس کا راستہ دکھاتے ہُوئے وہ مہاپُرش جگہ جگہ گھُومتے پھرے ۔ لیکن اُن کے اس پیار بھرے جتن سے بھی پاپ کا انت تو ہُوا نہیں ۔ اُس کا گھڑا بھرنے میں ابھی دیر تھی۔

ہر گناہگار اپنے گناہوں کو چھُپانے کیلئے (مذہب کا نہیں بلکہ) مذہبی تعصب کا لبادہ اوڑھنے کی کوشش کرتا ہے ۔ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس سے زیادہ مذہب پرست اور اس سے زیادہ احکام مذہب کو ماننے والا دوسرا نہیں اپنی

مذہب پرستی کا اور اپنے تعصب کا وہ زیادہ سے زیادہ دکھاوا کرتا ہے — اپنے مسلمان باپ کو جیل میں ڈالنے والا، اپنے مسلمان بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کو بیرحمی سے موت کے گھاٹ اُتارنے والا اور کتنے ہی دوسرے مسلمانوں کے خون کی ندی بہانے والا اورنگ زیب بھی اس وقت یہی کچھ کر رہا تھا — شری جے این سرکار اپنی کتاب "مختصر تاریخ اورنگ زیب" کے صفحہ ۱۱۲ پر لکھتے ہیں — "جنگِ وراثت کے بعد اورنگ زیب نے مکہ معظمہ کے سرداروں اور مفتیوں کی مخالفت کو ختم کرنے کیلئے سونا برسانے کا فیصلہ کیا۔ مکہ معظمہ کے قاضی اور مفتی اسلئے اورنگ زیب کے خلاف تھے کہ اس نے اپنے اُس باپ کو قید کر دیا جو زندگی بھر اسے پیار کرتا رہا۔ ایسے آدمی کو وہ تخت و تاج کا جائز وارث ماننے کیلئے تیار نہیں تھے۔ نومبر ۱۶۵۹ء میں بے حد شان و شوکت سے اپنی تاجپوشی کرنے کے بعد اس نے سید میر ابراہیم کو چھ لاکھ اور ساٹھ ہزار روپیہ دے کر مکہ اور مدینہ میں بھیجا کہ ان مقدس شہروں کے سیدوں، متولیوں، قاضیوں، مفتیوں اور فقیروں میں تقسیم کر دیں —"

— لیکن اِس مکارانہ کوشش میں اورنگ زیب کو بہت کامیابی تو ملی نہیں۔ شری جے۔ ٹی وھیلر اپنی کتاب "مختصر تاریخ ہند" میں لکھتے ہیں — "مکہ کے شریف نے اورنگ زیب کے اُن سفیروں کو ملنے سے بھی انکار کر دیا جو اُس کیلئے زر و جواہرات کے تحفے لے کر وہاں پہنچے تھے — ..... — فارس کے شاہ عباس اورنگ زیب سے سخت نفرت کرتے تھے اور کھلے عام اس کی مذمت کرتے تھے کہ اس نے اپنے باپ اور بھائیوں سے سفاکانہ سلوک کیا۔ شاہ عباس عموماً اورنگ زیب کے اس خطاب "فاتحِ عالم" کا مذاق اُڑاتے تھے۔ جو اس نے خود ہی اپنے آپ کو دیا۔ ایک بار انہوں نے دھمکی بھی دی کہ اگر اورنگ زیب نے یہ بے معنی خطاب ترک نہیں کیا تو وہ دہلی پر حملہ کر دیں گے۔ اورنگ زیب اس دھمکی سے چونک اُٹھا —"

لیکن اورنگ زیب کو سپھلتا ملی ہو یا نہ ملی ہو، اپنی طرف سے کوئی کسر تو اُس نے اُٹھا نہیں رکھی — یہ بالکل غلط ہے کہ وہ بہت کٹر مسلمان تھا۔ یا اسلام کا بہت بڑا شیدائی۔ جہاں بھی اس کی خود غرضی کا تقاضا ہو وہاں وہ مسلمانوں کا خون بہانے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ ہندوؤں کو اونچے سے اونچا منصب دینے سے گریز

نہیں کرتا تھا۔ اس کی کوشش صرف یہ تھی کہ لوگ اسے ایک کٹر مسلمان اور بہت بڑا مبلغ اسلام سمجھیں۔ اور اس بات کو بھول جائیں کہ تخت و تاج کو حاصل کرنے کیلئے اس نے کتنے گناہ کئے ہیں ــــ اس مقصد کو لے کر وہ ظلم و سفاکی کے ایک مکروہ راستے پر چل پڑا۔ اسلئے نہیں کہ وہ مسلمان تھا۔ بلکہ اسلئے کہ وہ بادشاہ تھا اور اپنی اس بادشاہت کو قائم رکھنا چاہتا تھا۔ جو اس نے ظلم و ناانصافی سے حاصل کی تھی ــ

شری گورو تیغ بہادر جی کی آسام یاترا کو آٹھ برس ہو چکے تھے۔ گورو مہاراج آنندپور میں تھے۔ جس کی رونق لگاتار بڑھتی جاتی تھی۔ گورو درشن کے پیاسے سکھ دُور دُور سے وہاں پہنچتے۔ کئی لوگ وہیں رہ جاتے تھے۔ واپس جانے کا نام نہیں لیتے تھے۔ تبھی کشمیر کے برہمنوں کا ایک نمائندہ وفد گورو مہاراج کے چرنوں میں حاضر ہُوا۔ باقی ملک کی طرح کشمیر میں بھی ظلم ہو رہا تھا۔ باقی ملک کی طرح وہاں بھی ایک ہی بات لوگوں سے کہی جاتی تھی ــ "مسلمان بن جاؤ۔ نہیں تو جینا محال کر دیا جائے گا" ــ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی مذہبی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ سیاسی نقطۂ نظر سے کہی جاتی تھی۔ اس بات کو کہنے والے مذہب سے نہیں، اپنے عہدوں اور منصبوں سے محبت کرتے تھے۔ اس اورنگزیب کی خوشنودی چاہتے تھے جو خود اپنے اثر و اقتدار کو ڈگمگاتا دیکھ کر پاگل ہُوا جاتا تھا۔

کشمیر کے برہمنوں نے اپنے اوپر ہونے والے مظالم کی کہانی سُنائی تو دین دیال گورو تیغ بہادر کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے ــــ ملک کی حالت انہیں پہلے بھی معلوم تھی۔ آج ایسے لگا انہیں کہ حد ہو گئی ہے۔ صرف آنکھیں نہیں ان کا دل رو اُٹھا ــ آتما رو اُٹھی۔

قریباً دو سو برس پہلے جب ایسی ہی حالت تھی تو پہلے شری گورو نانک دیو جی مہاراج نے آنسو بھری آواز میں کہا تھا۔

"ایتی مار پئی کرلانے
تیں کی درد نہ آئیا"

لیکن اب وہ زمانہ نہیں۔ زمین و آسمان بدل چکے۔ گورو نانک دیو جی کی بانی کا پرچار ہوتے دو سو برس بیت چکے۔ اب "ایتی مار" پڑے تو صرف "کرلانے" کا نہیں اس کا سدباب کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ پہلے گورو نانک کی طرح ۹ ویں گورو نانک مہاراج کی آنکھیں بھی اشکبار ہوئیں ــ ــ لیکن آنسوؤں کی زنجیر سے ظلم کا سیلاب تو رُکتا نہیں۔

پھر کیسے رُکے گا یہ سیلاب؟

سب لوگوں نے یہ چیختی چلاتی کہانیاں سُنیں۔
سب لوگ دُکھی تھے۔
سب لوگ سوچ رہے تھے۔
سب کے دِل میں سوال تھا۔" اِس کا علاج کیا ہے؟"

چھوٹے سے بالک گوبند رائے نے اپنے پِتا کی یہ اُداسی اور خاموشی دیکھی تو اپنی شہد جیسی میٹھی آواز میں بولے۔" یہ چِنتا کس لئے مہاراج؟ کیا سمسّیا آگئی ہے؟"۔ شری گورو تیغ بہادر جی نے کشمیری برہمنوں پر ہونے والے ظلم کی بات سُنائی۔ بولے۔" یہ ظلم کی حد ہے اسے روکنا ہوگا۔"
بالک گوبند رائے نے سہج سبھاؤ کہا۔" اسے کیسے روکنا ہوگا مہاراج؟"
تیغ بہادر جی پھُول جیسے اپنے اکلوتے بیٹے کی آنکھوں میں دیکھتے ہُوئے بولے۔" اس کیلئے کسی ایسے مہاپُرش کو قربانی دینی ہوگی جو روحانیت کی بلندیوں پر پہنچا ہے۔ جو سنتوں اور مہاتماؤں کا سرتاج ہے۔ جس کے دِل میں سچّے گیان کی روشنی ہے۔"

اور بالک گوبند رائے کو ایسے لگا کہ اُن کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی اُن پیار بھری آنکھوں میں ایک عجیب روشنی ہے۔ اُس تپ اور ریاضت کی روشنی جس کے راستہ پر شری گورو تیغ بہادر جی برسوں تک چلتے رہے۔ اس عظیم روحانیت کی روشنی جسے پہلے گورو نانک نے اُس وقت اپنی آتما کے اندر جاگتے ہُوئے دیکھا جب وہ سلطان پور لودھی کے پاس بہنے والی ندی میں پانی کے نیچے تین دن اور تین راتیں سمادھی لگاکر بیٹھے تھے۔ بالک گوبند رائے نے دیکھا کہ اس روشنی میں ایک بے حد مدُھر "کرونا" ہے۔ اِک بے انت بے خوفی، اِک جگمگاتی ہُوئی اُمید۔ انہوں نے دیکھا کہ جنم جنم کا پیار، جنم جنم کی محبوبیت، ہزاروں برہمانڈوں کا سرشٹی سنگیت اور لاکھوں سورگوں کا امرت اُس روشنی میں مسکراتا ہے ـــــــ اور انہوں نے دیکھا کہ وہ روشنی اُن کی آنکھوں سے ہوکر ان کی آتما کی گہرائیوں میں اُترتی جاتی ہے۔ لاکھوں مشعلوں کو روشن کرتی ہوئی۔ کروڑوں چراغوں کو جلاتی ہوئی۔ روشنی کے اربوں میناروں کو حیات نَو دیتی ہوئی ـــــــ اور سر جھکاکے انہوں نے کہا۔" آپ سے بڑا مہاتما، آپ سے بڑا مہاپُرش دُوسرا کون ہے؟ ـــــــ روحانیت کی روشنی آپ سے زیادہ کِس کے پاس ہے؟"
شری گورو تیغ بہادر جی مسکرائے۔
اُن کا خواب اصلیت بن گیا۔

اُن کے بیٹے نے انہیں وہ بات کہدی جسے وہ کسی دُوسرے کے نہیں، اپنے اکلوتے بیٹے کے مُنہ سے سُننا چاہتے تھے۔

اور تب وہ گمبھیر آواز میں بولے۔ ٹھیک کہتا ہے گوبند۔ تم لوگ جو کشمیر سے آئے ہو، بادشاہ اورنگ زیب کے پاس جاؤ۔ اُسے بولو کہ تیغ بہادر ہمارا گورو ہے۔ وہ تمہاری بات مان لے تو ہم سب بھی مان لیں گے۔"

کچھ ہی دنوں کے بعد اورنگ زیب کے ایلچی یہ پیغام لے کر آئے کہ "ہندوؤں کے پیر تیغ بہادر کو شہنشاہِ ہندوستان نے اپنے پاس دہلی میں بُلایا ہے۔ وہ اُن سے ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

شری گورو تیغ بہادر جی اس "سمن" کے انتظار میں تھے۔

بادشاہ کے ایلچیوں سے بولے۔ "آپ جائیے۔ بادشاہ سے کہئیے کہ میں آؤں گا ضرور۔ لیکن راستے میں کئی جگہ ٹھہرتا ہُوا آؤں گا۔ مجھے اپنے ان سکھوں کو ملنا ہے جو میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

ایلچی چلے گئے۔ گورو مہاراج بھی کچھ روز کے بعد اس یاترا پر چل پڑے جس سے انہیں واپس نہیں آنا تھا۔ ایک بار پہلے بھی وہ اپنے بیٹے کو پٹنہ میں چھوڑ کر دہلی کی طرف چل پڑے تھے۔ اس وقت انہیں معلوم تھا کہ کچھ ہی برسوں کے بعد وہ پھر ملیں گے۔ آج اپنے بیٹے سے، اپنے بھگتوں، سکھوں اور دُوسرے لوگوں سے وہ جُدا ہُوئے تو انہیں معلوم تھا کہ آج کے بعد ان میں سے کسی کو دیکھنا نصیب نہیں ہوگا۔ یہ آخری "ملن" ہے۔ عملی طور پر وہ اس یاترا پر چل پڑے تھے جس میں کوئی قدم واپس نہیں ہوتا۔ عملی طور پر ایسی یاترا تھی یہ جس میں وہ موت کو سینے سے لگانے کیلئے آگے بڑھ رہے تھے اس لئے اپنے پران دینے کو آگے بڑھ رہے تھے کہ دُوسرے زندہ رہیں۔ اس لئے اپنا خون دینے کو آگے بڑھ رہے تھے کہ دُوسرے سُرخرو ہو سکیں۔ اس لئے اپنا سیس دینے کو آگے بڑھ رہے تھے کہ دُوسرے خودداری سے اپنا سر اُوپر اُٹھا سکیں۔

گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ، شہر شہر وہ آگے بڑھے۔ ہر جگہ اپنی امرت بانی کا رس برساتے ہُوئے ظلم و ستم کے خلاف ایک نیا عزم جگاتے ہُوئے۔ جُرأت و شجاعت و بے خوفی کی روشنی جگاتے ہُوئے اُن کی کوشش یہ تھی کہ اپنی جان دینے سے پہلے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو حیاتِ نو بخش دیں۔ اپنی آواز بند ہونے سے پہلے حق و انصاف کے لئے ایسی آواز جگائیں جو ظلم و ستم کو چیلنج کر سکے۔

سب لوگوں نے یہ چیختی چلاتی کہانیاں سُنیں۔
سب لوگ دُکھی تھے۔
سب لوگ سوچ رہے تھے۔
سب کے دِل میں سوال تھا۔" اِس کا علاج کیا ہے؟
چھوٹے سے بالک گوبند رائے نے اپنے پتا کی یہ اُداسی اور خاموشی دیکھی تو اپنی شہد جیسی میٹھی آواز میں بولے۔" یہ چِنتا کس لئے مہاراج؟ کیا سمسّیا آگئی ہے؟"۔ شری گورو تیغ بہادر جی نے کشمیری برہمنوں پر ہونے والے ظلم کی بات سُنائی۔ بولے۔" یہ ظلم کی حد ہے اسے روکنا ہوگا۔"
بالک گوبند رائے نے سہج سبھاؤ کہا۔" اسے کیسے روکنا ہوگا مہاراج؟"
تیغ بہادر جی پھول جیسے اپنے اکلوتے بیٹے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔" اس کیلئے کسی ایسے مہاپُرش کو قربانی دینی ہوگی جو روحانیت کی بلندیوں پر پہنچا ہے۔ جو سنتوں اور مہاتماؤں کا سرتاج ہے۔ جس کے دِل میں سچے گیان کی روشنی ہے۔"

اور بالک گوبند رائے کو ایسے لگا کہ اُن کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی اُن پیار بھری آنکھوں میں ایک عجیب روشنی ہے۔ اُس تپ اور ریاضت کی روشنی جس کے راستہ پر شری گورو تیغ بہادر جی برسوں تک چلتے رہے۔ اس عظیم روحانیت کی روشنی جسے پہلے گورو نانک نے اُس وقت اپنی آتما کے اندر جاگتے ہوئے دیکھا جب وہ سلطان پور لودھی کے پاس بہنے والی ندی میں پانی کے نیچے تین دن اور تین راتیں سمادھی لگا کر بیٹھے تھے۔ بالک گوبند رائے نے دیکھا کہ اس روشنی میں ایک بے حد مدُھر "کرونا" ہے۔ اِک بے انت بے خوفی، اِک جگمگاتی ہوئی اُمید۔ انہوں نے دیکھا کہ جنم جنم کا پیار، جنم جنم کی محبوبیت، ہزاروں برہمانڈوں کا سرشٹی سنگیت اور لاکھوں سورگوں کا امرت اُس روشنی میں مسکراتا ہے ـــــ اور انہوں نے دیکھا کہ وہ روشنی اُن کی آنکھوں سے ہو کر اُن کی آتما کی گہرائیوں میں اُتری جاتی ہے۔ لاکھوں مشعلوں کو روشن کرتی ہوئی۔ کروڑوں چراغوں کو جلاتی ہوئی۔ روشنی کے اربوں میناروں کو حیاتِ نو دیتی ہوئی ـــــ اور سر جُھکا کے انہوں نے کہا۔" آپ سے بڑا مہاتما، آپ سے بڑا مہاپُرش دُوسرا کون ہے؟ ـــــ روحانیت کی روشنی آپ سے زیادہ کِس کے پاس ہے؟"
شری گورو تیغ بہادر جی مسکرائے۔
اُن کا خواب اصلیت بن گیا۔

اُن کے بیٹے نے انہیں وہ بات کہدی جسے وہ کسی دُوسرے کے نہیں، اپنے اکلوتے بیٹے کے مُنہ سے سُننا چاہتے تھے۔

اور تب وہ گمبھیر آواز میں بولے۔ ٹھیک کہتا ہے گوبند۔ تم لوگ جو کشمیر سے آئے ہو، بادشاہ اورنگ زیب کے پاس جاؤ۔ اُسے بولو کہ تیغ بہادر ہمارا گورو ہے۔ وہ تمہاری بات مان لے تو ہم سب بھی مان لیں گے۔"

کچھ ہی دنوں کے بعد اورنگ زیب کے ایلچی یہ پیغام لے کر آئے کہ "ہندوؤں کے پیر تیغ بہادر کو شہنشاہِ ہندوستان نے اپنے پاس دہلی میں بُلایا ہے۔ وہ اُن سے ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

شری گورو تیغ بہادر جی اس "سمن" کے انتظار میں تھے۔

بادشاہ کے ایلچیوں سے بولے۔ "آپ جائیے۔ بادشاہ سے کہیئے کہ میں آؤں گا ضرور۔ لیکن راستے میں کئی جگہ ٹھہرتا ہُوا آؤں گا۔ مجھے اپنے ان سکھوں کو مِلنا ہے جو میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

ایلچی چلے گئے۔ گورو مہاراج بھی کچھ دن کے بعد اس یاترا پر چل پڑے جس سے انہیں واپس نہیں آنا تھا۔ ایک بار پہلے بھی وہ اپنے بیٹے کو پٹنہ میں چھوڑ کر دہلی کی طرف چل پڑے تھے۔ اس وقت انہیں معلوم تھا کہ کچھ ہی برسوں کے بعد وہ پھر ملیں گے۔ آج اپنے بیٹے سے، اپنے بھگتوں، سکھوں اور دُوسرے لوگوں سے وہ جُدا ہُوئے تو انہیں معلوم تھا کہ آج کے بعد ان میں سے کسی کو دیکھنا نصیب نہیں ہوگا۔ یہ آخری "مِلن" ہے۔ عملی طور پر وہ اس یاترا پر چل پڑے تھے جس میں کوئی قدم واپس نہیں ہوتا۔ عملی طور پر ایسی یاترا تھی یہ جس میں وہ موت کو سینے سے لگانے کیلئے آگے بڑھ رہے تھے اس لئے اپنے پران دینے کو آگے بڑھ رہے تھے کہ دُوسرے زندہ رہیں۔ اس لئے اپنا خون دینے کو آگے بڑھ رہے تھے کہ دُوسرے سُرخرو ہو سکیں۔ اس لئے اپنا سیس دینے کو آگے بڑھ رہے تھے کہ دُوسرے خودداری سے اپنا سر اُوپر اُٹھا سکیں۔

گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ، شہر شہر وہ آگے بڑھے۔ ہر جگہ اپنی امرت بانی کا رس برساتے ہُوئے ظلم و ستم کے خلاف ایک نیا عزم جگاتے ہُوئے۔ جُرأت و شجاعت و بے خوفی کی روشنی جگاتے ہُوئے اُن کی کوشش یہ تھی کہ اپنی جان دینے سے پہلے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو حیاتِ نَو بخش دیں۔ اپنی آواز بند ہونے سے پہلے حق و انصاف کے لئے ایسی آواز جگائیں جو ظلم و ستم کو چیلنج کر سکے۔

اس طرح چلتے ہوئے وہ آگرہ پہنچے۔ اُن کا ارادہ یہ تھا کہ آگرہ سے ہو کر دہلی کی طرف واپس آئیں گے۔ دہلی میں بادشاہ کے پاس جا کر کہیں گے: "میں دلوں کا بادشاہ ہوں۔ تم دِلّی کے بادشاہ ہو۔ بتاؤ۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

لیکن آگرہ میں بادشاہ کے ملازموں نے سمجھا کہ "شری گورو تیغ بہادر جی دہلی جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ کسی دوسری طرف چلے جائیں گے اور بادشاہ ہمارے پرخچے اُڑا دے گا۔" اسلئے مغل حکومت کے افسروں کی مدد سے انہوں نے گورو جی کو گرفتار کر لیا۔ ان کے ساتھ کچھ سکھوں کو بھی۔ اور دہلی کی طرف چل پڑے۔

شری گورو تیغ بہادر جی کس طرح اور کیوں دہلی پہنچے۔ اس کے متعلق ایک اور رائے بھی ہے۔

"سیر المتاخرین" کے مصنف غلام حسین نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ:-

"تیغ بہادر کے کئی پیروکار ہو گئے۔ وہ طاقتور بن گیا۔ ہزاروں لوگ اس کا ساتھ دینے لگے۔ اُس کا ہمعصر ایک فقیر حافظ آدم بھی جو شیخ احمد سرہندی کے مُریدوں میں سے تھا اپنے آس پاس کئی پیروؤں کو جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ دونوں آدمی پنجاب کے لوگوں سے زبردستی دولت وصول کرتے تھے، تحفے وصول کرتے تھے۔ تیغ بہادر ہندوؤں سے دولت لیتا تھا۔ حافظ آدم مسلمانوں سے۔ شاہی مخبروں نے شہنشاہ کو لکھا کہ یہ دونوں فقیر۔ ایک ہندو اور ایک مسلمان۔ اس طرح یہ کام کر رہے ہیں اگر انہیں روکا نہ گیا اور ان کا اثر بڑھتا گیا تو اس سے کافی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں"

— غلام حسین کی رائے ہے کہ اس وجہ سے شری گورو تیغ بہادر جی کو "آنندپور" سے گرفتار کر کے گوالیار لایا گیا۔ جہاں سزا دی گئی" —— ظاہر ہے کہ غلام حسین کی یہ رائے سراسر لغویت ہے۔ وہ بادشاہ کے قریب نہیں تھا۔ آنندپور صاحب میں بھی نہیں تھا۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ گورو مہاراج شہید ہوئے تو دہلی میں — گوالیار کے اندر نہیں —— اصلیت یہ ہے کہ شری گورو تیغ بہادر جی آگرہ میں گرفتار ہوئے۔ وہاں سے دہلی لائے گئے۔

اُن دنوں اورنگ زیب دہلی میں نہیں تھا۔ لیکن اس کی پالیسی تو موجود تھی۔ دہلی کے بڑے قاضی کے سامنے اُنہیں اور ان کے ساتھیوں کو پیش کیا گیا۔ حسبِ دستور ان پر الزام

لگایا گیا کہ "تم اسلام کی توہین کرتے ہو۔ بادشاہ کے خلاف بغاوت کرتے ہو۔" گورو مہاراج نے دونوں باتوں سے انکار کیا۔ لیکن یہ مقدمہ تو محض ایک دکھاوا تھا۔ فیصلہ کیا کرنا ہے اس کا فیصلہ پہلے ہو چکا تھا۔ شری گورو تیغ بہادر بھی اس فیصلے کو جانتے تھے۔ جاننے کے باوجود آنندپور سے آئے تھے۔ حسبِ دستور انہیں حکم ملا۔ "اسلام قبول کرو۔ نہیں تو موت کی سزا دی جائیگی" گورو مہاراج شائد دل ہی دل میں ہنسے کہ جو لوگ خود ہی مسلمان نہیں، وہ مجھے کیا مسلمان بنائیں گے؟ شائد وہ پہلے گورو نانک دیو جی مہاراج کی اُس بانی کو یاد کر رہے تھے جس کا مطلب ہے:۔

"جو رحم دلی کو اپنی مسجد بناتا ہے اور سچائی کو مصلےٰ۔
جس نے حق و انصاف کو اپنا قرآن بنا لیا ہے۔
شرم کو اپنی سُنت اور اخلاق کو اپنا روزہ۔
وہ ہی سچا مسلمان ہے ——————"

"مسلمان کہلانا آسان نہیں۔
اگر اللہ کی رضا میٹھی لگتی ہے۔
اگر من کے اندر اہنکار کا کوڑا نہیں۔
اگر اپنے آپ کو اپنے مالک کے تصور میں مدغم کر دیا ہے۔
اور اگر خدا کی ہر مخلوق پر تو رحم کرتا ہے۔
تبھی تو سچا مسلمان ہے ——————"

شائد ان قاضیوں اور مُلاؤں کے لئے وہ دل ہی دل میں دعا کر رہے تھے۔ "خدا تمہیں مسلمان بننے کی توفیق دے۔" لیکن ظاہرہ طور پہ انہوں نے کہا "میرے لئے زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں۔ زندگی کے موہ کے لئے میں کوئی بات نہیں کرتا۔ اس موت کو ٹالنے کے لئے بھی کوئی بات نہیں کرتا جسے ایک دن لازمی طور سے آنا ہے۔"

گورو مہاراج نہیں مانے تو قاضی نے ان کے ساتھی بھائی متی داس جی کے سامنے بھی تجویز رکھی کہ "ہمارا مذہب قبول کر لو۔ ہر قسم کا آرام ملے گا۔ دولت ملے گی۔ جاگیر ملے گی۔ جائداد ملے گی۔" گورو جی کے دُوسرے ساتھی بھائی دیالا کے سامنے بھی یہ تجویز رکھی۔ لیکن جن لوگوں نے گوروبانی کا امرت پیا، اور جنہوں نے گورو جی کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل کیا۔ اُن کے لئے موت کا خوف تھا نہیں

اس خوف کی وجہ سے کچھ بھی کرنے کا سوال ان کے لئے پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بھائی متی داس جی کے سر پر آرا رکھا گیا۔ دھیرے دھیرے اسے چلایا گیا۔ دھیرے دھیرے متی داس جی کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔ لیکن متی داس جی نے اس وقت بھی "سی" نہیں کی جب انہیں ہوش تھا اور "آرا" سر کی ہڈی کو کاٹ رہا تھا۔ اس کے بعد تو صرف جسم کٹ رہا تھا۔ متی داس جی دُور جا چکے تھے ——— اس سفاکانہ طریقۂ قتل کا اثر نہیں ہُوا تو بھائی دیالا کو ایک بہت بڑی دیگ کے اندر کھولتے پانی میں اُبالا گیا۔ جیسے چاول اُبالے جاتے ہیں۔

یہ سب کچھ دہلی کے چاندنی چوک میں اس جگہ ہُوا جہاں آج گوردوارہ سیس گنج صاحب ہے۔ گوردوارے کے پاس آج جہاں "کوتوالی" ہے اُس وقت بھی یہاں کوتوالی تھی۔ شہر کا کوتوال یہاں رہتا تھا۔ اُس کے سپاہی بھی رہتے تھے۔ کوتوالی کے ساتھ وہ جیلخانہ بھی تھا جہاں زمین دوز تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں تنہا قیدی رکھے جاتے تھے۔ ظلم و سفاکی کا متذکرہ بالا شرمناک کھیل کرنے کے لئے بھائی دیالا کو، بھائی متی داس جی کو اور شری گورو مہاراج کو جیل سے باہر لایا گیا۔ کوتوالی کے ساتھ برگد کا ایک بہت بڑا درخت تھا۔ اس کے نیچے یہ انسانیت سوز تماشہ کیا گیا۔

یہ برگد آج سے کچھ برس پہلے تک موجود تھا۔ گوردوارہ سیس گنج کی عمارت بنی تو بھی موجود تھا۔ لیکن اس کی وجہ سے گوردوارہ کی عمارت پر ہر وقت کیڑے گرتے تھے۔ درخت سے نیچے آنے والا کوڑا کرکٹ گرتا تھا۔ اِسلئے اس برگد کو کٹوا دیا گیا۔ اس کا ایک تنا اب بھی گوردوارہ سیس گنج میں رکھا ہے۔

اس برگد کے نیچے شری گورو تیغ بہادر جی کو ایک پنجرے میں بند کر دیا گیا۔ ان کے سامنے سفاکانہ درندگی کا یہ کھیل کھیلا گیا۔ کھیلنے والوں کا خیال تھا کہ گورو مہاراج بھیانک موت کو اپنے سامنے دیکھ کر شاید ظلم و ناانصافی کے سامنے سر جھکا دیں گے۔ لیکن گورو مہاراج یہ سب کچھ دیکھتے رہے ——— واہگورو کے نام کا جاپ کرتے رہے۔ اُس پرم پُرش کے دھیان میں محو رہے۔ جہاں دُکھ، سُکھ، درد، آرام، زندگی موت کسی کی کوئی ہستی نہیں ——— حاکموں نے اُن کے اس سکون کو دیکھا تو تڑپ کے کہا۔ "سر کاٹ دو اس کا" ——— دُوسرے جلاد آگے بڑھے ——— سر کٹ گیا ———

اسی سلسلہ میں ایک اور روایت بھی ہے۔ یہ کہ گورو تیغ بہادر جی بادشاہ کی قید میں تھے تو سب طرف سے نراش ہو کر انہوں نے بالک گوبند رائے کو آنند پور میں ایک خط بھیجا۔ اور اس میں لکھا:۔

"بل چھٹیو۔ بندھن پرے۔ کچھو نہ ہوت اُپائے
کہہ نانک اب اوٹ ہری۔ گج جیوں ہوت سہائے
سنگ سکھا سب تج گئے۔ کوؤ نہ نبھیو ساتھ
کہہ نانک اس بپت میں۔ ٹیک ایک رگھوناتھ"

طاقت ختم ہو گئی۔ بندھن نے قید کر لیا۔ اب کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ نانک کہتے ہیں۔ اب تو ہری کا آسرا ہے۔ جیسے انہوں نے ہاتھی کو بچایا ویسے مجھے بھی بچالیں

سنگی ساتھی سب چھوڑ گئے۔ کسی نے ساتھ نہیں دیا۔ نانک کہتے ہیں۔ اس مصیبت میں۔ رگھوناتھ (ایشور) کے سوائے کوئی آسرا نہیں

اور شری گوبند رائے جی نے انہیں جواب دیا:۔

"بل ہویا۔ بندھن چھٹے۔ سب کچھ ہوت اُپائے
نانک سب کچھ تمرے ہاتھ میں۔ تم ہی ہوت سہائے
نام رہیو، سادھو رہیو۔ رہیو گورو گوبند
کہہ نانک ایہہ جگت میں۔ کن جپیو گورمنت"

"طاقت موجود ہے۔ بندھن چھوٹ گئے۔ سب راستے کھلے ہیں۔ نانک کہتے ہیں۔ مالک! سب کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم ہی مدد کرتے ہو۔ ۔ مالک کا نام موجود ہے۔ سادھ سنگت موجود ہے۔ (گورو کے سکھ موجود ہیں۔ نانک کہتے ہیں۔ اس دنیا میں گوربانی کا جاپ کیوں نہیں کرتے ؟"

ظاہر ہے کہ یہ ساری کی ساری کہانی کسی بھگت سجن نے گھڑی ہے۔ کیونکہ یہ چاروں دوہے شری گورو تیغ بہادر جی کی پوتر بانی میں ہیں۔ "آدِ شری گورو گرنتھ صاحب" کو نویں پاتشاہ کے بعد مرتب کیا شری گوبند سنگھ جی مہاراج نے۔ انھوں نے خود یہ سب کے سب دوہے نویں پاتشاہ کی بانی میں لکھے ہیں۔

اور ایک آخری روائت ہے جس کا آدھار غالباً شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کی اپنی بانی کا وہ حصہ ہے جس میں انہوں نے اپنے پوجیہ پتا کے بلیدان کا ذکر کیا۔ "وچتر ناٹک" میں وہ کہتے ہیں :۔

ہری گوبند پربھ لوک سدھارے
ہری رائے تنہہ ٹھاں بیٹھارے
ہری کرشن تن کے سُت دیئے
تن تے تیغ بہادر بھیئے
تلک جنجو راکھا پربھ تا کا
کینو بڑو کلو مہہ ساکا
سادھن ہیت اتی جن کری
سیس دیا پر "سی" نہ اُچری
دھرم ہیت ساکا جن کیا
سیس دیا پر سِرّ نہ دیا

شری گورو ہری گوبند جی پربھو لوک کو گئے تو شری ہری رائے اُن کی جگہ بیٹھے۔ اُن کے بیٹے شری ہری کرشن تھے۔ اُن سے تیغ بہادر ہوئے۔ تیغ بہادر جی نے اُن کے تلک اور جنیو پویتّ کو بچا لیا۔ کلجگ میں بہت بڑا ساکا انہوں نے کیا۔ سادھوؤں کے لئے ایسا کیا انہوں نے کہ سر دے دیا۔ "سی" نہیں کی۔ دھرم کیلئے یہ ساکا کیا انہوں نے کہ سر دیدیا لیکن "سِرّ" نہیں دیا ——

"سِرّ" کا مطلب "راز" بھی ہے۔ "عزت"۔ "آن"۔ اور "شان" بھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے اس لفظ کو "آن" اور "شان" کے معنوں میں استعمال کیا۔ کیونکہ شری گورو تیغ بہادر جی کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے

سر دیا لیکن اپنا راز نہیں بتایا" بے معنی سی بات ہے۔ چھپانے کے لائق کوئی "راز" ان کے پاس تھا نہیں۔ دسویں پاتشاہ نے "سر" لکھا تو واضح طور پر یہ کہنے کے لئے کہ شری گورو تیغ بہادر جی نے اپنا سر دے دیا، اپنی روحانی شان کا سر نہیں جھکنے دیا۔ اپنی آن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ——————

لیکن "سر" کا مطلب ایک ہو یا دوسرا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس روائت کا کچھ نہ کچھ تعلق دسویں پاتشاہ کی اس بانی سے ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ——————

اور روائت یہ ہے کہ بھائی متی داس اور بھائی دیالا شہید ہو چکے تو پنجرے میں بند کئے ہوئے شری گورو تیغ بہادر جی سے ان کے قاتلوں نے پوچھا "لوگ کہتے ہیں کہ تم بہت بڑے کراماتی یوگی ہو۔ ہمیں بھی کوئی کرامات دکھا سکتے ہو؟" — گورو مہاراج نے کہا — "کیوں نہیں۔ ایک کاغذ اور قلم دوات دو۔ میں تمہیں کرامات دکھاتا ہوں" — کاغذ گیا دوات اور قلم بھی۔ گورو مہاراج نے ایک کاغذ پر کچھ لکھا۔ اسے تہہ کر کے اپنی پگڑی کے ایک کونے میں باندھ کر پگڑی کو پھر سے سر پہ رکھ لیا۔ بولے "اب اگر تم میرا سر کاٹو گے تو کٹے گا نہیں" — قاضی نے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" — گورو جی بولے "تم کوشش کر کے دیکھو" — قاضی کے حکم سے انہیں پنجرے سے باہر نکالا گیا۔ تلوار چلائی گئی۔ سر کو تن سے جدا کر دیا گیا۔ قاضی نے کہا "بس یہی کرامات ہے" تبھی کسی نے پگڑی میں بندھے اس کاغذ کو کھول کے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا:-

"سر دیا پر سر نہ دیا"

"سر دے دیا لیکن غیرت کو جانے نہیں دیا"

اب قاضی نے سمجھا کہ گورو مہاراج کس "سر" کی بات کہہ رہے تھے۔ جسمانی سر کی نہیں بلکہ اس عزت وآبرو اور آن کی بات وہ کہہ رہے تھے جو صحیح معنوں میں انسان کا سر ہے اور جس کے ختم ہو جانے پر سر کے موجود رہتے ہوئے بھی آدمی مردہ سے بدتر ہو جاتا ہے۔ گورو مہاراج کا یہ "سر" آج بھی موجود ہے۔ تین سو برس ہو گئے۔ اورنگ زیب کا، اس کی حکومت کا، اس کے خاندان کا کہیں نام ونشان نہیں مر گئے، مٹ گئے وہ سب لوگ۔ جس دِلّی میں کبھی اورنگ زیب کا نام لیتے وقت لوگ

ادب سے (اور خوف سے) سر جھکا دیتے تھے اس میں آج اورنگ زیب کا نام لینے والا

بھی کوئی موجود نہیں۔ اور جس جگہ پہ دہلی کے چاندنی چوک میں شری گورو تیغ بہادر کا مقدس خون بہا۔ آج وہاں تین سو برس بعد بھی صبح شام بھگوان کا نام لیا جاتا ہے ۔۔ ہر روز لاکھوں ارادت مند وہاں پہنچ کے پیار اور عقیدت کیساتھ اپنا سر جھکاتے ہیں ۔۔۔ دل کی شردھا بھری آواز میں وہ کہتے ہیں :۔

"گورو تیغ بہادر سمریئے
گھر نو ندھ آوے دھائے"

گورو تیغ بہادر جی کو یاد کیجئے ۔ تمہارے گھر میں
ہر قسم کی دولت دوڑتی ہوئی آجائے گی ۔۔۔"

شری گورو تیغ بہادر جی نے واقعی اپنی پگڑی میں اس لکھے ہوئے کاغذ کو باندھا یا نہیں ۔۔ یہ آج ہم کہہ نہیں سکتے ۔۔ لیکن اس بات کی شہادتیں موجود ہیں کہ ۱۱ نومبر ۱۶۷۵ء کے روز جب اس مہان یوگی اور بھگوان کے پرم بھگت کو چاندنی چوک میں شہید کیا گیا تو دہلی کے آسمان میں دفعتہً خون کی طرح سرخ آندھی آگئی ۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شام کا وقت تھا ۔ سورج غروب ہو رہا تھا ۔ اس کی سرخ روشنی نے آسمان میں اٹھتی آندھی کو ایسے بنا دیا جیسے خون کا سیلاب امڈا آتا ہو ۔۔ چیختا، چلاتا، گرجتا ہوا ۔۔ نومبر کی اس سرد آندھی نے دہلی کے در و دیوار اس طرح جھنجھوڑ ڈالے جیسے کوئی پوچھتا ہو ۔۔ بدنصیبو! یہ تم نے کیا کیا ؟ ۔۔۔ لال قلعہ کی مہیب دیواریں اس آندھی کے تھپیڑے کھاتی ہوئی اس طرح آسمان کی طرف دیکھتی رہیں جیسے کہتی ہوں ۔ "ہم بے قصور ہیں" ۔۔۔ اور چاندنی چوک کے درخت اس طرح "شاں شاں شاں" کرتے رہے جیسے غمزدہ لوگوں کی بھیڑ کسی محبوب کی موت پہ "ہائے ہائے، ہائے" کرتی ہو

اس تیز آندھی میں جب سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں سہمے بیٹھے تھے، ایک سکھ بھائی "جیتا" کوتوالی کے پاس پاگلوں کی طرح چیختے ہوئے اس برگد کے نیچے پہنچا ۔ گورو مہاراج کے مقدس سر کو اس نے پیار سے اٹھایا ۔ اپنی چادر میں لپیٹا ۔ اپنے سر پہ رکھ کے بھاگ گیا ۔۔۔ اس رات جب آسمان پاگل ہاتھیوں کے جھنڈ کی طرح گرج رہا تھا ۔ جب آندھی کی ہو ہو سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی ۔ ایک اور سکھ بھائی "لکھی" اپنی بیل گاڑیاں لے کر چاندنی چوک میں پہنچا ۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا ۔ کوئی دیکھتا نہیں تھا ۔ تیزی سے اس نے شری گورو مہاراج کے مقدس جسم کو اٹھایا

گاڑی میں رکھا۔ اُوپر سے ڈھک دیا۔ اور دہلی سے دُور اُس جگہ پہنچ گیا جہاں آج پارلیمنٹ بھون کے نزدیک "رکاب گنج" کا گوردوارہ ہے۔ اُس وقت اس جگہ دُور دُور تک جنگل تھا۔ جنگل سے لکڑی اکٹھی کر کے اس نے گورو مہاراج کا آخری سنسکار کر دیا۔ شری گورو تیغ بہادر جی کے پوتر سیس کا سنسکار شری آنند پور صاحب میں ہُوا۔ جہاں ایک اور "سیس گنج" موجود ہے۔۔۔۔۔ بھائی جیتا اس پوتر سیس کو لے کر آنند پور میں پہنچے۔ اور بالک گوبند رائے کے سامنے اُس نے اُس کٹے ہوئے سر کو رکھا تو اس چھوٹے سے بالک نے آنسو نہیں بہائے۔ چیخ نہیں ماری۔ ہاتھ جوڑے اور سر جھکا دیا۔ شاید اس وقت بھی ان کے دِل میں ان کی اپنی یہ بانی گونج رہی تھی:۔

ٹھیکری پھوری دِلیس سِر
پربھ پور کیا پیان
تیغ بہادر سی کریا
کری نہ کِن ہوں آن"

شاہِ دِلّی کے سر پہ ٹھیکری پھوڑ کر۔ اس کو ذلیل کر کے وہ دیوتاؤں کی دُنیا میں چلے گئے۔ شری گورو تیغ بہادر نے جو کچھ کیا۔ وہ کبھی کوئی دُوسرا کر نہیں سکا ـــــــ"

۱

ہردوار، رشی کیش، اُتر کاشی اور گنگوتری سے اُوپر وہ "گومکھ" ہے جہاں برف کے ایک مہیب پہاڑ سے گنگا اس طرح باہر آتی ہے جیسے ہمالہ کا گاتا ہُوا آشیرواد باہر کی مقدس دُنیا کو دیکھ کر مسرت بھری مستی سے ناچ اٹھا ہو۔ لیکن یہی گنگا جب کانپور، الہ آباد اور کاشی سے آگے بڑھ کر بہار میں پہنچتی ہے تو دریا نہیں، سمندر معلوم ہوتی ہے۔ اس کا دوسرا کنارہ مشکل سے نظر آتا ہے۔ اربوں ٹن پانی کی چادر لگاتار آگے بڑھتی ہے۔ اُچھلتی، ناچتی، کھیلتی اور گاتی ہوئی نہیں۔ بلکہ اس طرح گمبھیر، اس طرح بھری ہوئی، جیسے سب کچھ جاننے اور دیکھنے کے بعد کوئی یوگی آنند کے امرت سے بھرپور اپنی سمادھی کو چھوڑ کر ایک آہنی عزم کے ساتھ کرم یوگ کے مارگ پر چل پڑا ہو تاکہ انیائے اور اتیاچار کی طاقتوں کو تہس نہس کر دے۔

پٹنہ کے پاس سے گذرنے والی اس گنگا کی طرح پٹنہ میں سورج جاگ اُٹھا جس کی روشنی آج بھی آنکھ والوں کو راستہ دکھاتی ہے۔ سمادھی کا امرت بھرا آنند انہوں نے دیکھا۔ بھگوان جانے کتنی صدیوں تک دیکھا۔ اس طرح انہوں نے تپ کیا کہ۔

"دوے تے ایک رُوپ ہوئے گئے"

دو سے ایک رُوپ ہو گئے

"من تو شدم۔ تو من شُدی۔ من تن شُدم تو جاں شُدی۔ تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری" والی بات ہو گئی۔ لیکن نہیں۔ اس امرت بھری، آنند بھری دُنیا کو چھوڑ کر ایک عظیم عزم اور ایک عظیم مشن کو لے کر وہ اپنے ہیم کنٹ سے چل پڑے۔ پٹنہ کے نزدیک پہلے گنگا ساگر کے کنارے پہنچ کر انہوں نے آنکھیں کھولیں تو کتنی ہی آنکھوں میں خوشی کی روشنی جاگ اُٹھی۔ شری گورو تیغ بہادر جی کے پاس آسام میں سندیسہ بھیجا گیا۔ "آپ کے ہاں چاند سا بیٹا ہُوا ہے"۔ گورو مہاراج کے لئے سب سے عزیز۔ سب سے محبوب ہیں ان کے مالک۔ وہ ایک اونکار واہگورو۔ پرمیشور جن کے ہزاروں نام ہیں۔ انہیں کو یاد کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "بچے کو گوبند کہا جائے"۔ لیکن گوبند کے دادا جی کا نام

تھا شری گورو ہر گوبند جی مہاراج ۔ اسلئے گوبند کی ماتا جی نے اور دوسری دیویوں نے ننھے بچے کو رام اور شیام وغیرہ ناموں سے پکارنا شروع کردیا۔

لیکن ان ناموں سے پکارنے والی دیویوں کو کیا معلوم تھا کہ جس بالک کو محض وہ ایک بزرگ کے احترام کی وجہ سے "رام اور شیام" کہتی ہیں، وہ رام اور شیام کی طرح ہی ایک مہان یگ پرش ہے ایسے بزرگوں میں سے ہے جو صدیوں کے بعد اس دنیا میں آتے ہیں۔ اور جب آتے ہیں تب دنیا کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ یگ پلٹ جاتا ہے۔ ایک نئی دنیا جاگ اٹھتی ہے ....؟

شاید انہیں معلوم نہیں تھا۔

لیکن جس عظیم و مقدس آتما کو اس دیش میں دورِ نو کا آغاز کرنا تھا۔ اور جسے "دیگ، تیغ، فتح" کا نعرہ لگا کر "چڑیوں" کو "بازوں" سے برتر بنا دینا تھا۔ ایک کو سوا لاکھ پر بھاری کر دینا تھا) ۔ اس نے اپنا سلسلہ فتوحات شروع کردیا تھا۔

جب وہ صرف دیکھتے تھے، باتیں نہ کرپاتے تھے۔ ان کے ہونٹوں پر کھیلتی ہوئی مسکراہٹ نے لوگوں کے دل جیت لیئے۔ جب وہ شہد جیسی میٹھی آواز میں باتیں کرنے لگے تو سننے والوں کی روحیں جھوم اٹھیں۔ جب وہ چلنا سیکھے۔ چھوٹے چھوٹے پاؤں سے تیزی کے ساتھ دوڑنے کا جتن کرنے لگے تو ان کے قہقہوں نے غم و یاس کے قلعے مسمار کردیئے۔ اور جب وہ کچھ بڑے ہوئے تو ان کی آنکھوں میں بیٹھی موہنی نے لوگوں کا "سربس" جیت لیا۔ وہ انہیں دن میں دیکھتے۔ رات کے وقت خوابوں میں بھی دیکھتے ہیں۔

ننھے گوبند رائے کو دیکھنے کے بعد اسے بھولنا غیر ممکن ہو جاتا تھا۔ کتنے ہی لوگوں کو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ اس چھوٹے سے بچے کی آنکھوں میں ایک عظیم شکتی چمک رہی ہے۔ دوسروں کو ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی دنیا کی پکار سن کر خود بھگوان اس بچے کا روپ دھارن کر کے آگئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بھگوان یا واہگورو کا کوئی روپ نہیں۔ کوئی روپ وہ دھارن نہیں کرتے۔ اور پھر ایسے مہاپرش کے متعلق جس نے بعد ازاں صاف اور واضح الفاظ میں کہا کہ:۔

"جو ہم کو پرمیسر اچری ہے
تے سب نرک کنڈ میں پری ہے"

"جو مجھے پرمیشور کہتے ہیں۔ وہ سب نرک کنڈ میں جاکر گریں گے۔ (کیونکہ وہ اک بہت بڑا پاپ کرتے ہیں)"

یہ کہنا کہ وہ پرمیشور یا واہگورو کا اوتار تھے اس مہاپرش کے ساتھ ایک بہت بڑا انیائے ہے۔ لیکن انیائے ہو یا کچھ اور۔ محبت کی طرح عقیدت بھی منطق نہیں جانتی۔ وہ جس کو جو کچھ مانتی ہے، وہی مانتی ہے۔ دلیل کیلئے محبت میں گنجائش نہیں۔ عقیدت میں بھی نہیں۔

---×---

ایسے ہی ایک پنڈت شودت تھے۔ پڑھے لکھے وِدوان۔ تپ، تیاگ، سادھن، دھیان، پُوجا، پاٹھ۔ انہیں میں اپنا جیون انہوں نے بتا دیا۔ مُورتی پُوجا وہ کرتے تھے۔ اس بھگوان کی مورتی کو سامنے رکھ کر جس کی کوئی مورتی نہیں وہ گھنٹوں بیٹھے رہتے۔ آرتی کرتے، گھنٹیاں بجاتے، دُھوپ جلاتے، پھول چڑھاتے۔ مٹھائی کو مورتی کے ہونٹوں سے لگاتے۔ ہر وقت یہی سوچتے کہ شاید اب بھی بھگوان آنکھیں کھولیں۔ اب بھی آواز دیں۔ اب بھی ہاتھ اُٹھا کر کہیں "شودت! میں نے تمہارے پیار کو قبول کر لیا"۔ لیکن ایسا کبھی ہوا کرتا نہیں۔ جاگتے میں وہ خواب دیکھتے۔ ان خوابوں کو دیکھتے ان کا جیون پک گیا۔ بال پک گئے۔ جسم پک گیا۔ لیکن خواب تو کبھی اصلیت نہیں بنے۔ ایک دن وہ ایسے ہی دھیان میں مگن ہوئے بیٹھے تھے یوں محسوس کرتے تھے کہ ان کے بھگوان ابھی آئیں گے۔ ابھی آواز دیں گے ـــــ اور تبھی کسی نے اپنے ریشم سے نرم اور ملائم ہاتھ ان کی آنکھوں پر رکھ دیئے۔ شودت کو ایسے لگا جیسے ان کی آنکھوں میں امرت سمائے جاتا ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے ہاتھوں پر اپنے بُوڑھے اور بڑے بڑے ہاتھ رکھ کر، انہیں پیار سے آنکھوں پر دبا کر وہ بولے "کون؟ ـــ کون آیا ہے؟"

ایک مُسکراتی، گاتی سی آواز نے کہا "پنڈت جی!"

پنڈت جی کو ایسے لگا کہ جس طرح ان کی آنکھوں میں امرت سمائے جاتا تھا ویسے ہی اب کانوں میں، سارے جسم میں، ایک ایک انگ میں سمائے جاتا ہے۔ ان کی شردھا نے کہا ـــ "جیون بھر جس کے لئے تپ کیا تھا وہ آگیا ہے"۔ ان کے وشواس نے کہا "تیرے پریتم آگئے شودت! ـــ آج تیری پُوجا سپھل ہو گئی"۔ ـــ لیکن اس کے باوجود وہ بولے "میں جانتا ہوں تم کون ہو۔ پھر بھی ایک بار کہو میرے پریتم! میرے گوبند! ـــ کون آیا ہے...؟"

اور اس مسکراتی گاتی، شہد بھری آواز نے کہا "میں گوبند ـــ"

اور پنڈت شودت جیسے خوشی سے پاگل ہو اُٹھے۔

آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر انہوں نے پیچھے دیکھا۔ ننھا گوبند رائے مسکراتا ہوا کھڑا تھا۔

بوڑھے شیودت نے اُسے سینے کے ساتھ لگا لیا۔ اس کے ہاتھوں کو اپنے سر پہ رکھ لیا۔ آنکھوں کے ساتھ لگا لیا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے چرنوں کو چوم لیا۔ ان کے اوپر اپنا سیس نوا دیا۔ اور کتنی ہی دیر تک "گوبند۔ گوبند۔ گوبند۔ گوبند" کہتا رہا۔

اور اس وشواس کے ساتھ کہ یہ چھوٹا سا بالک ہی ان کا سرب شکتی مان، سرب انتریامی سرب دیا پک، پرم پتا، پرم آنند، پرمیشور، پار برہم گوبند ہے۔ وہ سب کو کہتے پھرے۔ "گوبند آ گئے ہیں، گوبند آ گئے ہیں۔"

لیکن گوبند رائے اتنے چھوٹے تھے کہ شیودت نے انہیں "بالا پریتم" کا نام دے دیا۔ کتنے ہی لوگ انہیں اس نام سے پکارنے لگے۔

پٹنہ میں ایک جاگیردار راجہ فتح چند مینی رہتے تھے۔ کافی عمر ہو گئی۔ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ وید حکیم ہار گئے۔ جنتر منتر بے کار ہو گئے۔ پنڈت شیودت سے انہوں نے پوچھا۔ تو پنڈت جی نے کہا۔ تم تو پاگل ہو۔ بھگوان سے مانگو۔ وہ سب کچھ دیتا ہے۔ اس کے ہاں کمی کس چیز کی ہے؟

راجہ فتح چند سے زیادہ اُن کی رانی، سودو کی تمنا بھی تھی۔ اُسے لگتا کہ ایک بیٹا ہو جائے تو سوگ کے دروازے کھل جائیں گے۔ جی چاہتا کہ کوئی ایک بار اُسے "ماں" کہہ دے۔ "ماں" کہہ کر پکارے تو اس کے سپنوں کی دنیا اصلیت کی دنیا بن جائے گی۔ فتح چند سے زیادہ جنتر منتر اس نے کئے تھے۔ فتح چند سے زیادہ نراش وہ تھی۔ اس نے بھگوان کا نام سنا تو بولی۔ لیکن بھگوان ہے کہاں پنڈت شیودت! میں نے بہت کھوجا۔ مجھے ملا نہیں۔"

شیودت اب بھی گنگا کے کنارے بیٹھا "ٹھاکر جی" کی پوجا کر رہا تھا۔ لیکن اس کے دل میں تصور تھا اپنے اُس "گوبند" کا جسے وہ "بالا پریتم" کہتا تھا۔ دور تک پھیلی ہوئی گنگا کو دیکھتا ہوا وہ بولا "بہت کھوجا۔ ملا نہیں۔ سچ ہے یہ۔ لیکن اس کی کرپا ہو جائے رانی جی! تو وہ خود چل کے تمہارے پاس آ سکتا ہے۔ سنسار پہ کرپا کر کے اس نے اوتار دھارن کر لیا ہے۔ ایک چھوٹے سے بالک کے روپ میں وہ اسی پٹنہ کے اندر رہتا ہے۔ اسے پیار سے پکارو۔ شردھا اور بھگتی سے اس کا دھیان کرو وہ چاہے تو پھر ہر بات ہو سکتی ہے۔"

راجہ اور رانی دونوں نے پنڈت شیودت کی بات مان لی۔ ہر روز وہ مالک کو یاد کرتے لگے

دُنیا کے کاموں سے فرصت پاتے ہی وہ اپنے محل کے ایک وشال کمرے میں بیٹھ جاتے۔ محل کے دروازے کھلے رہتے۔ کمرے کے دروازے کھلے رہتے۔ اور وہ دھیان میں مگن اُس پربھو کو بلاتے رہتے۔ جسے شری گورو نانک دیو جی مہاراج نے "سرب روگ کی اوشدھ" کہا تھا۔ کبھی راجہ فتح چند نہ ہوتے تو رانی اکیلی ہی دھیان میں بیٹھ جاتی۔ مالک کو یاد کرتی، پرارتھنا کرتی — "پربھو! مجھے ماں بنا دو —" ایک دن وہ اسی طرح اکیلی بیٹھی تھی۔ اُس کی مُندی ہوئی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سِسکتا ہُوا دل خاموش آواز میں کہہ رہا تھا — "مجھ پر کبھی کرپا نہیں ہوگی مہاراج؟ — میری پکار کیا تم کبھی نہیں سُنو گے؟ — اربوں کھربوں لوگ تمہیں 'ماں' کہکر بلاتے ہیں — میرا دل بھی کسی کی 'ماں' بننے کو تڑپے۔ تو اس میں بُرائی کیا ہے؟ — بولو — تم جو کرونا کے ساگر ہو، دیا کا ہمالہ ہو — میری بار خاموش کیوں ہو گئے — بولو — ایک بار کہو .....؟"

اور تبھی کسی نے اس کی گردن میں اپنے چھوٹے چھوٹے بازو ڈال کر پھول کی پتیوں جیسی کومل آواز میں کہا — "ماں!"

رانی چونک اُٹھی — یہ آواز — یہ لفظ — یہ خطاب —!

لیکن اس سے پہلے کہ وہ پیچھے دیکھتی، اس کی گردن میں اپنے ننھے بازو ڈالے ہوئے گوبند رائے نے کہا — "ماں! — مَیں آ گیا ہُوں۔"

اور رانی کو ایسے لگا جیسے اس کے کانوں میں کوئی امرت اُنڈیلے دیتا ہو — اس کی چھاتیوں میں دُودھ جاگ اُٹھا ہو —

———— x ————

لیکن صرف پنڈت شیو دت کو، راجہ فتح چند کو اور اس کی رانی کو اس ننھے "من موہن گھنشیام" نے موہت نہیں کیا۔ کئی دوسرے لوگوں نے بھی اس چھوٹے سے بالک کی آنکھوں میں اُس مدھر روشنی کو دیکھا۔ جو صرف مہان یوگی کی آنکھوں میں چمکتی ہے۔ اور جس کے مالک صدیوں کے بعد سنسار پر کرپا کرنے کیلئے آتے ہیں۔ انہیں میں پٹنہ کے نواب رحیم بخش اور کریم بخش بھی تھے۔ سید بھیکھن شاہ بھی۔ جو اپنی روحانی بلندی اور فقرانہ پاکیزگی کیلئے دُور دُور تک مشہور تھے۔ نواب رحیم بخش اور کریم بخش نے ایک پُورا گاؤں اور ایک باغ ننھے سے گوبند رائے کو بھینٹ کر دیا۔ آج بھی یہ گاؤں اور یہ باغ پٹنہ صاحب کے اس گوردوارہ کی ملکیت ہیں جو شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے پوتر جنم ستھان پر بنا ہے۔

———— x ————

عمر کے پانچ برس گذرے ابھی کچھ ہی دِن ہُوئے تھے کہ "گورو دھام" شری آنند پور صاحب سے شری گورو تیغ بہادر جی کا پیغام آیا کہ بالک گوبند رائے، ان کی ماتا گوجری دیوی اور پریوار کے دُوسرے سبھی لوگ آنند پور صاحب میں آجائیں۔ کیونکہ آنند پور میں اور پنجاب میں اَب شانتی ہے۔ گورو گدی کے جھوٹے دعویدار ایک ایک کر کے ختم ہو گئے ہیں —— نویں پاتشاہ بالک گوبند رائے کے جنم کے وقت آسام میں تھے ماتا گوجری دیوی کو وہ اس لئے پٹنہ میں چھوڑ گئے تھے کہ ان کے ہاں بچہ ہونے میں بہت دیر نہ تھی۔ آسام کے سفر پر انہیں ساتھ لے جانا کافی تکلیف دہ ہو سکتا تھا۔ بیٹے کا جنم ہُوا تو نویں پاتشاہ نے اس کا نام تجویز کر دیا۔ "گوبند"۔ لیکن خود پٹنہ میں نہیں آئے۔ جب آئے تو پنجاب انہیں پکار رہا تھا۔ پٹنہ میں بہت دیر وہ ٹھہر نہیں سکے۔ اپنے چاند سے بیٹے کا ماتھا چُوم کر وہ فرض کے اُس راستہ پر چل پڑے جس سے زیادہ کٹھن دُوسرا کوئی راستہ نہیں۔ اب پانچ برس کے بعد انہوں نے اپنے پریوار کو آنند پور میں بُلایا تو اس لئے کہ وہ گوبند رائے جی کو اپنے سامنے اس مشن کی سِکھشا دینی چاہتے تھے جس کے لئے وہ ہیم کنٹ سے آتے۔

لیکن شری گورو تیغ بہادر جی مہاراج کے پیغام کا پٹنہ میں بھی لوگوں پر ایک سا اثر تو نہیں ہُوا۔ بالک گوبند رائے خوش ہوئے کہ اب وہ اپنے اس مہان پِتا کو دیکھیں گے جن کی آج تک وہ صرف باتیں سُنتے تھے —— ماتا گوجری دیوی خوش ہوئیں کہ اپنے اس محبوب کو دیکھیں گی جس سے بچھڑے ہُوئے انہیں کتنے ہی برس بیت گئے۔ گورو پریوار کے دوسرے لوگ بھی خوش ہوئے کہ اپنے پنجاب کو واپس جائیں گے —— اس کے برعکس پٹنہ میں کتنے ہی لوگ اس خیال سے دُکھی ہو اُٹھے کہ ان کے گوبند رائے اب دُور چلے جائیں گے —— پنڈت شِو دت کیلئے وہ ایشور کا اوتار تھے۔ راجہ فتح چند اور ان کی رانی کیلئے بیٹے کی طرح —— کریم بخش، رحیم بخش اور بھیکھن سید کیلئے ایک عظیم روحانی شکتی کا اُگتا ہُوا آفتاب —— کتنے ہی چھوٹے چھوٹے بچوّں کیلئے ایک محبوب ساتھی —— اور دُوسرے ہزاروں لوگوں کے لئے محبت و معصومیت کی ایسی روشنی جو اُن کیلئے مسکراہٹیں اور قہقہے پیدا کرتی تھی، اپنی پیار بھری اداؤں سے انہیں مسحور کر دیتی تھی —— ان سب لوگوں کو جب معلوم ہُوا کہ اُن کے گوبند رائے ان سے بہت دُور جا رہے ہیں تو قدرتی طور پر ان کے دِل غمزدہ ہو گئے —— ان کی آنکھیں رو اُٹھیں —— لیکن جانے والوں کو روک کون سکتا ہے —— بالک گوبند رائے کو لے کر یہ قافلہ پنجاب کی طرف چل پڑا۔

آج کوئی پٹنہ سے پنجاب کو آئے تو ہوائی جہاز میں چند گھنٹوں کے بعد پہنچ جاتا ہے۔ ریل گاڑی یا موٹر میں دوسرے دن —— لیکن اُن دنوں ہوائی جہاز نہیں تھے۔ موٹریں اور ریل گاڑیاں

نہیں تھیں لوگ گھوڑوں پر، اونٹوں پر، رتھوں میں اور بیل گاڑیوں میں یا پالکیوں پر سفر کرتے تھے۔
یہ قافلہ بھی اسی طرح چلا۔ فروری ١٦٧٢ء کے مہینہ میں کیرتن کرتا ہوا یہ قافلہ پٹنہ سے آگے بڑھا
تو کتنے ہی پٹنہ نواسی اس لئے اس کے ساتھ چل پڑے کہ جب تک ہو سکے تب تک اپنے گوبند رائے
کا درشن کریں۔ داناپور تک ایک خاصی بڑی سنگت ان کے ساتھ آئی۔ یہاں ایک بزرگ دیوی نے
سبھی لوگوں کی دعوت کی۔ بالک گوبند رائے کے لئے اس نے اپنے ہاتھ سے ایک ہانڈی دال اور
چاول ملا کر کھچڑی بنائی۔ اپنے ہاتھ سے انہیں کھلائی۔ اور ایسے لگا اُسے کہ ایک چھوٹے سے بالک
کا روپ دھارن کر کے ایک مہان دیوتا ان کے نگر میں آگیا ہے۔ ماتا گوجری جی کو اس نے کہا
"آپ لوگ یہیں رہ جائیے۔ میں ہر روز اپنے ہاتھ سے گوبند جی کیلئے کھانا بناؤں گی"۔ ماتا جی
نے بتایا کہ ایسا کرنا ممکن نہیں۔ ان کا اور گوبند رائے جی کا پنجاب کو جانا ضروری ہے۔ لیکن
مسکراتے ہوئے گوبند رائے نے کہا "مائی! اب تم ہر روز اسی ہانڈی میں کھچڑی بنا کر غریب لوگوں
کو کھلایا کرو۔ ہر روز تمہیں ایسے لگیگا کہ میں تمہارے پاس ہوں" —— روائت ہے کہ وہ دیوی
جب تک جیتی رہی تب تک ایسا ہی کرتی رہی۔ تب تک اسے یہی لگا کہ بالک گوبند رائے اس کے
پاس کھڑے ہیں۔ وہ کھچڑی بانٹتی ہے تو گوبند جی مسکراتے ہیں۔ ان کی مسکراہٹ سے آس
پاس کی ہر چیز جگمگا اُٹھتی ہے۔

آج بھی یہ ہانڈی داناپور میں موجود ہے۔ اس کی وجہ سے اس علاقے کا نام بھی ہانڈی
مشہور ہو گیا ہے۔

داناپور سے پٹنہ والوں کو واپس بھیج کر گورو پریوار کا یہ قافلہ شمال مغرب کی طرف آگے بڑھا
راستے میں ہر اس جگہ ٹھہرا جسے ہم تیرتھ کہتے ہیں۔ کاشی، پریاگ، ایودھیا، متھرا، برندابن اور اسی
قسم کے دوسرے پوتر استھان۔ ہر جگہ ماتا گوجری نے اپنے گوبند کے ہاتھ سے دان کرایا۔ ہر جگہ
پربھو نام کے کیرتن ہوئے۔ گوروبانی کے کیرتن ہوئے۔ بھگوان کی بھگتی کا امرت جاگ اٹھا۔ اس طرح
قریباً پانچ مہینے کے بعد گورو پریوار کا یہ قافلہ پنجاب میں پہنچا۔ ضلع انبالہ کے "لکھنور" میں۔ آنندپور
کی طرف جاتے ان مقدس یاتریوں کو شری گورو تیغ بہادر جی کا پیغام ملا کہ "ابھی کچھ دیر لکھنور
میں ٹھہرو۔ آپ لوگوں کے آنندپور میں آنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ جب یہ وقت آئے گا تو میں
آپ کو خود بلا لوں گا"۔

ظاہر ہے کہ بالک گوبند رائے کے لئے اور دوسرے لوگوں کے لئے شری گورو تیغ بہادر جی

کا یہ حکم سُکھ دینے والا نہیں تھا۔ جس محبوب کے دیدار کے لئے اُن کی آنکھیں ترس رہی تھیں جس کے لئے وہ پانچ مہینوں سے لگاتار سفر کر رہے تھے۔ جس کے لئے انہوں نے قریباً ایک ہزار میل کا فاصلہ طے کیا تھا۔ اُسی کا حکم آ گیا کہ "ابھی درشن کا وقت نہیں آیا" تو قدرتی طور پر ہر طرف ایک نراشا چھا گئی۔ لیکن وہ کرتے کیا؟ گورو جی کا حکم تو حکم ہے۔ اسے ٹالے گا کون؟ اسلئے سات مہینے تک آنند پور صاحب کے یہ یاتری "لکھنور" میں ہی مقیم رہے۔

لکھنور میں ان دنوں ایک مسلمان فقیر پیر عارف دین رہتے تھے۔ ایک دن وہ اپنی پالکی میں بیٹھے اس علاقہ سے گذر رہے تھے جہاں شری گورو تیغ بہادر جی کا پریوار رہتا تھا تو انہوں نے کچھ بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا، ان میں ایک بچے کو دیکھ کر معاً ایسے لگا جیسے اس دنیا سے اُوپر کی، پرے کی کسی ہستی کو وہ دیکھتے ہیں۔ پالکی والوں کو حکم دیا "پالکی روکو۔ ہم یہیں اُتریں گے ——"

اور پالکی سے باہر آ کر وہ سیدھے اس بچے کے پاس گئے جو باقی بچوں کے درمیان اس طرح معلوم ہوتا تھا جیسے تاروں بھرے آسمان میں چاند چمکتا ہے۔ اس کی صورت میں، اس کی آنکھوں میں اور اس کی پیار بھری مسکراہٹ میں انہیں وہ عظیم روحانیت نظر آئی جو ہر کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ ہر کسی میں ہستی نہیں —— اور اس بات کو بھول کر کہ وہ مسلمان ہیں اور ان کے لئے اللہ کے سوائے کسی کے سامنے سر جھکانا منع ہے، انہوں نے اس بچے کے سامنے سر جھکا دیا۔ سلام کیا۔ تب دھیمے سے بولے "آپ کون —؟"

بچے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لوگ مجھے گوبند کہتے ہیں۔"

پیر صاحب نے پھر اپنے سر کو جھکا دیا۔ ہاتھ کو ماتھے سے لگا کر سلام کیا۔ دھیمے سے بولے۔ "ٹھیک کہتے ہیں وہ۔ ان آنکھوں میں خدا کا نور ہے۔ روحانیت کی روشنی۔ اللہ نگہبان ہو تمہارا۔ تاکہ تم اللہ کے بندوں کو درست راستہ دکھا سکو۔"

اور پیر صاحب ایک بار پھر بالک گوبند رائے کو سلام کر کے پالکی کے پاس آئے۔ اس میں بیٹھنے لگے تو ان کے ساتھیوں نے کہا۔ "یہ کیا کیا آپ نے پیر صاحب! ایک نابالغ بچے کے سامنے سر جھکایا۔ وہ بھی ایک کافر کے سامنے؟"

عارف دین دُور اُوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "کفر و اسلام کو میں جانتا نہیں۔ اپنے خدا کو جانتا ہوں۔ اُس کی روشنی کو میں نے سلام کیا ہے —— ایک دن اس

روشنی کی وجہ سے لاکھوں کروڑوں لوگوں کو نئی زندگی ملے گی، نئی اُمید، نئی ہمت ــــ،

ــــــــ

اسی لکھنور میں پٹنہ کے سید بھیکھن شاہ ایک بار پھر پنڈت شِودت کے اس " بالا پریتم" کا درشن کرنے آئے جس نے اُن کا من موہ لیا تھا۔

نام لکھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن کچھ لوگوں نے ان سبھی واقعات کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج ایشور کا اوتار تھے۔ اس لئے یہ سبھی سنت، مہاتما، سادھو، صوفی اور فقیر ان کے بچپن میں ہی (جبکہ وہ گوبند سنگھ نہیں تھے۔ گورو بھی نہیں تھے۔ صرف گوبند رائے تھے) اُنہیں دیکھ کے سر جھکا دیتے تھے ــــ ان بھائیوں نے بالواسطہ طور پر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سید بھیکھن شاہ نے، پیر عارف دین نے اور دُوسرے لوگوں نے بالک گوبند رائے کے انسانی رُوپ میں ایشور (GOD-IN-MAN) کو دیکھا۔ بالواسطہ طور پر انہوں نے یہ اشارہ کرنے کا بھی جتن کیا ہے کہ چونکہ ان پیروں، فقیروں اور سنتوں نے گورو مہاراج کے سامنے سر جھکایا اس لئے وہ پرمیشور کے اوتار تھے۔

میں ادب سے اور پوری طاقت سے کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ اس قسم کی کوشش کرتے یا ایسی بات کو بالواسطہ یا بلاواسطہ طریقہ پر کہتے ہیں ــــ وہ صرف دوسروں کے ساتھ نہیں خود شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے ساتھ بھی انیائے کرتے ہیں۔ جن پرم پُنیہ مہاتما نے صاف الفاظ میں کہا کہ ــ "میں پرمیشور نہیں ہوں۔ جو مجھے پرمیشور کہے گا وہ نرک کُنڈ میں گرے گا"

" مو کو داس تبون کا جانو
یا میں بھید نہ رنچ پچھانو
میں ہوں پرم پُرکھ کو داسا
دیکھن آیو جگت تماسا"

میں اس پرم پُرش پرماتما کا داس ہوں۔ اس بات کو واضح طور پر جانو۔ اس میں کوئی بھید نہیں۔ یہ سیدھی بات ہے۔ میں پرم پُرش کا داس ــ اس دُنیا کا تماشہ دیکھنے آیا ہوں ــــــــ"۔

یہ سب کچھ جس مہاپُرش نے بنا کسی تامّل کے کہا ــ اس کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایشور

کا اوتار تھا تو اس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو اپنے آپ کو گوروجی کا بھگت کہتے ہیں وہ گوروجی مہاراج کی بات کو ہی غلط اور جھوٹ بتانے کا جتن کرتے ہیں جس پوجیہ مہاتما کو دنیا کے مہاپرشوں کے متعلق یہ شکایت ہے کہ ۔ انہوں نے ایشور کی بجائے اپنے نام کی مالا جپانی شروع کر دی اور اپنے آپ کو ایشور کہنا شروع کر دیا ۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خود ہی ایشور یا ایشور کا اوتار تھا یقینی طور پر ایک غلط بات ہے ۔

سید بھیکھن شاہ ، پیر عارف دین اور اسی قسم کے دوسرے سنتوں ، سادھوؤں نے بالک گوبند رائے کے سامنے سر جھکایا تو اس لئے کہ وہ روحانیت کے پارکھی تھے ۔ ہیرے کی قیمت کو جس طرح جوہری جانتا ہے ایسے ہی روحانی عظمت کو وہ آدمی ہی پہچان سکتا ہے جس کی روح میں بیداری اور پاکیزگی ہو ۔ ان سنتوں اور سادھوؤں کے من میں بالک گوبند رائے کیلئے شردھا اور پیار کی بھاونا جاگ اٹھی تو اس لئے کہ اس ننھے سے بالک میں ایک عظیم لیڈر اور تپسوی کی آتما مسکرا رہی تھی ۔ اسلئے نہیں کہ بالک گوبند رائے ایشور کا اوتار تھے

لیکن یہ تو " بات سے نکلی بات " جیسی بات ہے ۔

میں عرض کر رہا تھا کہ بالک گوبند رائے ان کی ماتا گوجری جی اور گورو پریوار کے دوسرے لوگ سات مہینے تک " لکھنور " میں رہے تب گورو مہاراج کا پیغام آیا کہ ۔ اب آ جاؤ ۔ آنے کا وقت آ گیا ہے ۔ اور شوقِ دیدار میں سرشار یاتریوں کا یہ قافلہ کرت پور سے ہوتا ہوا اس مقدس نگری میں پہنچا جسے شری گورو تیغ بہادر جی نے " آنند پور " کا نام دیا تھا ۔ اور جسے وقت کی آنکھیں اسلئے غور سے دیکھ رہی تھیں کہ وہاں ایک ایسی بات ہونے والی تھی جیسی صدیوں کے بعد ہی کبھی ہوتی ہے ۔

ہاں ۔ صدیوں کے بعد ۔

لیکن دسویں پاتشاہ کلغی دھر شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے جیون کی کتھا کو شروع کرنے سے پہلے یہ جاننا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ شری گوروجی مہاراج خود اس پریوار کے متعلق کیا کہتے ہیں جس میں ان کا جنم ہوا ۔ اپنے خاندان کا ذکر کرتے ہوئے وہ " بچتر ناٹک " میں کہتے ہیں :۔

" اب میں اپنا اتہاس کہوں گا ۔ یہ بھی بتاؤں گا کہ سوڈھی پریوار کب اور کیسے پیدا ہوا ۔

" پہلے پہل ابتدا میں ۔ جب کال (پرمیشور) نے اپنے آپ کو پھیلایا ۔ اور اونکار سے

سرشٹی پیدا ہوئی ۔۔۔ توسب سے پہلے راجہ 'کال سین' تھے۔ اُن کا روپ انوپ تھا۔ طاقت بیشمار تھی۔ اُن کے بعد دُوسرے راجہ 'کال کیتو' تھے۔ تیسرے راجہ کرور برس مقرر ہوئے۔ چوتھے راجہ 'کال دُھج' تھے جنہوں نے حکومت کی شوبھا بڑھائی۔ ہزار آنکھیں تھیں اُن کی ہزار پاؤں تھے۔ وہ شیش ناگ پر سوتے تھے۔ اس لئے لوگوں نے انہیں 'شیش شائی' کہا۔ انہوں نے اپنے ایک کان سے میل نکالی تو اس سے 'مدھو' اور 'کیٹبھ' پیدا ہوئے۔ دُوسرے کان سے انہوں نے میل نکالی تو اس سے یہ ساری خلقت پیدا ہوئی ...... پوری تفصیل سے یہ باتیں نہیں کہتا۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ گرنتھ بہت بڑا ہو جائے گا۔ (اسلئے اختصار سے کہتا ہوں کہ) اُن کے پریوار میں کئی راجہ ہوئے۔ دکش پرجاپتی بھی انہیں میں سے ایک تھے۔ دکش پرجاپتی کی دس ہزار بیٹیاں تھیں جن کی خوبصورتی کا مقابلہ کرنے والا کوئی تھا نہیں۔ اُن سب لڑکیوں کی شادیاں راجاؤں سے ہوئیں۔ لیکن یہ سب کچھ کہاں تک کہتا جاؤں یہ کتھا بہت لمبی ہو جائے گی ..... تھوڑی بات سُنیئے ..... اسی 'کال دُھج' کے خاندان میں مہاراجہ 'رگھو' پیدا ہوئے۔ جن سے رگھو ونش شروع ہوا۔ ان کا بیٹا مہاراجہ 'اج' تھا۔ جو ایک مہان حکمران تھا۔ بہت بڑا مہارتھی اور تیرانداز۔ جب اُس نے جوگی کا بھیس لیا (سنیاس آشرم کو اپنایا) تو راج پاٹ 'دشرتھ' کے حوالے کر دیا۔ یہ دشرتھ بھی بہت بڑے تیرانداز اور بہت بڑے یودھا تھے۔ اپنی رچی سے انہوں نے تین دیویوں سے شادی کی۔ ان سے پہلے راجکمار رام کا جنم ہوا۔ تب بھرت، لکشمن اور شترو گھن کا جنم ہوا۔ انہوں نے بہت دیر تک راج کیا۔ وقت آنے پر وہ سورگ سدھار گئے تب سیتاجی کے دو بیٹے راجہ ہوئے۔ انہوں نے راج کے کام کو سنبھالا اور پھیلایا۔ مدر دیش، پنجاب کے راجاؤں کی شہزادیوں سے ان کی شادیاں ہوئیں۔ کتنی ہی قسم کے یگیہ اس وقت کئے گئے (سیتاجی کے یہ دو بیٹے تھے۔ لہو اور کُش) لہو نے لاہور بسایا۔ کُش نے قصور کے شہر کو تعمیر کرایا۔ دونوں شہر بہت مشہور ہوئے۔ ان کی خوبصورتی اور عظمت کے سامنے (راکششوں کی راجدھانی) لنکا اور (دیوتاؤں کی راجدھانی) امراوتی کے سر بھی جھک جاتے تھے ..... کُش اور لہو (لَو) نے بہت دیر تک راج کیا۔ لیکن آخر وقت نے انہیں دُنیا سے اٹھا لیا۔ اُن کے بیٹے اور پوتے بھی اس دُنیا میں راج کرتے رہے۔ کہاں تک ان کا اتہاس کہوں گا، ان کے تو نام لکھنا بھی آسان نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ کُش کے پریوار میں پیدا ہونے والے 'کال کیت' اور لَو کے پریوار میں پیدا

ہونے والے کال ملٹ کے کتنے ہی بیٹے تھے۔ کال کیت کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ اپنی طاقت سے اس نے کال رائے کو شہر سے (غالباً پنجاب سے) نکال دیا۔ کال رائے اس شہر سے بھاگا تو 'سنوڈھ' دیش میں چلے گئے (جو کاشی کے قریب ہے) اس دیش کے راجہ کی بیٹی سے کال رائے کی شادی ہوئی۔ اس شادی سے اس کا جو بیٹا ہوا۔ اس کا نام اس نے سوڈھی رائے رکھ دیا۔ اس طرح سوڈھی پریوار شروع ہوا۔ یہ سب پرم پرش کی کرپا سے ہوا۔ سوڈھی رائے کے بیٹے ہوئے۔ پوتے ہوئے جو سب کے سب سوڈھی کہلائے۔ انہوں نے نام کمایا۔ دولت کمائی۔ جگہ جگہ اپنی آزاد حکومتیں قائم کیں۔ کئی راجاؤں کو انہوں نے جیت لیا۔ ہر جگہ انہوں نے دھرم چلایا۔ ہر جگہ اپنے سر پر چھتر دھارن کیا۔ کتنے ہی مقامات پر انہوں نے 'راج سو' اور 'اشو میدھ' یگیہ کئے ———— تب ان کے درمیان اختلافات جاگنے لگے۔ کئی سنتوں اور سادھوؤں نے جتن کیا کہ یہ آپس کا جھگڑا ختم ہو جائے لیکن وہ ایسا کر نہیں سکے۔ دونوں طرف بہادر سیناپتی تھے۔ دونوں طرف بےخوف سپاہی۔ ہتھیار لے کر وہ ایکدوسرے سے جوجھتے چلے گئے۔ زر اور زمین کے جھگڑے دنیا میں کبھی ختم نہیں ہوتے ان کے لئے لوگ ہنستے ہنستے جان دیدیتے ہیں۔ دنیا کی محبت، دنیا کا غرور۔ ان سے جھگڑے بڑھتے ہیں۔ کام اور کرودھ نے دنیا کو جیت لیا ہے ————

———— اس طرح وقت گذرتا گیا ———— تب ایک وقت آیا جب سوڈھی پنجاب میں واپس آئے۔ انہوں نے 'کش' کے نام لیوا لوگوں کو پنجاب سے بھگا دیا۔ مہاراج کش کے پریوار سے تعلق رکھنے والے یہ لوگ پنجاب سے بھاگ کر بنارس میں پہنچ گئے۔ جہاں انہوں نے وید پڑھنے شروع کر دیئے۔ وہ چونکہ وید کو پڑھتے تھے اور وید کے ودوان تھے اس لئے انہیں ویدی یا بیدی کہا گیا) ...... یہ بیدی بہت دھیان سے ہر قسم کے دھرم کرم کراتے تھے۔ پنجاب کے مہاراج نے ان کے پاس خط بھیجا۔ اور کہا۔ پرانی باتوں کو بھول جاؤ۔ پرانی دشمنی کو دل سے نکال دو ———— ہم اور تم ایک ہیں ———— پنجاب تمہارا دیش ہے۔ یہاں واپس آؤ ———— سوڈھی مہاراجہ کے پیامبر نے ویدی ودوانوں کو یہ خط سنایا۔ تو وید کو پڑھنے والے یہ سجن پنجاب کی طرف چل پڑے۔ پنجاب میں پہنچ کر انہوں نے سوڈھی مہاراجہ کو پرنام کیا۔ مہاراجہ نے کہا آپ لوگ ودوان ہیں۔ مجھے وید سنایئے ———— تب سب بھائی (سوڈھی اور بیدی) بیٹھ گئے۔ کچھ بیدیوں نے سام وید سنایا۔ دوسرے بیدیوں نے رگ اور یجر وید سنائے۔ تب کچھ اور

بیدیوں نے

اتھر بید پڑھیم
سُنے پاپ نشٹھیم

وہ اتھروید پڑھ کر سنایا جسے سن کر پاپ نشٹ ہو جاتے ہیں۔ سوڈھی مہاراج بہت خوش ہوئے انہوں نے بیدیوں کو ان کا سارا علاقہ واپس کر دیا۔ اپنا سب کچھ بھی دے دیا۔ اور خود رشیوں کا بھیس دھارن کر لیا اور جنگل میں تپ یوگ سادھن کیلئے چلے گئے کہ اپنے چہرے سے پاپ کے میل کو دھو دیں۔ زر زمین سبھی کو بھول کر وہ اپنے پربھو کی یاد میں محو ہو گئے۔

"بیدیوں کے سردار راج پاٹ ملنے پر بہت خوش ہوئے۔ دل سے انہوں نے سوڈھی مہاراج کو آشیرواد دیا کہ کلجگ میں جب میں نانک کا نام لے کر اس دنیا میں آؤں گا تو تمہیں اتنی عظمت دوں گا۔ اتنی محبت اور اتنی عقیدت کہ دنیا تمہارے نام کی پوجا کرے گی۔ ... تم نے تین وید ہم سے سنے۔ خاموش رہے۔ چوتھا وید سنتے ہی تم نے اپنا سارا راج پاٹ ہمیں دے دیا۔ میں بھی تین جنم تک (گورو نانک۔ گورو انگد۔ گورو امرداس) خود گورو رہوں گا چوتھے جنم میں (گورو رامداس بن کر) تمہیں گورو بنا دوں گا

ایک طرف سوڈھی راجہ خوش تھے کہ انہیں مالک کا نام لینے کا وقت مل گیا۔ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر اپنے پیتم کی یاد میں محو ہو گئے۔ دوسری طرف بیدی راجہ خوش تھے کہ انہیں راج پاٹ مل گیا ... اس کہانی کو کہاں تک کہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ میرا یہ گرنتھ بہت لمبا ہو جائے گا۔

تب ایک وقت آیا جب بیدی بھی آپس میں لڑنے لگے۔ کوئی ان کے آپسی جھگڑوں کو مٹا نہیں سکا، شائد کال کو یہی منظور تھا۔ بیدی خاندان کے پاس راج پاٹ رہا نہیں ——

بپر کرت بھئے شودر برتی
چھتری ویسن کرم
ویس کرت بھئے چھتری برتی
شودر سو دِج کو دھرم

برہمن شودروں جیسے کام کرنے لگے۔ کھشتری ویش لوگوں کی طرح بیوپار میں محو ہو گئے۔ ویش لوگ بیوپار کو چھوڑ کھشتریوں کی طرح راج چلانے

کا جتن کرنے لگے۔ اور شودروں نے برہمنوں کی طرح پڑھنے پڑھانے کو اپنا دھرم بنا لیا۔

"سب لوگوں نے اپنا دھرم چھوڑ دیا تو یہ نتیجہ ہوا کہ بیدیوں کے پاس صرف بیس گاؤں رہ گئے۔ جن میں وہ ہل چلاتے اور کاشت کرتے تھے — اس طرح بہت وقت گذر گیا، شری گورو نانک دیو جی مہاراج کے جنم کا وقت آ گیا۔ انہیں بیدیوں کے پریوار میں شری نانک راٹے پرگٹ ہوئے۔ سب سکھوں کو سکھ دے کر جہاں تہاں ان کی سہاتا کرنے لگے۔ انہوں نے اس کلجگ میں دھرم چلایا۔ سب سادھوؤں اور سنتوں کو سچا راستہ دکھایا۔ جو جو ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں ان کے پاپ پر بھو نشٹ کر دیتے ہیں۔ ان کو دکھ اور بھوک کبھی ستاتے نہیں۔ کال کے جال میں وہ کبھی پھنستے نہیں —"

یہ ہے شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے پریوار کی وہ کہانی جو انہوں نے "بچتر ناٹک" میں بیان کی۔ دنیا کے آغاز سے لے کر آج سے تین سو برس پہلے تک کی ساری کہانی انہوں نے سنا دی۔ ظاہر ہے کہ اس لمبے عرصہ کی کوئی مستند تاریخ ہمارے پاس ہے نہیں۔ "کال سین" "کال رائے" "کال دھوج" وغیرہ کا ذکر پورانوں میں آتا ہے۔ مختلف پرانوں میں مختلف طریقہ سے۔ لاہور اور قصور کے متعلق پنجاب والوں کا عام وشواس ہے کہ انہیں بھگوان رام کے فرزندان شری "لو" اور "کش" نے آباد کیا۔ اور شری کلغی دھر پادشاہ نے بتایا کہ بیدی اور سوڈھی بھگوان رام کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلئے "رگھو بنشی" اور "سوریہ بنشی" ہیں۔ لیکن جیسا میں نے عرض کیا اس بات کی تصدیق کرنے کا کوئی سادھن نہیں کہ یہ سب باتیں تاریخی طور پر درست ہیں یا نادرست ہیں۔ ہندوستانی شاستروں کے مطابق بھگوان رام کا جنم تریتا یگ کے چوتھے حصے میں ہوا تھا۔ تین چوتھائی تریتا یگ ختم ہو چکا تھا۔ چوتھا حصہ شروع ہو رہا تھا۔ تب ایودھیا میں رام جی کا جنم ہوا۔ انہیں شاستروں کے مطابق آج سے گیارہ لاکھ ۵۳ ہزار برس پہلے کی بات ہے۔ تب سے لیکر آج تک کلجگ کے ۵۰۰۰ برس دواپر یگ کے آٹھ لاکھ ۳۲ ہزار برس اور تریتا یگ کے آخری حصہ کے تین لاکھ سولہ ہزار برس بیت چکے ہیں۔ کل ملا کر گیارہ لاکھ ۵۳ ہزار برس — اس لمبے عرصہ کی تو ایک طرف، آج سے دس یا پندرہ ہزار برس پہلے کی بھی کوئی مستند تاریخ ہمارے پاس ہے نہیں۔ ایسی حالت میں اگر شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے بیان کئے گئے حقائق کو درست مان لیا جائے تو اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں۔ ان کی عظیم روحانیت نے اور ان کے بے انت یوگ سادھن نے یقینی طور پر انہیں یہ شکتی دی کہ وہ بہت دور تک دیکھ سکیں اور سچائی کو دیکھ سکیں۔

۲

تیگ بہادر کے چلت بھیؤ جگت کو سوک
ہے ہے ہے سب جگ بھیؤ جے جے جے سُر لوک

شری گورو تیغ بہادر جی مہاراج شہید ہُوئے تو اس دنیا میں غم کے بادل اُمڈ اُٹھے۔ ہر طرف ہائے ہائے ہونے لگی۔ لیکن تبھی سورگ لوک میں دیوتاؤں نے واپس آئے ہُوئے تیغ بہادر جی کو دیکھا اور جے جے کے نعروں سے اطراف کو گونجا دیا ——————

اس طرح دسویں پاتشاہ نے اپنے پُوجیہ پتا کی شہادت کو بیان کرنے کے بعد لکھا۔ "اِتی شری بچِتر ناٹک۔ گرنتھے۔ پاتشاہی درنَنم۔ نام۔ پنچمو۔ دھیائے۔ سماپتم استو۔ شُبھم استو" —— (یہ شری بچتر ناٹک گرنتھ میں پاتشاہی ورنن نام کا پانچواں ادھیائے ختم ہُوا۔ شُبھ ہُوا) —— لیکن اس دُنیا میں ختم تو کچھ ہوتا نہیں۔ ہر انجام کسی نئے آغاز کی ابتدا ہے۔ ہر خاتمہ کسی نئے دَور کی شروعات ——

شری گورو تیغ بہادر جی نے کہا تھا:۔

نام رہیو۔ سادھُو رہیو —— رہیو گُورو گوبند

اور سچ ہی اُن کے بعد یہی حالت تھی۔ نام موجود تھا اُس کا کبھی انت نہیں ہوتا ہے وہ بے انت ہے۔ سکھوں کی سادھ سنگت موجود تھی اب بھی پہلے نانک سے لیکر نویں نانک تک کی جگمگاتی روشنی اُس کے سامنے تھی۔ اور بالک گوبند رائے موجود تھے۔ جنہیں گورو بننا تھا۔ لیکن سمسیا کا انت تو ابھی ہُوا نہ تھا۔ زیادہ شدید زیادہ خوفناک روپ میں وہ لوگوں کے سامنے تھی۔ جس اورنگ زیب نے اپنے آپ کو شہنشاہِ ہندوستان کہا۔ فاتحِ عالم۔ عالمگیر اور عالم پناہ کہا —— اس سے زیادہ خوفزدہ اور بد نصیب آدمی بھی کوئی ہو سکتا ہے، یہ مجھے معلوم نہیں۔ اسے علم تھا کہ جس طریقہ سے اس نے تخت و تاج کو حاصل کیا وہ سراسر ظلم اور ناانصافی کا طریقہ تھا۔ اسلئے ہر وقت اسے خوف تھا کہ کوئی اس کے تخت و تاج کو چھین نہ لے۔ اس نے حق و انصاف،

شرافت وانسانیت کو پاؤں تلے روند کر جو اقتدار حاصل کیا تھا ان کے متعلق ہر وقت اُسے خطرہ تھا کہ کوئی دوسرا ان کا مالک نہ بن جائے۔ اس خوف کی وجہ سے ایک طرف وہ ظلم کے سبب جگا رہا تھا تاکہ جس طرح خود خوفزدہ ہے اُسی طرح دوسروں کو دہشت زدہ کر دے۔ بزدل اور خوفزدہ آدمی کو تبھی سکون ملتا ہے تو اس وقت جب اُسے معلوم ہو کہ دوسرے بھی بزدل ہیں، دوسرے بھی خوفزدہ۔ اسلئے ایک طرف وہ قتل و غارتگری کے طوفان اُبھارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسری طرف مذہبی تعصب کے زہر کو زیادہ سے زیادہ لوگوں میں پھیلا کر نہیں بیہوش کر کے وہ جتن کر رہا تھا کہ لوگ اُسے بہت بڑا پارسا اور مذہب پرست سمجھنا شروع کر دیں۔ اس کے گناہوں کو بھول جائیں۔ اس کی پدرکشی، برادرکشی، عزیزکشی کو فراموش کر دیں۔ اس دوطرفہ مکروہ طرز عمل کو اپنا کر وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے اپنے دل میں چین نہیں تھا اسلئے وہ دوسروں کا چین تباہ کر دینا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی محبت کو تباہ کر دیا اسلئے دوسروں کی محبت کو آگ لگانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے دل کو حرص و ہوا کا غلام بنا لیا اسلئے دوسروں کا آزادی سے سر اٹھانا اُسے اچھا نہیں لگتا تھا۔ ہر طرف اُس کو ایسے لگتا تھا جیسے اُس کی موت منہ کھولے اُس کی طرف بڑھ رہی تھی ــ اِدھر مرہٹے ــ اُدھر دکن کے بادشاہ ــــ اس طرف پنجاب میں واہگورو کا نام لیتے ہُوئے، لیکن ظلم و ناانصافی کے سامنے جھکنے سے انکار کرتے ہُوئے سکھ ــ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ تین طرف سے آگ کے گرجتے ہُوئے تین دریا اُسے نگلنے کو دوڑتے آتے ہوں۔ کسی بھی خطرے کو ختم کرنے میں اُسے کامیابی نہیں ملتی ــ پنجاب کے متعلق اُس نے سمجھا۔ کہ "ہندوؤں کے پیر تیغ بہادر" کو ختم کرنے کے بعد سکون ہو جائے گا۔ لیکن پنجاب سے عموماً اور آنندپور سے خصوصاً جو خبریں اس کے پاس آ رہی تھیں۔ وہ اس کی نیند حرام کئے دیتی تھیں۔ اُس نے سمجھا کہ تیغ بہادر کے بعد ان کا بیٹا گوروگدی پر بیٹھ سکتا ہے۔ یہ سوچ کے اس نے چین سا محسوس کیا کہ آٹھ برس کا یہ بچہ گوروگدی پر بیٹھ بھی جائے تو کر کیا سکتا ہے؟ لیکن اس کا یہ سارا سمجھنا اور سوچنا بیکار ہُوا جاتا تھا۔ بالک گوبند رائے کے متعلق جو خبریں آ رہی تھیں اُن سے معلوم ہوتا تھا کہ پنجاب کی آگ بہت تیزی سے بھڑکنے والی ہے۔

بالک گوبند رائے فروری ۱۶۷۲ء میں پٹنہ سے چلے۔ پانچ مہینے کے بعد لکھنور میں پہنچے۔ سات مہینے وہاں رہ کر فروری ۱۶۷۳ء میں آنندپور کی اس نگری میں پہنچ گئے جہاں ہر صبح ہر شام پربھو نام کیرتن کا امرت برستا تھا۔ پٹنہ میں انہوں نے تھوڑی بہت تعلیم حاصل کی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اودھی اور برج بھاشا بولنے لگے تھے۔ پنجابی بولتے تو اس طرح جیسے کوئی غیر پنجابی بولتا ہو۔ ان کا نئے طریقے سے یہ پنجابی بولنا آنندپور کے لوگوں کو اتنا میٹھا لگتا کہ وہ بار بار ان کی باتیں سُننا چاہتے۔ پٹنہ میں ہی اور

اُس کے بعد لکھنور میں وہ اپنے چھوٹے سے کمان پر چھوٹے چھوٹے تیر چلانا، نشانہ باندھنا، نشانے پر تیر لگانا سیکھتے رہے۔ اپنے چھوٹے سے ہاتھ میں چھوٹی سی کرپان لے کر، چھوٹے چھوٹے پاؤں سے پینترے بدل کر حملہ اور حفاظت کرنے کا ڈھنگ سیکھتے رہے۔ لیکن یہ سب تو بچے کا کھیل تھا۔ وہ آنند پور پہنچے تو گورو تیغ بہادر جی نے ان کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام کیا۔ ایک وِدوان سکھ سجن انہیں مقدس گرنتھ صاحب کی پوتر بانی سکھاتے۔ ایک وِدوان برہمن انہیں سنسکرت پڑھاتے۔ ایک مولوی صاحب فارسی پڑھاتے۔ ایک اور سجن انہیں اتہاس اور راج نیتی کی سکھشا دیتے۔ تب ایک اور صاحب انہیں گھوڑ سواری کی تعلیم دیتے گھوڑے پر چڑھ کر حملہ کرنے اور بچاؤ کرنے کے ڈھنگ سکھاتے۔ گھوڑوں کی خوبیوں اور خامیوں کا گیان بھی دیتے۔ اور آخر میں کچھ راجپوت انہیں تیر چلانا، تلوار چلانا، نیزے، خنجر اور بھالے سے جنگ کرنا اور بندوق چلانا سکھاتے تھے — ان سب باتوں کے بعد جو وقت ملتا اس میں چھ برس کے گوبند رائے دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتے بھی تھے۔ لیکن کس طرح کھیلتے وہ؟ — بچوں کی دو ٹولیاں بنا دیتے۔ دونوں کو کسی سڑک ٹیلے یا کھیت کے دونوں طرف کھڑا کر دیتے۔ دونوں کو کہتے "آگے بڑھو۔ اس سڑک (ٹیلے یا کھیت) پر قبضہ کرلو۔ دوسری ٹولی کو قبضہ نہ کرنے دو۔" اس طرح وہ جنگ و جدل کی عملی تربیت حاصل کرتے۔

گورو تیغ بہادر جی دہلی میں شہید ہوئے تو بالک گوبند رائے پورے ۹ برس کے بھی نہیں تھے۔ اب تک وہ اپنے پوجیہ پتا کی دیکھ ریکھ میں اس سپاہیانہ تعلیم کو حاصل کر رہے تھے جس کی اس وقت اس ملک کے مظلوم عوام کو ضرورت تھی۔ نویں پاتشاہ کی شہادت کے بعد وہ اپنی اِچھا سے، اپنے حکم سے اس راستہ پر آگے بڑھتے گئے۔ کیونکہ اب حکم دینے والے وہ خود تھے۔ انہیں حکم دینے والا دوسرا کوئی تھا نہیں۔

چنانچہ اس حکم کی وجہ سے شری گورو گوبند جی مہاراج نے پہلی بار تلوار دھارن کی۔ ایک کی بجائے دو تلواریں وہ باندھتے تھے۔ ایک میری کی۔ دوسری پیری کی۔ اپنے پتا کے اس حکم کی وجہ سے انہوں نے سکھوں کو حکم دیا کہ وہ گھوڑے پر چڑھنا، ہتھیار چلانا اور ہتھیار بنانا سیکھیں۔ شری گورو ہر رائے جی گدی پر بیٹھے تو ۲۲۰۰ مسلح آدمیوں کی فوج ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے — شری گورو ہرگوبند جی نے جو فوج بھرتی کی اس میں ایک پٹھان پینڈے خان بھی تھا۔ جسے گورو ہرگوبند جی نے بچپن سے پالا تھا۔ تب ایک وقت آیا جب یہ پینڈے خان غداری کر کے مغل فوج سے جا ملا۔ شاہی فوج کی کمان سنبھال کر اس نے گورو مہاراج پر حملہ کیا۔ اس حملے کے وقت شری گورو تیغ بہادر جی بھی (جو اس وقت گورو نہیں تھے) ہاتھ میں تلوار لے کر لڑتے رہے۔ اسی حملے کے دوران خود شری گورو ہرگوبند جی نے اپنی تلوار سے پینڈے خان کو ہمیشہ کیلئے موت کی نیند سُلا دیا۔ شری گورو تیغ بہادر جی گدی پر بیٹھے تو ان کے پاس بھی ہتھیار بند سپاہی

بہتے تھے۔ اسی لئے وہ بالک گوبند رائے کو ہر قسم کی فوجی تربیت دلوانے کی کوشش کرتے رہے۔

ان سب باتوں کے بعد یہ غلط فہمی ختم ہونی چاہیئے کہ سکھوں کو "سنت" کے ساتھ ساتھ "سپاہی" بننے کی پریرنا صرف گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے دی۔ شری گورو گوبند سنگھ جی نے اس معاملہ میں کیا تو یہ کہ ایک ادھورے گیت کو پورا کر دیا۔ ایک نامکمل تصویر کو مکمل کر دیا۔ اپنے لامثال تدبر اور لامثال دور اندیشی سے ایک ایسی شکتی انہوں نے پیدا کر دی جو موت سے ڈرتی نہیں۔ ظلم و ناانصافی کے سامنے جھکتی نہیں۔ صدیوں سے لوگ ہر صبح ہر شام بہت احترام کے ساتھ پڑھتے تھے :۔

"یہ بزدلوں، اناڑیوں لوگوں جیسی بات کیوں کہتا ہے ارجن!۔ اُٹھ۔ آگے بڑھ۔ آہنی عزم کو دل میں جگا کے جنگ کر۔ اگر تو شہید ہوا تو سورگ ملے گا۔ جیت گیا تو اس پرتھوی کا راج ہوگا ۔ یہ جسم تو ہر وقت مرتا ہے۔ ہر وقت نیا پیدا ہوتا ہے۔ اس کی چنتا کرنا بے سود ہے۔ اور اس آتما کی چنتا کرنا بھی بے سود ہے جو اس جسم کے اندر رہتی ہے۔ اس آتما کو آگ جلا نہیں سکتی ہتھیار کاٹ نہیں سکتے۔ پانی ڈبا نہیں سکتا۔ ہوا سکھا نہیں سکتی ——— نہیں ارجن! تجھے اصلیت معلوم نہیں۔ تیرے اور میرے کروڑوں جنم ہو چکے ہیں۔ کروڑوں جنم ہوں گے۔ زندگی اور موت دونوں کھیل ہیں۔ پرانے کپڑے اتار کر انسان جس طرح نئے کپڑے پہن لیتا ہے اُسی طرح پرانے جسم کو چھوڑنے کے بعد یہ آتما نئے جسم کو دھارن کر لیتی ہے ———"

جو لوگ زندگی دینے والے، حوصلہ دینے والے اور امرت بھرے اس پیغام کو ہر روز پڑھنے کے باوجود اسے بھولے بیٹھے تھے۔ انہیں کے اندر گورو مہاراج نے ایسی سپرٹ بھر دی کہ ظلم و ناانصافی کا سر جھکنے لگا۔ اندھیرے کی طاقتوں میں انتشار جاگ اُٹھا۔ روشنی اور حق کی طاقتیں اس یقین کے ساتھ آگے بڑھنے لگیں کہ:۔

"راج کرے گا خالصہ عاقی رہے نہ کوئے"

یہ ہے شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کی وہ عظیم دین جسے یہ دیش کبھی بھول نہیں سکتا۔ اس دین کو اگر ایک عمارت تصور کیا جائے تو اس کی بنیاد رکھی شری گورو نانک دیو جی مہاراج نے۔ اسے مکمل کیا اور مضبوط بنایا شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے۔

لیکن اس بات کو کہنا جتنا آسان ہے، کرنا تو اتنا آسان نہیں۔ گورو مہاراج کوئی خفیہ انقلابی پارٹی نہیں بنا رہے تھے۔ ایک پورے ملک کو جگا کر انقلاب کی راہ پر چلانے کا جتن کر رہے تھے۔ مغل سامراج اس وقت بھی کابل سے ڈھاکہ تک پھیلا تھا۔ اس زمانہ میں دنیا کا سب سے بڑا، سب سے امیر سامراج وہ تھا۔ سینکڑوں راجہ، مہاراجہ، نواب اور سلطان اس کے غلام تھے۔ مغل شہنشاہ جب بھی چاہیں لاکھوں سپاہیوں کو جمع

کر سکتے تھے ۔ انہیں ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح کر سکتے تھے ۔ ایک طرف یہ وشال سامراج تھا ۔ دُوسری طرف ایک چھوٹا سا بالک ' ایسی عمر میں جس میں بچّوں کو عام طور پر کھیلنے سے فرصت نہیں ملتی ۔ عام طور پر انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے چاروں طرف کیا ہو رہا ہے ۔ بالک گوبند رائے ۹ برس کے تھے جب ان کے پوجیہ پتا جی شہید ہُوئے ۔ دس برس کے تھے جب باقاعدہ طور پر گدّی نشین ہُوئے ۔ لیکن دس یا نو برس میں نہیں' اس سے پہلے بھی ملک کا مسئلہ ان کے سامنے تھا ۔ ان کے چھوٹے سے جسم میں بیٹھی مہان آتما سوچ رہی تھی کہ اس مسئلے کو حل کیسے کرنا ہوگا ۔ سکھوں کی عنانِ قیادت کو سنبھالتے ہُوئے انہوں نے اپنے خواب کو اصلیت بنانے کا جتن شروع کر دیا ۔

رات کے آخری پہر میں وہ اُٹھتے ۔ نہا ، دھو کر پربھو کیرتن میں محو ہو جاتے ۔ "آسا کی وار" شروع ہوتی تو گورو مہاراج اس طرح کھِل اُٹھتے جیسے سُورج کی کرنوں کو چھُو کر کنول کا پھُول جاگ اُٹھا ہو ۔ تب تک صبح ہو جاتی ۔ گورو مہاراج اپنے سِکھوں کو اُس سچے دھرم کا اُپدیش دیتے ۔ جو ایک ایشور کے سوائے دیوی ، دیوتاؤں ' مُورتیوں ' تصویروں ، اوتاروں کو نہیں مانتا ۔ اس اپدیش کے بعد فوجی قواعد شروع ہو جاتی ۔ گورو مہاراج خود سکھ فوج کی کمان کرتے ۔ ہتھیار چلانے کے مقابلے ہوتے ، دنگل ہوتے ۔ دوڑنے ، درختوں پر چڑھنے ، چھلانگیں لگانے اور بکری پھینکنے کا ابھیاس ہوتا ۔ تب دوپہر کے بعد گورو مہاراج باہر سے آئے سِکھوں کو درشن دیتے ۔ ان سے تحفے لیتے ۔ انہیں آشیرواد دیتے ۔ ملک کے مختلف حصّوں سے آئے لوگوں سے اُن حصّوں کی خبریں سُنتے ۔ حالات جانتے ۔ تب پھر فوجی کھیل شروع ہو جاتے ۔ گھوڑسواری ، تیر اندازی ' شمشیر زنی کے مقابلے ہوتے ۔ مصنوعی جنگ لڑی جاتی ۔ چھوٹی چھوٹی ' اور بڑی بڑی ٹولیاں بنا کر خود گورو مہاراج اور ان کے ساتھی نواحی جنگلوں میں شکار کے لئے چل پڑتے ۔ تب دربار ہوتا جس میں کوی لوگ اور کئی بار خود گورو مہاراج ویر رس کی وہ رزمیہ کویتائیں سُناتے جن کا واحد مقصد یہ تھا کہ ہر آدمی کے اندر سوئے ہُوئے سپاہی کو جگا دیا جائے ۔ اُس کے دل میں بہادری جگا دی جائے ۔ اور یہ وشواس جگا دیا جائے کہ ظلم و ناانصافی کے سامنے سر جھکا کر ذلت کی زندگی بتانے کی بجائے زیادہ اچھا یہ ہے کہ آدمی لڑتا لڑتا مر جائے ——— اور تب سب سے آخر میں "رہراس" ہوتی ———

یہ تھا ان کا روزمرہ کا معمول ۔ قدرتی طور پر جب سِکھوں نے دیکھا کہ گورو مہاراج کو ہتھیاروں کا ، گھوڑوں کا اور فوجی ساز و سامان کا شوق ہے تو وہ ان کے لئے ایسی ہی چیزیں بھینٹ کرنے کے لئے

لانے لگے ۔ گورو مہاراج ان چیزوں کو دیکھتے تو خوش ہوتے ۔ دھیرے دھیرے ان کا اسلحہ خانہ بڑا ہوتا گیا ۔ اس میں کتنی ہی قسم کے ہتھیار جمع ہونے لگے ۔ ان کے اصطبل میں کتنے ہی گھوڑے آپہنچے ۔

ان دنوں گورو مہاراج کے ساتھی تھے ۔ اُن کی بوآ ویرو کے پانچ بیٹے ۔ مانگو شاہ، جیت مل، گوپال چند، گنگارام اور ماہری چند ۔ اُن کے چاچا سورج مل کے دو پوتے گلاب رائے اور شام داس ۔ اُن کے ماما کرپال ۔ اُن کے بچپن کے ساتھی بھائی دیارام اور ایک فرض شناس مسند بھائی نند چند ۔

"مسند" وہ لوگ تھے جنہیں گورو تیغ بہادر جی سے پہلے کے گوروؤں نے مختلف علاقوں میں اسلئے مامور کیا کہ وہ سکھ بھگتوں سے اناج اور نقدی وغیرہ کی بھینٹ لے کر گورو جی کے پاس بھیج دیا کریں ۔ اس کیلئے سارے ملک کو کچھ حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ۔ ہر حصّے کو منجی (چارپائی) کہا جاتا تھا ۔ کیونکہ اس علاقہ سے بھینٹ کو وصول کرنے والے یہ صاحب "منجی" (چارپائی) پر بیٹھ کر ان تحفوں کو وصول کرتے تھے ۔ فارسی میں چارپائی کو "مسند" (بیٹھنے کی جگہ) کہتے ہیں ۔ ان لوگوں نے شاید آپ رعب دکھانے کیلئے پنجابی کی جگہ فارسی بھاشا کا لفظ استعمال کر کے "منجی" کو "مسند" کہنا شروع کیا ۔ لیکن دھیرے دھیرے لوگ اِن اصحاب کو ہی "مسند" کہنے لگے ۔ کچھ دیر کے بعد ان میں سے کئی "مسند" سکھوں کیلئے مصیبت بن گئے ۔ خود گوروؤں کے لئے بھی سمسیا بن گئے ۔ انہیں مقرر کیا گیا تھا اسلئے کہ جو لوگ خود گورو مہاراج کے پاس نہ جا سکیں، ان سے دان اور بھینٹ لے کر گورو مہاراج کو پہنچا دیں ۔ اسکی بجائے یہ لوگوں سے زبردستی مالیئے کی طرح دان وصول کرتے ۔ اس کا بیشتر حصہ اپنے پاس رکھ لیتے ۔ اس بات کا دعوےٰ بھی کرتے کہ گورو مہاراج کو ان "مسندوں" کی مرضی کے مطابق چلنا چاہیئے ۔ ایسے ہی لوگوں نے شری گورو تیغ بہادر جی کو دربار صاحب شری امرتسر میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے انکار کیا تھا ۔۔ لیکن سبھی "مسند" تو بُرے نہیں تھے ۔ کچھ اچھے بھی تھے ۔ ان میں ایک بھائی نند چند تھے

اِن قریبی مصاحبوں کے علاوہ شری گورو مہاراج کے کتنے ہی رشتہ دار، کتنے ہی شاعر، بھاٹ موسیقار اور دوسرے لوگ آنندپور میں موجود تھے ۔ آئے دن شہر کی آبادی بڑھتی جاتی تھی روز بروز نئے لوگ وہاں آکر آباد ہو رہے تھے ۔ جس کی کوئی شرن نہیں اس کی شرن آنندپور تھا ۔ جس کا کوئی سہارا نہیں اس کا سہارا آنندپور تھا ۔ جس کی کوئی اُمید نہیں اس کی اُمید آنندپور تھا ۔۔ ہر طرف سے لوگ وہاں آتے تھے ۔ کتنے ہی لوگ کتنے ہی بیش قیمت تحفے بھی لاتے تھے ۔ عام طور سے بیساکھ کے مہینے میں آنندپور

ایسے معلوم ہوتا جیسے انسانوں کا لہراتا ہُوا سمندر وہاں جاگ اُٹھا ہے ۔ بیساکھی کے روز ایک عظیم دربار ہوتا۔ فوجی کھیل ہوتے ۔ دنگل ہوتے ۔ کوی دربار ہوتا ۔ اور گوربانی کا اس طرح کیرتن ہوتا کہ لوگ جھوم اُٹھتے ۔ اسی روز بھرے دربار میں گورو مہاراج شاعروں، موسیقاروں، مصوروں، کلاکاروں اور سپاہیوں کو انعامات عطا کرتے ۔ اسی روز دُور دُور سے آئے ہوئے لوگ گورو مہاراج کے حضور میں وہ بیش قیمت تحفے پیش کرتے جنہیں وہ بہت محنت سے تلاش کر کے لاتے تھے ۔

۱۶۸۵ء کے بیساکھ میں کابل، قندھار، بلخ، بخارا اور غزنی سے جو بھگت لوگ آئے وہ اپنے ساتھ اُون کا بنا ہُوا ایک بہت بڑا خیمہ لائے ۔ جسے دیکھ کے حیرت ہوتی تھی ۔ اس سے بڑا خیمہ پہلے کسی نے کبھی دیکھا نہیں ۔ سُوتی کپڑے کی بجائے بہت نفیس قسم کی اُون سے وہ بنایا گیا تھا ۔ سونے اور چاندی کے تاروں سے اس پر خوبصورت بیل بوٹے، پھُول، انسان، حیوان اور پرندے بنائے گئے تھے ۔ یہ خیمہ کابل کے ایک سکھ دُنی چند نے بھیجا تھا ۔ اس زمانے میں ایسا خیمہ شاید اورنگ زیب کے پاس بھی نہیں تھا ۔

بیساکھی کے علاوہ دیوالی کے روز بھی ایک بہت بڑا دربار لگتا ۔ وہ سب باتیں ہوتیں جو بیساکھی کے روز ہوتی تھیں ۔ ایسے ہی ایک دیوالی کے روز آسام کے نوجوان راجہ رتن رائے اپنی ماتا کے ساتھ آنند پور صاحب میں گورو مہاراج کا درشن کرنے کو پہنچے ۔ راجہ رتن رائے کے پتا راجہ رام رائے شری گورو تیغ بہادر جی کے بھگت تھے ۔ ان کے ہاں بیٹا نہیں تھا ۔ اس بات سے دُکھی تھے وہ ۔ گورو تیغ بہادر جی نے ہنستے ہوئے کہا "دُکھی کیوں ہوتے ہو رام رائے! تمہیں بیٹا چاہیئے نا ۔ ہو جائے گا بیٹا ۔ رتن سا بیٹا ہو گا تمہارا ۔ یہ فقیر کا آشیرواد ہے" ۔ رام رائے نے گورو مہاراج کے چرنوں پر سیس رکھ دیا ۔ اپنے آنسوؤں سے ان کے پاؤں دھو دیئے ـــــ اور جب واقعی اس کے ہاں بیٹا ہُوا تو اس نے گورو مہاراج کی بات کو یاد کرتے ہوئے اس کا نام "رتن رائے" رکھ دیا ۔ لیکن بیٹا ہُوئے کچھ ہی دیر ہوتی تھی ۔ کہ رام رائے کو "کال بُلاوا" آگیا ۔ آخری وقت میں اس نے اپنی رانی کو بلایا ۔ دھیمے سے کہا "میں جاتا ہُوں رانی! ۔ تم میرے رتن رائے کی رکھشا کرنا ۔ وہ بڑا ہو تو گوربانی کا اُپدیش دینا ۔ اُسے گورو جی کا سکھ بنانا ۔ یہ بھی بتانا کہ اس کا جنم شری گورو تیغ بہادر جی کی کرپا سے ہُوا ہے ۔ اور کہ اس کے گورو پنجاب کے اندر آنند پور صاحب میں رہتے ہیں" ـــــ اور تب اس نے پران چھوڑ دیئے ۔ رتن رائے بڑا ہُوا ۔ کسی کے کہنے کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے آپ ہی اسے گوربانی سے پیار تھا ۔ جب وہ اور بڑا ہُوا ۔ اور جب اُسے پتہ لگا کہ اس کا جنم شری گورو تیغ بہادر جی کی کرپا سے ہُوا تھا تو وہ اس مہاپرش کو دیکھنے کیلئے دیوانہ ہو اُٹھا جو صحیح معنوں میں اس کا رُوحانی باپ تھا ۔ ہر کسی کو وہ کہتا پھرتا ۔ "میرے گورو جی پنجاب میں رہتے ہیں

میں انہیں ملنے جاؤں گا۔ وہ مجھے پہچان لیں گے۔ میں ان کے آشیرواد سے ہوا تھا۔ وہ ہی میرے پتا ہیں۔"
۔لیکن جب اسے پتہ لگا کہ اس کے گورو پتا کا سیس دہلی کے اندر تن سے جدا کر دیا گیا۔ اور اب وہ اس دُنیا میں نہیں تو چھوٹا سا رتن رائے پھوٹ پھوٹ کے رو رہا تھا۔ بہت مشکل سے اس کی ماں نے سمجھایا۔" رو نہیں میرے لال!۔ ہمارے گورو جی کا جسم اب نہیں۔ لیکن ان کی جیوتی اب بھی ان کے سپوت گورو گوبند سنگھ کے اندر جگمگاتی ہے۔ اُن کے پاس چلیں گے ہم۔ اُن کے چرنوں میں تجھے وہی شانتی ملے گی، جو تیرے پتا جی کو گورو تیغ بہادر جی کے چرنوں میں ملتی تھی۔"

رتن رائے اُس وقت بارہ برس کا تھا۔

اُسے جب معلوم ہوا کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کو ہاتھیوں، گھوڑوں اور ہتھیاروں کا شوق ہے تو اس نے اپنے آدمیوں کو جنگل میں بھیجا کہ ایسا ہاتھی لے کر آؤ، جس کا ثانی کہیں ملے نہیں۔ اور اس کا نصیب کہ ایسا ہاتھی واقعی مل گیا۔ ہاتھی کالے رنگ کا تھا۔ لیکن اس کے جسم پر سونڈ کے سرے سے لیکر دُم کے آخری حصّے تک ایک بیحد سفید اور خوبصورت۔ قریباً چار اُنگل چوڑی ایک دھاری بنی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے کبھی کسی نے ایسا ہاتھی دیکھا نہیں۔ اس کے بعد بھی نہیں دیکھا۔ رتن رائے نے اس ہاتھی کو طرح طرح کے کھیل سکھائے۔ اسی طرح اس نے حکم دے کر ایک ہتھیار بنوایا جو ذرا سا بٹن دبانے سے کبھی پستول، کبھی تلوار، کبھی نیزہ، کبھی خنجر، کبھی گُرز بن جاتا تھا۔ ایک ہی ہتھیار میں پانچ ہتھیار جمع کر دیئے گئے تھے۔ اسی طرح پانچ گھوڑے بھی اس نے چُنے۔ جن سے بہتر گھوڑے اس کے پاس تھے نہیں۔ ان کے لئے سونے چاندی اور ریشم سے بنے زین تیار کئے گئے۔ کئی دوسری چیزیں بھی جمع کی گئیں۔

ظاہر ہے کہ یہ سب کی سب چیزیں بہت قیمتی تھیں۔

انہیں دیکھ کر بیٹے کے دل میں غرور نہ جاگ اُٹھے۔ اس لئے رتن رائے کی ماں نے بیٹے کو پاس بلا کر کہا۔" گورو مہاراج کیلئے جو چیزیں تو نے تیار کرائیں وہ بہت اچھی ہیں۔ بہت سُندر ہیں قیمتی بھی ہیں۔ لیکن اس بات کو مت بھولنا بیٹا!۔ کہ ہمارے پاس یہ جو کچھ بھی ہے وہ گورو جی کا دیا ہوا ہے۔ اُنہیں کے باغ سے کچھ پھول لے کر اگر ہم انہیں ہی دیدیں۔ تو اس میں ہماری کوئی بڑائی نہیں۔"

رتن رائے نے اپنی ماں کا مطلب سمجھا۔" میرے من میں کوئی ابھیمان نہیں ماں۔ تم چنتا نہیں کرو۔"
اور آنند پور میں پہنچ کر جب اس نے یہ چیزیں گورو گوبند سنگھ جی کو بھینٹ کیں تو واقعی وہ خوش ہوئے۔ رتن رائے کے ہاتھی نے گورو مہاراج پر چنور جھُلایا۔ اپنی سونڈ میں پانی کا برتن پکڑ کر اُن کے چرن

دُھلوائے ۔ ایک کپڑے کو سونڈ سے پکڑ کر گورو مہاراج کے پاؤں پونچھے ۔ تب ان کے جُوتے اٹھا کر ان کے سامنے رکھ دیئے ۔ گورو مہاراج نے جو تیر چلائے انہیں تلاش کر کے لے آیا ۔ ایسے کتنے ہی کھیل وہ ہاتھی کرتا تھا ۔ رتن رائے کے لائے ہوئے گھوڑوں کو دیکھ کر بھی گورو مہاراج بہت خوش ہوئے ۔ اور اُس ایک میں پانچ ہتھیار کو دیکھ کر بھی ۔ گورو مہاراج نے ان چیزوں کی تعریف کی تو رتن رائے نے سر جھکا کر کہا ۔ میری ایک پرارتھنا ہے ۔ ان چیزوں کو اپنے پاس رکھیئے ۔ کسی دُوسرے کو نہ دیجئے ۔" گورو مہاراج نے اس کا مطلب سمجھا ۔ مسکراتے ہوئے بولے ۔ ایسا ہی ہوگا رتن رائے ! ۔ تمہارے پیار کا اپمان نہیں ہوگا ۔ رتن رائے پانچ مہینے آنند پور میں رہا ۔ پانچ مہینے کے بعد جب وہ آسام کی طرف واپس جا رہا تھا تو گورو مہاراج کی وہ پیار بھری صورت اس کی آنکھوں میں تھی ۔ جس سے زیادہ موہنی، زیادہ دلکش صورت اُس نے کبھی دیکھی نہیں ۔

لیکن آنند پور میں صرف اس قسم کے تحفے دینے والے تو نہیں آتے ۔ ایسے لوگ بھی آتے تھے جو اپنا "سربس" گورو جی کے سامنے رکھ دینا چاہتے تھے ۔ اپنے لختِ جگر، نورِ چشم اُن کے چرنوں میں بھینٹ کر دینا چاہتے تھے ۔ ایسے ایک سجن تھے شری بھکھیا ۔ لاہور میں اُن کا گھر تھا ۔ گورو درشن کے لئے وہ پہلی بار آنند پور آئے تو گورو مہاراج کو دیکھ کر موہت ہو گئے ۔ گوبند رائے اس وقت صرف گیارہ برس کے تھے لیکن ان کے انگ انگ سے نُور برستا تھا ۔ چہرے پر جلال، ہونٹوں پر دوسروں کیلئے امرت برساتی ہوئی مسکراہٹ ۔ بھکھیا کو ایسے لگا کہ ان کی بیٹی "جیتو" کے لئے دُنیا میں اگر کوئی موزوں ترین، حسین ترین "ور" ہے تو یہ ہے ۔ گورو مہاراج کی ماتا کے پاس جا کر انہوں نے اپنی اِچھا ظاہر کی ۔ ماتا جی نے ہنستے ہوئے کہا ۔ "گھر آئی لکشمی کو نہ کون کہتا ہے ۔ مَیں ابھی کرپال سے کہتی ہُوں ۔ وہ گورو جی سے بات کر کے انہیں راضی کر لے گا ۔" کرپال ماتا گوجری کے چھوٹے بھائی اور شری گوبند رائے کے ماما تھے ۔ گورو جی کو اُن سے، اُن کو گورو جی سے پیار بھی بہت تھا ۔ انہوں نے گورو جی کے سامنے یہ تجویز رکھی اور کہا کہ آپ کی ماتا جی بھی ایسا چاہتی ہیں ۔" تو وہ مسکراتے ہوئے بولے ۔ "آپ سب لوگ مجھے باندھنا چاہتے ہیں تو باندھو ۔ میں اعتراض کیوں کروں گا ؟" ۔ اور سگائی ہو گئی ۔ ہر طرف خوشی کے شادیانے بج اُٹھے ۔ گورو گوبند رائے ہر کسی کے اپنے تھے ۔ ہر کسی کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ سب سے زیادہ میرے ہیں ۔ ہر کسی کا دل ناچ اٹھا کہ گورو مہاراج نے شادی کرنا قبول کر لیا ہے ۔ ۲۳ ہاڑ سمت ۱۷۳۴ بکرمی کے روز یہ شادی ہوئی ۔ عام رواج کے مطابق یہ شادی لاہور میں ہونی چاہیئے تھی ۔ کیونکہ دیوی جیتو کے مائیکے لاہور میں تھے ۔ لیکن یہ شادی جیتو جی کے لاہور میں نہیں شری گورو گوبند سنگھ جی کے "لاہور" میں ہوئی ۔ سب لوگوں نے کہا ۔ شادی لاہور میں ہوگی

گورو مہاراج کو لاہور جانا ہوگا۔ لیکن گورو مہاراج بولے "نہیں۔ اس لاہور میں جہاں گورو ارجن دیو جی کو زندہ بھون دیا گیا اور جس کے متعلق گورو نانک دیو جی نے کہا "لاہور شہر۔ زہر۔ قہر۔ سوا پہر"۔ اس لاہور میں ہم جائیں گے نہیں۔ شادی لاہور میں ہوگی ضرور۔ لیکن ہم ایک نیا لاہور آباد کریں گے"۔ اور ان کے حکم کے مطابق شری آنند پور صاحب کے نزدیک ہی "لاہور" آباد کیا گیا۔ دور دور سے دکاندار وہاں آ گئے۔ بازار لگ گئے۔ ہر طرف رونق جاگ اٹھی۔ اس لاہور میں گورو مہاراج کا "آنند کارج" سرانجام دیا گیا۔

ایک عام خیال ہے کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کی تین دھرم پتنیاں تھیں۔ تین شادیاں انہوں نے کیں۔ ان کی پہلی دھرم پتنی کا نام دیوی جیتو تھا۔ دوسری کا سندری۔ تیسری کا صاحب دیواں"۔

صاحب دیواں یا صاحب کور کے متعلق یہ روایت ہے کہ ایک دن وہ گورو مہاراج کے کیش دھو رہی تھی تو شکایت کے طور پر بولی "سندری جی کے چار بیٹے ہیں۔ میرا کوئی بھی نہیں"۔ گورو مہاراج نے سنجیدگی سے کہا "اپنے بچن کو مت بھولو صاحب کور۔ اور تمہیں اگر بیٹوں کی ضرورت ہے تو میں تمہیں اتنے بیٹے دوں گا کہ کوئی انہیں گن نہ سکے۔ آج سے میں نے تمہیں ہر سکھ۔ اپنے ہر اس خالصہ کی ماں بنایا جو مجھے پتا کہتا ہے۔"

اور یہ صداقت ہے کہ آج بھی کسی سکھ میں دھرم کا جوش جاگتا ہے تو وہ مندرجہ ذیل تین سوالوں کے وہ جواب دیتا ہے جو ان کے سامنے لکھے ہیں:۔

۱۔ تمہارے پتا کا نام؟ ——— ج:۔ گوبند سنگھ۔

۲۔ ماتا کا نام؟ ——— ج:۔ صاحب کور۔

۳۔ اور رہتے کہاں ہو؟ ——— ج:۔ آنند پور صاحب۔

۳

دُنیا میں ہر آدمی کا جیون ایک تو اُس مقصد کی کہانی ہے جس کیلئے وُہ اِس دُنیا میں آتا ہے دوسرے اُن واقعات کی کہانی، جو اسے پیش آتے ہیں یا جن سے اُس کا تعلق ہوتا ہے۔ اِنسان جتنا مہان ہوگا اُس کے جیون کا مقصد بھی اتنا ہی مہان ہوگا۔ اس سے تعلق رکھنے والے یا اُسے پیش آنیوالے واقعات بھی اتنے ہی دلچسپ اور سبق آموز ہوں گے۔ ہر مہا پرش دُنیا کو ایک پیغام دیتا ہے، ایک روشنی دیتا ہے۔ جس کا سہارا لے کر لوگ آگے بڑھ سکیں۔ گناہ و تیرگی سے نجات پا سکیں۔ ہر مہا پرش اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنے عمل سے، اپنے جیون کے واقعات سے اَور اپنے جیون کی جد و جہد سے ایک ایسا پیغام لوگوں کو دیتا ہے جو اس کے تحریری یا زبانی پیام سے زیادہ مؤثر، زیادہ دلکش اَور زیادہ دُور رس ہوتا ہے۔

شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے جیون کا مقصد کیا تھا؟ اس کا ذکر میں نے پہلے کیا۔ آگے چل کے اَور بھی کروں گا۔ لیکن اُن کے جیون کے واقعات کا پیغام کیا تھا، یہ اُن کی سچی کہانیوں میں دیکھیے جو اُس وقت سے تعلق رکھتی ہیں جب گورو مہاراج شری آنند پور صاحب یا شری پاؤنٹا صاحب میں براجمان تھے۔ اِن میں کونسا واقعہ پہلے ہُوا؟ کونسا بعد میں؟ اس کی چنتا چھوڑ کر اُن واقعات کو ملاحظہ فرمایئے جن سے گورو مہاراج کے جیون کی ایسی جھلک ملتی ہے جو محض تھیوریوں کے ذکر سے ملتی نہیں۔

گورو مہاراج کتنی باتوں کے متعلق، کتنے طریقوں سے اور کتنی دُوری تک سوچتے تھے، یہ دیکھ کے حیرت ہوتی ہے۔ آنند پور میں اُن کا ایک باغ تھا۔ جہاں نئے نئے قسم کی سبزیاں، پھل، پھول اور اناج پیدا کئے جاتے تھے۔ ایک پودے کی قلم دوسرے کو لگا کر، دوسرے کی تیسرے کو لگا کر، کتنے ہی نئے نئے تجربے دیکھے جاتے تھے۔ باغ میں کام کرنے والے بہت تھے لیکن اُن کے "باغبانِ اعلیٰ" تھے کیسرا سنگھ، جس کے دل میں کسی کیلئے دشمنی نہیں، کسی کیلئے نفرت نہیں۔ ہر وقت، ہر کسی کی مدد کرنے کو وُہ تیار رہتا

تھا ـــــ ایک دِن اُن کے پاس ایک نوجوان آدمی آیا۔ نوجوان بیوی بھی۔ آدمی کا نام تھا "موہنا"۔ بیوی کا "سوہنا"۔ رہنے کی دُوسری کوئی جگہ نہیں اِس لئے وُہ کیسر اسنگھ کے پاس رہ گئے۔ اُسی باغ میں ایک جھونپڑی بناکر۔ پھُول، پھل اور سبزیاں پیدا کرنے میں وُہ کیسر اسنگھ کا ہاتھ بٹاتے۔ دھیرے دھیرے ایسا ہُوا کہ سارا کام وُہ خود ہی کرتے۔ کیسر اسنگھ کو کچھ کرنے نہیں دیتے۔ کتنے ہی نئے نئے پھُول انہوں نے پیدا کئے۔ دوسری چیزیں پیدا کیں۔ ہر بار وہ کہتے ـــــ "کیسر اسنگھ جی۔ یہ گورو مہاراج کے لئے ہے۔ یہ اُن کے پاس لے جائیے" لیکن خود وُہ گورو مہاراج کے پاس جاتے نہیں۔ اُن کا درشن بھی نہیں کرتے۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر وُہ درشنوں کی درخواست کریں گے تو وُہ مانی نہیں جائے گی۔ انہیں اُس سِکھ کی بات یاد تھی جو زخمی حالت میں قریب المرگ تھا جس نے موہنا سے گنگا جل مانگا تھا اور موہنا نے کہا تھا۔ "یہ گنگا جل تیرے لئے نہیں۔ بھگوان کی پُوجا کیلئے ہے"۔ سکھ نے کراہتے ہوئے جواب دیا تھا۔ "تم بھگوان کی بات کہتے ہو بھگوان سے پیار کرنے والا بھی کوئی تمہیں درشن نہیں دے گا"۔ یہ آواز بار بار اُن کے کانوں میں گونجتی تھی۔ مورتی پر گنگا جل چڑھانے کی بجائے وُہ واپس آئے تھے اِس خیال سے کہ اب یہ پانی اُس زخمی کو پلا دیں گے۔ لیکن وُہ دم توڑ چکا تھا۔ اُس کے وُہ ہونٹ کھُلے تھے جنہوں نے کہا تھا "ـــــ بھگوان تو کیا، بھگوان سے پیار کرنے والا بھی کوئی تمہیں درشن نہیں دے گا ـــــ" اِس طرح کھُلے تھے جیسے آخری وقت تک پانی مانگتے رہے ہوں۔ موہنا اور سوہنا دونوں رو اُٹھے لیکن اب ہو کیا سکتا تھا۔ گھر بار، دھن دولت چھوڑ کر وہ آنند پور میں آگئے کہ یہاں گورو مہاراج کی سیوا کر کے شانتی ملیگی۔ یہ شانتی انہیں ملی۔ کیسر اسنگھ کے پاس بنے جھونپڑے میں وُہ بہت خوش تھے کہ گورو جی کی آنکھوں سے اوجھل رہ کر بھی اُن کے لئے تھوڑا کام کرتے ہیں۔ ہر طرف ان کے پیدا کئے ہوئے پھُول جھک رہے تھے۔ گورو جی کا گھر انہوں نے گلستان بنا دیا تھا۔ باغ تو باغ تھا ہی اُس میں وُہ ایسے پھُول پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے جو کسی دوسری جگہ نہ ملیں۔ گورو مہاراج اِن پھُولوں کو دیکھتے۔ مسکراتے دِل ہی دِل میں اُن پیار بھرے ہاتھوں کو آشیرواد دیتے اور پھر خاموش ہو جاتے۔ اگر کبھی کیسر اسنگھ کہتا کہ۔ "موہنا سوہنا آپ کو بہت یاد کرتے ہیں"۔ تو گورو مہاراج دھیمے سے کہتے ـــــ "ابھی وقت نہیں آیا ـــــ"

لیکن وقت آیا تو کس طرح؟

موہنا اور سوہنا نے کچھ نئی قسم کے پھُول پیدا کئے۔ ایک نئی قسم کی خوشبو ان میں جگا دی۔ کتنے ہی پھُولوں کو مِلا کر انہیں ایک کر دیا۔ پھُول کھِل اُٹھے تو موہنا اور سوہنا کی دُنیا میں بہار آگئی۔ انہوں

نے فیصلہ کیا "آج نہیں، کل یہ پھول گورو مہاراج کے چرنوں میں بھیجیں گے۔ انہیں دیکھنے کے بعد یقیناً وُہ ہمیں اپنے پاس بلالیں گے۔"

لیکن تبھی ایک فقیر آنند پور میں آیا۔

وُہ بھی مہاراج کے درشن کرنے آیا تھا۔ نام تھا " روڈا۔ جلال "

گورو مہاراج کے پاس جانے کیلئے کوئی بھینٹ ہونی چاہیئے۔ روڈا نے اِدھر اُدھر تلاش کیا۔ کوئی ایسی چیز اُسے ملی نہیں ۔جسے وُہ گورو مہاراج کو بھینٹ کر سکے۔ تبھی وُہ گورو مہاراج کے باغ میں جا پہنچا۔ اُن پھولوں کو اُس نے دیکھا جنہیں موہنا اور سوہنا نے کئی مہینوں کی محنت کے بعد پیدا کیا تھا۔ اُن کی خوشبو اُن کی رنگت، اُن کی بناوٹ ــــ سب نے اِس فقیر کو موہت کر دیا۔ بجا طور پر اس نے سمجھا کہ گورو مہاراج کیلئے اِن پھولوں سے بہتر تحفہ اُسے ملیگا نہیں۔ سب کے سب پھولوں کو توڑ کر وُہ گورو مہاراج کے پاس پہنچا۔ بولا "سچے پادشاہ۔ مَیں ٹھہرا فقیر۔ دوسری کوئی چیز میرے پاس ہے نہیں۔ صرف یہ پھول لایا ہُوں۔"

گورو مہاراج نے مسکراتے ہوئے کہا "تو فقیر ہے۔ تیرے پاس کچھ نہیں تو پھر تیری اِس ٹوپی میں کیا ہے ؟"

روڈا نے ٹوپی کو سر پہ دباتے ہوئے کہا "کچھ نہیں مہاراج۔ یہ تو ٹوپی ہے۔"

مہاراج بولے "ٹوپی ہے تو کیا ہُوا ؟ اِسے اتارو۔"

اور ٹوپی کے اترتے ہی سونے کی پانچ مہریں اُس سے باہر گر پڑیں۔ روڈا نے شرمسار ہو کے سر جھکا لیا۔

لیکن تبھی مہاراج نے اُن پھولوں کو دیکھا۔ غصّے کے ساتھ بولے ــــ "یہ پھول کہاں سے لائے ہو تم ؟"

روڈا نے سر جھکاتے ہوئے کہا ــــ "آپ ہی کے باغ سے حضور ...."

اور گورو مہاراج بے چین ہو کر کھڑے ہو گئے۔ دُکھ کے ساتھ بولے "بدنصیب لٹیرو! تُو نے صرف پھول ہی نہیں توڑے۔ دو زندگیاں توڑ دی ہیں۔ موہنا۔ سوہنا ــــ رُکو ــــ مَیں آتا ہُوں ــــ"

اور وُہ دوڑتے ہوئے اپنے باغ میں پہنچے۔ اُس جگہ جہاں سے جلال نے پھول توڑے تھے پھولوں کی جگہ وہاں موہنا اور سوہنا پڑے تھے ۔ بے ہوش۔ آخری سانس لیتے ہوئے اُنہوں

نے جب دیکھا کہ اُن کے پھُول کسی نے توڑ لئے ہیں اور گورو مہاراج تک پہنچنے کی آخری اُمید بھی ختم ہو گئی ہے تو اُن کے دِل ٹوٹ گئے۔ وہیں زمین پر وُہ گر پڑے۔

گورو مہاراج نے اُن کے پاس بیٹھ کر اُن کے سر اپنی گود میں رکھ لئے۔ اُن کے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آنسو بھری آواز میں بولے "موہنا۔ سوہنا۔ جاگو۔ مَیں آ گیا ہُوں۔ تم مجھے مِلنا چاہتے تھے نا۔ دیکھو۔ اب مَیں تمہیں مِلنے آیا ہُوں۔"

موہنا نے تھوڑی سی آنکھیں کھولیں۔ سوہنا نے بھی۔

گورو مہاراج نے پیار سے کہا "بولو — کیا چاہئیے تمہیں؟ مَیں تمہیں سب کچھ دے سکتا ہُوں ——"

سوہنا مرتی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولی — اب کچھ نہیں چاہئیے سچے بادشاہ۔ آپ مِل گئے۔ سب کچھ مِل گیا۔"

اور اُن کی آنکھیں بند ہو گئیں ہمیشہ کیلئے سو گئے وُہ سبلانت مُسکراہٹوں کی دُنیا میں لیکن گورو مہاراج کئی دِن تک ہنس نہیں سکے مُسکرا نہیں سکے۔

بھائی نند لال جی کا جنم شری گورو گوبند سنگھ جی سے ۲۳ برس پہلے پٹنہ سے دُور اُس غزنی میں ہُوا جو آج کل افغانستان کا حِصّہ ہے۔ اُن کے پِتا دیوان چھجو رام غزنی کے "میر منشی" تھے۔ نند لال جی کافی دیر غزنی میں رہے۔ پھر مُلتان آ گئے۔ جہاں انہوں نے اپنا مکان لے کے رہنا شروع کر دیا۔ مُلتان کے نواب کو نند لال جی کی علمیت و قابلیت کا پتہ چلا تو اُس نے انہیں اپنا "میر منشی" مقرر کر دیا۔ ۴۵ برس کی عمر تک دیوان نند لال جی اسی عہدے پر رہے لیکن تبھی من میں ویراگ جو پیدا ہُوا تو گھر بار چھوڑ سچے گیان کی روشنی میں نِکل پڑے۔ آنند پور پہنچے تو کسی کو انہوں نے اپنا نام نہیں بتایا۔ ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے کر رہنے لگے۔ اُس وقت کا انتظار کرنے لگے جب شری گورو گوبند سنگھ جی انہیں خود اپنے پاس بلائیں گے! اور اُن کے اصلی نام سے انہیں پکاریں گے۔ اُس بناوٹی نام سے نہیں جو انہوں نے اپنا رکھا تھا۔ کوئی آدمی آنند پور میں رہے اور گورو مہاراج کے پاس نہ آئے ایسا ہوتا نہیں تھا۔ کبھی کوئی ضِدی آدمی آ جائے تو گورو مہاراج اُسے خود بُلا بھیجتے تھے۔ تب ایک دِن نند لال جی بھی بُلائے گئے۔ اُنہیں دیکھتے ہی گورو مہاراج نے مُسکراتے ہوئے کہا — "آؤ بھائی نند کے لالہ۔ کب تک چھُپے رہو گے؟" — اور دیوان نند لال جی کو گویا ایسے معلوم ہُوا کہ ہر طرف

ایک نئی روشنی جاگ اُٹھی ہے۔ اُس روشنی میں امرت ہے، موسیقی ہے۔ بے انت بہاروں کے بے انت پھول مُسکرا رہے ہیں — بھائی نندلال جی فارسی زبان کے بہت اُونچے درجہ کے شاعر تھے۔ عربی کے بہت بڑے عالم۔ لیکن آنندپور میں انہیں جو روحانی سرور ملا۔ اُس نے ان کی شاعری کو چار چاند لگا دیئے۔ ہر غزل وُہ اپنے اس پیار کے متعلق لکھتے جو ان کے دِل میں گورو جی کیلئے پاگل ہُوا جاتا تھا۔ ہر غزل اپنے محبوب کے اُس حسن کے متعلق جو روحانیت کا پیغام دیتا، اس دُنیا کے رازوں کو کھولتا، ہر طرف روشنی پھیلاتا چلا جاتا ہے۔

اُن دنوں جموّں سے لے کر آسام کی پہاڑیوں تک چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جن میں مغلوں کے باجگذار پہاڑی راجے حکومت کرتے تھے۔ یہ راجہ صاحبان دہلی کی حکومت کو خراج اور جب اُسے ضرورت پڑے تب فوجی مدد دینے کے علاوہ ہر بات میں آزاد تھے۔ آپس میں لڑتے بھی تھے۔ صُلح بھی کرتے تھے۔ باہم شادیاں بھی کرتے تھے۔ ایک دُوسرے کے خون کے پیاسے بھی ہو اُٹھتے تھے — اِن میں ناہن کے راجہ میدنی پرکاش اپنے پڑوسی فتح شاہ سے خوفزدہ تھے کیونکہ فتح شاہ کی ریاست "گڑھوال" ناہن سے بڑی تھی۔ اور فتح شاہ نے "کلہور" کے راجہ بھیم چند سے رشتہ کرکے اپنے آپ کو زیادہ طاقتور بنا لیا تھا۔ اِس طاقت سے مغرور ہوکر اُس نے ناہن کے کچھ علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ ناہن کے راجہ میدنی پرکاش گھبرائے کہ اَب کیا کریں۔ راجہ فتح شاہ پر حملہ کرنے کی ہمّت اُن میں تھی نہیں۔ یہ بھی ڈر تھا کہ اگر یہ علاقہ خاموشی سے اُس کے قبضہ میں جانے دیا تو وُہ مزید علاقے پر قبضہ کرے گا۔ دھیرے دھیرے ناہن کا راجیہ ہی ختم ہو جائے گا — بہت سوچنے کے بعد اُس نے فیصلہ کیا کہ وُہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کو اپنا معاون بنائے گا۔ لیکن گورو مہاراج کسی ریاست کے حکمران تو تھے نہیں۔ اُن کے ساتھ کوئی معاہدہ کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا تب وُہ اِس تعاون کو کیسے حاصل کرے؟ آخر اس کا بھی راستہ ملا۔ اُس نے گورو مہاراج کو پیغام بھیجا، درخواست کی کہ "آپ آنندپور میں رہتے ہیں، کبھی ناہن راجیہ میں بھی آئیے۔ یہ بھی آپ کا گھر ہے جہاں بھی آپ رہنا چاہیں، وہیں میں انتظام کرا دوں گا —" اس دعوت کے بعد گورو مہاراج ناہن گئے جمنا کے کنارے ایک بہت اُونچی سیدھی سفید چٹان کو انہوں نے پسند کیا۔ فیصلہ کیا کہ ہم جمنا کے کنارے اس جگہ رہیں گے۔ راجہ میدنی پرکاش نے یہاں کچھ مکان بنوا دیئے۔ باقی مکان گورو مہاراج کی وجہ سے خود بخود بننے لگے۔ ایک چھوٹا سا نگر آباد ہو گیا۔ گورو مہاراج نے اُس کا نام

رکھا۔ "پاؤنٹا" (پاؤں رکھنے کی جگہ)۔

لیکن آج اس "پاؤنٹا" کو دیکھ کر سر جھکا دینے کو جی چاہتا ہے کیونکہ اُس کی دھرتی کا ہر حصّہ گورو مہاراج کے چرنوں سے پوتر ہوا۔ اُسے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ گورو مہاراج ایک مہان یوگی، ایک پُوجنیہ مہاتما اور مہاپرش ہی نہیں تھے صرف ایک لاثانی دیش بھگت، لاثانی مدبّر اور لاثانی سیاست دان نہیں تھے بلکہ بہت اچھے آرٹسٹ بھی۔ اُن کی آنکھیں جنگلوں پہاڑوں، پتھروں اور چٹانوں میں بھی خوبصورتی کو دیکھ سکتی تھیں! اور بتا سکتی تھیں کہ یہ جگہ یا یہ چیز سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ پاؤنٹا کو دیکھ کر اُس مہاپرش کے چرنوں میں سر جھکانے کو جی چاہتا ہے جس نے اُس کو اپنے نواس کیلئے منتخب کیا۔ نیچے، بہت نیچے آسمان کی طرح نیلی جمنا پتھروں کے ساتھ کھیلتی، ناچتی، گاتی بھاگی چلی جاتی ہے اُس کے کنارے پر ایک دم قلعے کی دیوار کی طرح سیدھی چٹان ہے۔ سفید پتھر کی چٹان۔ اُوپر سے اتنی بڑی کہ ایک پُوری فوج وہاں چھاؤنی ڈال کے رہ سکے جمنا کی پرلی طرف جنگل ہے۔ پہاڑ ہے۔ چٹان کے پچھلی طرف تھوڑا سا میدان۔ پھر پہاڑی علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔

اِس پاؤنٹا میں "ویر رس" کی وہ مہان کویتا لکھی گئی جس نے ایک سوتے ہوئے ملک کو جھنجھوڑ کے جگا دیا۔ گورو گوبند سنگھ شاعروں، ادیبوں، موسیقاروں، مصوّروں اور کلاکاروں کے قدردان تھے۔ خاص طور پر اُن شاعروں اور ادیبوں کے جو اپنے دیش کیلئے سوچتے تھے۔ اُن مظلوم لوگوں کیلئے سوچتے تھے جنہیں بیدار کرنے اور ظلم و ستم کے خلاف آہنی دیوار بنا دینے کی ضرورت تھی۔ دیش بھر کے چُنے ہوئے شاعر اور فنکار گورو مہاراج کے دربار میں پہنچ جاتے تھے۔ ہر کسی کو معلوم تھا کہ گورو مہاراج کے ہاں گُن کی قدر ہوتی ہے۔ باون شعراء کرام باقاعدہ طور پر اُن کے مُلازم تھے۔ بندھی ہوئی تنخواہ کے علاوہ انہیں انعام بھی ملتے تھے۔ تحفے ملتے تھے۔

جمنا کے کنارے پر کھلے آکاش کے نیچے گورو مہاراج سے یہ کوی دربار ہوتے تھے خود بھی گورو مہاراج اپنی کویتا سُناتے۔ دُوسرے لوگ بھی سُناتے۔ اور سُننے والوں کی رگوں میں خون اُبل اُٹھتا۔ اُن کے بازو پھڑک اُٹھتے۔ گورو مہاراج کی اس کویتا کا ذکر آگے چل کر کروں گا۔ وہ سنسکرت، فارسی، اودھی، برج بھاشا، ہندی اور پنجابی چھ بھاشاؤں پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ اُن کے قلم میں طاقت تھی۔ آگ بھی تھی، امرت تھا۔ ایسا رس تھا جو

رُوح کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے کئی بار وُہ اپنی بُنیہ بانی اپنے ہاتھ سے لکھتے ۔ بہت خوبصورت حروف ہیں لیکن عام طور سے وُہ بولتے ۔ دوسرے لوگ لکھتے چلے جاتے ۔ لیکن وُہ خود صرف رزمیہ شاعری تو نہیں کرتے تھے ' بھگتی رس کی وُہ کو تیا بھی کرتے تھے جسے پڑھ کے آج بھی رُوح کی دُنیا میں روشنی کے مینار جگمگانے لگتے ہیں ۔ اِس طرح شاید اُنہوں نے وُہ مہان پرارتھنا لکھوائی جسے خود گورو مہاراج نے " اکال اُستت " کا نام دیا ۔ اِس پرارتھنا کو لکھاتے وقت جب اُنہوں نے کہا

سب کرم پھوکٹ جان ۔ سب دھرم نِہپل مان

بِن ایک نام ادھار سب کرم بھرم بچار "

یہ جو کچھ ہم کرتے ہیں سب بے سُود ہے ۔ یہ سارے دھرم بے کار ہیں اگر اُس ایک " ایار " کا نام نہیں لیا تو یہ سارے کرم محض وہم ہیں اِن کی کوئی اصلیت نہیں تو معاً وُہ " ہری ۔ ہری ۔ ہری " کہنے لگے ۔

" جلے ہری ۔ تھلے ہری ۔ اُرے ہری ۔ بنے ہری ۔ گِرے ہری گپھے ہری

چھتے ہری ۔ تیجے ہری ۔ ایہاں ہری ۔ اُوہاں ہری ۔ زمیں ہری ۔ زماں ہری "

پانی میں ہری خشکی میں ہری ۔ دِل میں ہری جنگل میں ہری ۔ پہاڑ میں ہری ۔ گپھا میں ہری نیچے ہری ۔ اُوپر ہری ۔ یہاں ہری ۔ وہاں ہری ۔ زمیں ہری ۔ زماں ہری اِس طرح وُہ کہتے چلے گئے ۔ جیسے پیار کا ایک دریا بہتا ہو ۔ اور پیار کرنے والے کو اپنے " ہری " کے سوائے کچھ دکھائی نہ دیتا ہو — ۔ لیکن کبھی اُنہوں نے " ہری ہری " کہنا بھی بند کر دیا ۔ اُن کا " ہری " اُن کے سامنے تھا ۔ اُنہیں بار بار " ہری " کہنے کی ضرورت کیا تھی جو سامنے کھڑا تھا اُسے وُہ " تُوہی ۔ تُوہی " کہنے لگے ۔

" جلس تُوہی تھلس تُوہی ۔ ندس تُوہی ۔ ندس تُوہی

برچھس تُوہی ۔ پتس تُوہی ۔ چھتس تُوہی ۔ اُردھس تُوہی ،

زمیں تُوہی ۔ زماں تُوہی ۔ مکیں تُوہی ۔ مکاں تُوہی "

جل توُ ہے ۔ تھل میں توُ ہے ۔ ندی توُ ۔ دریا توُ
شجر توُ ۔ پتی بھی توُ ۔ نیچے توُ ۔ اُوپر بھی توُ
زمیں توُ ۔ زماں توُ ۔ مکیں توُ ۔ مکاں توُ

لیکن تب وہ اِس سے بھی آگے بڑھے جل تھل ۔ زمیں زماں ۔ مکیں مکاں ۔ سب اُن کیلئے بےمعنی ہو گئے ۔ سب اُس ایک محبوب میں مدغم ہو گئے جو اس دُنیا کا خالق و مالک ہے ۔ گورو مہاراج کو اپنا پن بھی بھُول گیا ۔ اور دُنیا کی سب سے خوبصورت کویتا لکھواتے ہوئے انہوں نے کہا :۔ ———

"توہی توہی ۔ توہی توہی ۔ توہی توہی ۔ توہی توہی
توہی توہی ۔ توہی توہی ۔ توہی توہی ۔ توہی توہی"

مَیں نے اِسے "دنیا کی سب سے خوبصورت کویتا" کہا ۔ لیکن اِس خوبصورتی کو ہر آدمی تو سمجھ نہیں سکتا ۔ صرف وہی آدمی سمجھ سکتا ہے جس نے دھیان کی اُس بلندی کو دیکھا ہو جہاں "مَیں پن" نہیں رہتا ۔ صرف "توُ پن" رہ جاتا ہے ۔ اِس بلندی پر پہنچ کر ایک بار شری گورو نانک دیو جی نے "تیرا ۔ تیرا ۔ تیرا" کہتے ہوئے سارا "مودی خانہ" لوگوں کو دے دیا تھا ۔ اس بلندی پر شری گورو گوبند سنگھ جی پہنچے تو اُن کی آنکھیں مُند ہو گئیں ۔ ہونٹ بند ہو گئے ۔ صرف رُوح کی گہرائیوں میں ایک آواز گونجتی رہی ——— "توہی ۔ توہی ۔ توہی" ..... اور لگا تار سولہ گھنٹے وہ اسی طرح بیٹھے رہے ۔ ————————

لیکن اِس کہانی کے انجام کا آغاز سے کوئی تعلق نہیں ۔
آغاز سے تعلق رکھنے والی بات بھی سُنیئے ۔

میدنی پرکاش گورو مہاراج کو اس لئے اپنے راجیہ میں لایا تھا کہ راجہ فتح شاہ مرعوب ہو جائے ۔ اُس کی یہ اچھا پوری ہوئی ۔ فتح شاہ نے جب دیکھا کہ میدنی پرکاش کو گورو جی کا تعاون حاصل ہے تو اُس نے ناہن راجیہ کا قبضہ میں لیا ہوا علاقہ خالی کر دیا ۔ لیکن میدنی پرکاش ۔۔ ! ۔۔ اس کے بعد گورو مہاراج کے پاس آیا نہیں ——— ایسے بھی لوگ دنیا میں ہوتے ہیں ۔

پاؤنٹا کے قریباً دس میل کی دُوری پر "ساڈھورا" ہے ۔ وہاں ایک مہاتما پیر بدھو شاہ رہتے تھے ۔ کتنے ہی مذاہب کی کتابوں کا انہوں نے بغور مطالعہ کیا ۔ کافی ریاضت

کی عبادت کی۔ کتنے ہی ایسے لوگوں سے ملاقاتیں کیں جن کا دعویٰ تھا کہ وہ روحانیت کے رموز کو جانتے ہیں ـــــــ لیکن اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی اُن کے من میں شانتی نہیں تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ کہیں کچھ کمی رہ گئی ہے۔ ایک خلا ہے جو بھرا نہیں جاتا ـــــــ گورو گوبند سنگھ جی اُن دنوں "پاؤنٹا" میں تھے۔ پیر بدھو شاہ پالکی میں بیٹھ کر اپنے مریدوں کے ساتھ وہاں پہنچے۔ پالکی سے اُترے تو گوروجی کو جھک کر سلام نہیں کیا۔ وہ عمر میں گوروجی سے بڑے تھے پھر اُن کے مرید بھی دیکھ رہے تھے۔ جھکتے کیسے؟ گوروجی خود ہی اُٹھے۔ آگے بڑھ کر انہوں نے پیر صاحب کا سواگت کیا۔ انہیں اپنے پاس بٹھایا۔ پیار سے بولے۔ "فرمائیے۔ میں آپ کی کیا سیوا کروں؟"

تب پیر صاحب کو معلوم ہوا کہ جس آدمی کے سامنے وہ بیٹھے ہیں وہ کتنی عظیم روحانیت کا مالک ہے۔ اُس کے پاس بیٹھنے سے ہی من کو شانتی ملتی تھی۔ روحانیت کی روشنی اُن کی آنکھوں سے باہر آ کر ہر طرف پھیلتی، ہر کسی کو اپنے سینے کے ساتھ لگاتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ پیر صاحب کو ایسے لگا کہ اُن کے سبھی شکوک رفع ہو گئے ہیں۔ اُن کے سبھی سوالوں کا جواب مل گیا ہے۔ اب کچھ پوچھنا باقی نہیں۔ پھر بھی وہ اتنی دُور سے آئے۔ اتنے لوگوں کو ساتھ لے کر آئے۔ کچھ نہ کچھ پوچھنا تو چاہیئے۔

اس لئے بولے۔ آدمی خدا کو کس طرح ملے؟

گورو مہاراج نے جواب دیا۔ جیسے رات دن کو ملتی ہے۔

پیر صاحب بولے۔ لیکن رات جب دن کو ملتی ہے تب رات رہتی نہیں۔

گورو مہاراج نے کہا۔ آپ ٹھیک سمجھے۔ جب تک "میں" موجود ہوں۔ تب تک خدا ملے گا نہیں۔ اس خودی کو اور اہنکار کو ختم کرنے کے بعد ہی اُس کے درشن ہوتے ہیں۔ تب وہ ہی وہ رہ جاتا ہے۔ "میں" نام کی کوئی ہستی نہیں رہتی۔ دن ہی دن رہ جاتا ہے۔ رات ختم ہو جاتی ہے۔

اور سید بدھو شاہ کو ایسے لگا کہ اُن کے چاروں طرف روشنی جاگ اُٹھی ہے۔ تاریکی دُور ہو گئی ہے۔ کچھ دیر پہلے تک وہ اس "چھوٹے سے گوبند" کو سلام کرنا بھی کسرِ شان سمجھتے تھے اب وہ گورو گوبند سنگھ جی کے چرنوں میں جھک گئے۔ گورو مہاراج نے انہیں جلدی سے اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ انہیں پھر سے اپنے پاس بٹھا لیا۔ کافی دیر کے بعد پیر بدھو شاہ واپس

مادھو اگئے تو اس طرح جیسے روشنی کے ایک سمندر میں تیرتے ہوئے جاتے ہوں۔

گورو مہاراج پاؤنٹا سے آنند پور کو جا رہے تھے۔ راستہ میں امبالہ کے نزدیک "رائے پور" آتا تھا۔ اُس کی رانی گورو مہاراج کی بھگت تھی۔ اُس نے کبھی اُن کے درشن نہیں کئے۔ ایک بوڑھی عورت سے اُن کی باتیں سُنیں۔ گوربانی سُنی۔ اور گوروجی کے اُن چرنوں میں اُس کا سر جھک گیا جن کے درشن ابھی وُہ کر نہ پائی تھی۔ جوں جوں اُس کے دِل میں پیار بڑھا توں توں گورو درشن کی پیاس بھی بڑھی ——— گورو مہاراج اُن دنوں پہاڑی راجاؤں سے لڑ کر اور اُنہیں شکست دے کر ہٹے تھے۔ رانی کو معلوم تھا کہ پہاڑی ریاستوں کے حکمران اُن کی اس گورو بھگتی کو پسند نہیں کریں گے۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اورنگ زیب گورو مہاراج کا دشمن ہے۔ اگر اُسے معلوم ہو گیا کہ وُہ گوروجی کی سِکھ ہے تو وہ برداشت نہیں کرے گا۔ شاید اُس کا تخت و تاج چھین کر اُس کی ریاست ختم کر دے گا ——— ان سب باتوں کو جانتے ہوئے بھی اُس نے فیصلہ کیا کہ تخت و تاج رہیں یا نہ رہیں۔ گورو چرنوں کا پیار وُہ کبھی چھوڑے گی نہیں۔

اور تبھی مخبروں نے خبر دی کہ ایک بہت بڑی فوج رائے پور کی طرف بڑھی آتی ہے۔ کس کی فوج ہے؟ اُس میں کتنے آدمی ہیں؟ یہ کسی نے دیکھا نہیں۔ صرف آسمان میں اُٹھتی ہوئی دُھول سے اندازہ لگا کر وُہ اطلاع دینے کے لئے بھاگ آئے ——— لیکن فوج چھوٹی ہو یا بڑی ——— اور کسی کی بھی ہو ——— اُس کا مقابلہ تو کرنا ہو گا۔ اس لئے رائے پور کی فوج کو تیار ہونے کا حکم مل گیا۔ ہتھیار تقسیم کر دیئے گئے۔ قلعے کی دیواروں پر توپیں چڑھا دی گئیں۔ ہر سپاہی نے اپنا مورچہ سنبھال لیا۔ رانی خود ان تیاریوں کی دیکھ ریکھ کر رہی تھی۔ حملہ آور کے سامنے جھکنا اُسے منظور نہیں تھا۔ آخری دم تک وہ اس کا مقابلہ کرے گی ——— اور آسمان میں اُڑتی ہوئی دُھول قریب آ رہی تھی۔ اب رائے پور سے نظر آتی تھی۔

تبھی ایک اور مخبر وہاں پہنچا۔ سیدھا رانی کے پاس گیا۔ سر جھکا کر بولا ——— "دشمن بہت طاقتور ہے۔ وُہ سِکھوں کا گورو گوبند سنگھ ہے۔ سِکھوں کی بہت بڑی فوج اُس کے ساتھ ہے۔"

رانی نے جیسے نیند سے جاگ کر کہا ——— "کون؟ کون ہے دشمن؟ پھر کہو۔"

مخبر نے پھر وہی بات کہی ۔ رانی کا سانس تیزی سے چل رہا تھا ۔
معاً اُس نے اپنے ہاتھ کی تلوار پرے پھینک دی ۔ چلّا کر بولی ——— "بند کرو یہ تیاریاں ——— قلعے کے دروازے کھول دو ——— ہم باہر جائیں گے ——— ہم دشمن کے سامنے سر جھکا دیں گے ———"
وزیروں نے حیرت سے کہا ۔" یہ کیا کرتی ہیں رانی صاحبہ حملہ آور کے سامنے جھکنا ہماری روائیت کے خلاف ہے ۔"
رانی گرج کر بولی ——— تم نہیں جانتے بدنصیبو ۔ وُہ حملہ آور نہیں ۔ میرے گورو ہیں ——— دروازہ کھولو ——— ہم سب لوگ باہر جائیں گے ۔"
دروازہ کھُلا ۔ رانی گھوڑے پر سوار ہو کر باہر آئی ۔ اُس کے پیچھے اُس کے وزیر، مصاحب فوجی افسر اور سپاہی ——— دوڑتے ہوئے گھوڑے آگے بڑھے ۔ سامنے سے گورو گوبند سنگھ جی اور اُن کے ساتھی اپنے گھوڑوں پر بڑھے آ رہے تھے ۔ ابھی کچھ فاصلہ تھا ۔ رانی نے اپنے گھوڑے کو روکا ۔ نیچے اُتری ۔ سب لوگوں کو حکم دیا ۔ نیچے اُترو ۔ اپنے ہتھیار گھوڑوں پر چھوڑ دو ——— ہم پیدل آگے جائیں گے ۔
اور ہاتھ جوڑ کر وُہ آگے بڑھی ۔
گورو مہاراج کو دیکھتے ہی زمین پر جھُک گئی ۔ باقی لوگ بھی جھک گئے ۔
گورو مہاراج نے اُسے دیکھا ۔ گھوڑے سے اُترے ۔ اُس کے پاس گئے تو رانی نے اُن کے چرنوں پر سر رکھ کے روتے ہوئے کہا ——— "آپ کا درشن مِل گیا ۔ میری جنم جنم کی سادھ پُوری ہو گئی ۔ مَیں نے سُنا ہے آپ جیتنے کے لئے آ رہے ہیں اِسی لئے مَیں ہارنے کو چلی آئی ۔"
گورو مہاراج نے اُسے آشیرواد دیتے ہوئے کہا ۔" اُٹھو رانی ۔ کچھ لوگ جیت کے ہار جاتے ہیں ۔ تم ہار کے جیت گئیں ۔"
گورو مہاراج نے راتے پور کے باہر اپنے خیمے لگا دیئے ۔ رانی نے سب لوگوں کے لئے کھانے وغیرہ کا انتظام کر دیا ۔ صبح کے وقت راتے پور کے اندر ایک بہت کھُلی جگہ پر "دیوان" سجا ۔ کیرتن ہُوا ۔ رانی جھُوم اُٹھی ۔ سب لوگ جھوم اُٹھے
اور گورو مہاراج کے جانے کا وقت ہُوا تو رانی کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں ۔ گورو مہاراج کو

گیارہ سَو رُوپے کی تھیلی اُس نے بھینٹ کی۔ ایک خوبصُورت گھوڑا بھینٹ کیا جس کی زین بہت قیمتی تھی ——— لیکن اُس کی آنکھوں کے آنسو تو رُکے نہیں۔ گورو جی نے اُس کے بیٹے کو "سروپا" دیا۔ ایک تلوار۔ ایک ڈھال۔ اور رانی کو شری گرنتھ صاحب کی ایک جلد بھینٹ کرتے ہوئے بولے ——— " روؤ نہیں رانی۔ میرا جانا بہت ضروری ہے لیکن اِس گرنتھ کے اندر مَیں ہر وقت موجود رہوں گا۔ تم جب بھی چاہو۔ میری آواز اِس میں سُنائی دے گی۔"

لیکن ایسے کتنے واقعات سُناؤں گا؟ گورو مہاراج کے جیون میں ایسے سینکڑوں نہیں، ہزاروں واقعات ہوئے۔ وُہ جدھر بھی گئے، لوگوں کو اپنے پیار سے اور اپنی عظیم رُوحانیت سے فتح کرتے چلے گئے۔ ایک عجیب کشش اُن کے اندر تھی۔ لوگ انہیں دیکھتے تو سر جھکا دیتے۔ لیکن سب لوگ تو ایسا نہیں کرتے۔ صرف وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دِلوں میں اور رُوحوں میں پاکیزگی ہے۔ شیشے میں اپنی صُورت اُسے نظر آتی ہے جس کی آنکھیں دیکھ سکتی ہوں۔ جس کی آنکھوں میں بینائی نہیں وُہ دیکھے گا کیا؟ ——— لیکن ایسے سبھی واقعات تو مَیں لکھ نہیں سکتا صرف ایک بات اور سُنیئے۔

گورو مہاراج جب پاؤنٹا میں تھے اور پہاڑی راجاؤں کے ساتھ اُن کا جھگڑا نہ ہُوا تھا تو "ریوال سر" میں ایک بھاری میلہ ہُوا۔

"ریوال سر" ——— ایک خوبصُورت پہاڑی جھیل ہے ہماچل پردیش کے اُس علاقہ میں جسے کبھی منڈی ریاست کہا جاتا تھا۔ چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ اُن کے بیچ منڈی سے پندرہ میل کی دُوری پر یہ نیلی جھیل۔ جیسے آسمان کا ایک ٹکڑا پہاڑ پر آکے سو گیا ہو۔ اِس جھیل میں عام پہاڑی جھیلوں جیسی خوبصُورتی کے علاوہ ایک عجیب بات یہ ہے کہ اِس میں پہاڑ تیرتے ہیں۔ سات جزیرے ہیں۔ اُن پر چھوٹے چھوٹے ٹیلے۔ تیز ہوا ہو تو یہ جزیرے چلنے لگتے ہیں اور جھیل کے ایک کنارے سے دُوسرے کنارے پہنچ جاتے ہیں کبھی کبھی بیچ میں ہی رُک جاتے ہیں کبھی کبھی ایک دُوسرے کے ساتھ بھی مِل جاتے ہیں۔ اِس جھیل کے کنارے اُس

وقت بھگوان شِو کا ایک مندر تھا۔ بھگوان "لوس" کا بھی جنہیں بھگوان بُدھ کا اوتار کہا جاتا ہے۔ آج کل یہاں ایک گوردوارہ بھی ہے اُس جگہ پر جہاں شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے پہاڑی راجاؤں سے بات چیت کی تھی۔ روایت ہے۔ گورو مہاراج نے ایک کچی "ہانڈی" جھیل کے پانی میں ڈال دی۔ وُہ ڈوبی نہیں۔ گلی نہیں۔ تو گورو مہاراج نے کہا۔ "جیسے بچی میری ہنڈی۔ ویسے بچے گی تیری منڈی ـــــ منڈی کو جو لُوٹیں گے تو آسمانی تارے چھُوٹیں گے ـــــ"

اور واقعی یہ تاریخی سچائی ہے کہ منڈی شہر پر کبھی حملہ نہیں ہوا۔ منڈی کی ریاست اور منڈی کے راجہ تب تک محفوظ رہے جب تک انہوں نے اپنی مرضی سے اپنی ریاست کا انت کر کے اُسے ہندوستان میں مدغم کرنا منظور کیا ـــــ اب منڈی ہماچل پردیش کا ایک ضلع ہے۔ ریوال سر اس ضلعے کا بہت خوبصورت مقام لیکن آپ اُس زمانے کی بات سُنیئے جس کی کہانی میں عرض کر رہا ہوں۔

یہاں میلہ ہوا تو منڈی کے راجہ نے شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کو دعوت دی کہ وُہ بھی ریوال سر میں آئیں۔ گورو مہاراج وہاں پہنچے۔ باقی حکمران بھی پہنچے۔ اُن کے پریوار بھی اُن کے ساتھ تھے۔ ناہن کے راجہ کا پریوار بھی وہاں تھا۔ ان کی راجکماری "پدما" بھی۔ "پدما" نے گورو مہاراج کو دیکھا تو اُن کے چرنوں میں جُھک کر کہا۔ "مَیں بھی سِکھ بنوں گی مہاراج۔ مجھے بھی نام کا دان چاہیئے" مہاراج نے اُسے سِکھ بناتے ہوئے کہا۔ "واہگورو کا نام ہی جہاز ہے بیٹی! اس کا سہارا لے کر سنسار کے سمندر کو پار کیا جا سکتا ہے۔ پدما کو ایسے لگا جیسے سورگ مل گیا ہے اُس کی آنکھوں میں روشنی جاگ اُٹھی۔ دِل میں بہاریں جاگ اُٹھیں۔ رُوح میں بیداری جاگ اُٹھی۔ دِن۔ رات صُبح۔ شام ہر وقت وُہ گورو مہاراج کے تصور میں اس طرح محو رہنے لگی۔ جیسے "ریوال سر" کی جھیل مستی کی جھیل بن گئی ہو لیکن ہمیشہ تو اُسے ریوال سر میں رہنا نہیں تھا۔ گورو مہاراج کو بھی وہاں نہیں رہنا تھا ـــــ اور پھر وُہ رہتی تھی راج پریوار میں۔ دوسرے راجاؤں کی رانیاں بھی وہاں آتی تھیں اُن کی باتیں وُہ سنتی تھی۔ بہت بھیانک باتیں۔ دِل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والی باتیں۔ یہ کہ کلہور کے راجہ بھیم چند گورو مہاراج سے بہت ناراض ہیں۔ یہ کہ اورنگ زیب کے ایلچی پہاڑی راجاؤں کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ اُن سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ گورو گوبند سنگھ پر حملہ کیا جائے اور اُن کے سکھوں کو ختم کیا جائے ـــــ یہ کہ جنگ اب رُک نہیں سکتی۔

لازمی طور سے ہوگی۔

ایک طرف یہ باتیں۔ دوسری طرف ناہن کو واپس جانے کی بات۔

پدما کا دِل رو اُٹھا۔

ایک دِن وُہ گورو مہاراج کے پاس گئی۔

ہاتھ جوڑ کر، سر جھکا کر بولی —— "مہاراج! بہت کچھ دیا آپ نے۔ ایک وردان اور دیجیے۔"

گورو مہاراج ہنستے ہوئے بولے۔ "اب کیا چاہیئے بیٹی؟"

پدما نے سر جھکاتے ہوئے کہا —— سُنتی ہُوں مہاراج کہ پہاڑی راجہ لوگ آپ پر حملہ کریں گے۔ آپ کے ساتھ لڑائی ہوگی۔ سُنتی ہُوں مہاراج کہ شاید اِس جنگ میں میرے پِتا بھی شامل ہوں گے —— مَیں آپ سے بھیک مانگنے آئی ہُوں کہ ایسی لڑائی اگر ہوتی ہے تو اِس سے پہلے مَیں مر جاؤں۔ میرے پِتا کو اگر میرے گورو پر حملہ کرنا ہے تو اپنی بیٹی کی لاش کو جلانے کے بعد کریں اُس سے پہلے نہیں۔"

گورو مہاراج کی آنکھیں چھلچھلا آئیں۔ دھیمے سے بولے —— "کیا مانگ لیا تُو نے پدما! لیکن بیٹی مانگے اور باپ دے نہیں۔ ایسا کبھی ہو نہیں سکتا —— جا۔ جو کچھ تُو چاہتی ہے وہی ہوگا۔"

اور وہی ہُوا۔ "بھنگانی" کی جنگ سے پہلے پدما اِس دُنیا سے چلی گئی۔

بھنگانی کی جنگ کیا تھی اور کیسے ہوئی —— یہ اَب عرض کروں گا۔

۲

"بھنگانی" کسی گاؤں، قصبے یا شہر کا نام نہیں۔ ایک چھوٹی سی وادی کا نام ہے جو پاؤنٹا سے قریباً ۸ میل دُور دو[2] پہاڑوں کے درمیان پھیلی ہے اور جس سے ہو کر بلاسپور سے آنے والی سڑک پاؤنٹا پہنچتی ہے۔ آج سے ۳۰ برس پہلے تک بھنگانی سے پاؤنٹا صاحب آنے والی یہ سڑک ایک کچی پتھریلی سڑک تھی۔ لوگ گھوڑے پر، پیدل یا بیل گاڑیوں میں سفر کرتے تھے۔ بیل گاڑیوں پر سفر کرنے والوں کا "انجر پنجر" ڈھیلا ہو جاتا تھا۔ گورو مہاراج کے زمانے میں یہ کچی سڑک بھی نہیں تھی۔ صرف ایک پگڈنڈی تھی جہاں لوگ گھوڑوں پر، پیدل یا پالکیوں میں سفر کرتے تھے۔ اس سے پہلے شاید یہ پگڈنڈی بھی نہیں تھی۔ کیونکہ پاؤنٹا نام کا کوئی شہر ہی نہیں تھا۔ گورو مہاراج نے ناہن کے راجہ کی دعوت پر پہلے وہاں ایک قصبہ سا آباد کیا۔ پھر اسے قلعے کی صورت دے دی۔ اس قلعے پر حملہ کرنے کیلئے "بائیس دھار" کے راجہ پاؤنٹا کی طرف بڑھنا چاہتے تھے۔ اس لئے "بھنگانی کی جنگ" ہوئی۔

"بائیس دھار" اُس پہاڑی علاقے کا نام ہے جو جموں سے گڑھوال تک - دریائے چناب سے دریائے گنگا تک پھیلا ہوا ہے اور جو اُن دنوں ۲۲ ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ اِن ریاستوں میں آبادی کی بہت بڑی اکثریت سناتن دھرمی یا پورانک ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ اُن کے سب حکمران بھی سناتن دھرمی ہندو تھے۔

اتہاس کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ جن ہندوؤں کیلئے شری گورو گوبند سنگھ جی کے پوجیہ پِتا نے اپنا بلیدان دیا جنہیں جگانے اور مضبوط بنانے کے لئے پوجیہ سکھ گوروؤں نے اپنے جیون دیدیئے اور جنہیں دسویں پادشاہ غلامی سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ اُن کے خود ساختہ پرتی ندھی ان ہندو راجاؤں نے ہی گورو مہاراج پر پہلا حملہ کیا۔

یہ حملہ کیوں ہوا؟ ۔ اس کے متعلق ایک لمبی کہانی ہے۔ لیکن یہ کہانی ہی حملے کی اصل وجہ ہے ایسا مجھے معلوم نہیں ہوتا۔ کہانی یہ ہے :-

کابل کے دُنی چند نے اور آسام کے راجہ رتن رائے نے گورو مہاراج کو ایک بیش قیمت شامیانہ اور ایک غیر معمولی ہاتھی دیا تو ہر طرف اُن کی چرچا ہوئی۔ ہر طرف دھوم مچ گئی کہ گورو مہاراج کے پاس ایسی قیمتی چیزیں ہیں جیسی کسی راجہ مہاراجہ کے پاس بھی نہیں۔ گورو مہاراج رہتے تھے کلہور کے راجیہ میں جس کا راجہ بھیم چند تھا۔ اُسے جب معلوم ہوا کہ اُس کے راجیہ میں رہنے والے ایک آدمی کے پاس ایسی بیش قیمت چیزیں ہیں جیسی خود اُس کے پاس بھی نہیں تو اس کا دل جل اُٹھا۔ لیکن وہ کر کیا سکتا تھا۔ گورو مہاراج نہتے تو نہیں تھے۔ ایک اچھی خاصی فوج ان کے پاس تھی۔ اس لئے وہ ٹھنڈے دل سے ایسے ڈھنگ سوچنے لگا جس سے یہ ہاتھی (جس کا نام گورو جی نے پرشادی رکھ دیا تھا) اور یہ کابلی شامیانہ اُسے مل جائے۔

دوسری طرف گورو مہاراج کی فوجی طاقت میں آئے دن اضافہ ہو رہا تھا۔ کچھ سکھوں نے اُن کے سامنے تجویز رکھی کہ — "گورو کی فوج کے پاس بھی ایک نقارہ ہونا چاہیئے۔ ہر فوج کے پاس یہ نقارہ ہوتا ہے۔ ہمارے پاس کیوں نہ ہو۔"

گورو مہاراج نے کہا: "یہ ٹھیک بات ہے۔ نقارہ بنانے کا حکم دیا جائے۔ اور اتنا بڑا نقارہ بنایا جائے جتنا بڑا کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے۔ ہم اس کا نام 'رنجیت' رکھیں گے۔"

چنانچہ یہ نقارہ بنا۔ بجا میلوں تک اس کی آواز گونج اُٹھی۔ جیسے بادل گرجتے ہوں۔

گورو جی کے کچھ ایسے بھی ساتھی تھے جو لڑنا بھڑنا نہیں چاہتے تھے۔ خیرات و تحائف پر آرام کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ یا سمجھتے تھے کہ ہمارا کام صرف واہگورو کا نام لینا اور گورو بانی کا کیرتن کرنا ہے۔ باقی باتوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیئے۔ ان لوگوں نے گورو جی سے پرارتھنا کی — کہ 'رنجیت نگارہ' نہ بنایا جائے۔ بن جانے پر اُنہوں نے کہا۔ "اسے بجایا نہ جائے۔" بجنے پر اُنہوں نے کہا: "بھیم چند کے علاقہ کے قریب نہ بجایا جائے۔ اُس نے سُن لیا تو غضب ہوگا۔" — گورو جی نے ان کی بات نہیں سُنی تو یہ لوگ ماتا گوجری جی کے پاس گئے۔ ماں جی بالکل سیدھی اور بھولی تھیں۔ ہر آدمی کے لئے ان کا دربار کھلا تھا۔ ہر آدمی کی بات وہ سنتی تھیں۔ ہر کسی کی بات اُنہیں درست معلوم ہوتی تھی۔ اُنہوں نے گورو جی کو اپنے پاس بُلا کر بتایا کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ گورو مہاراج نے سب کچھ سُنا۔ سُن کر بولے — "ماتا جی۔ اب ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھنے کا زمانہ نہیں رہا۔ ہر طرف ظلم کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اُسے بجھانے کے لئے پتا جی نے اپنا سر دے دیا۔ اُسی کو بجھانے کے لئے ہمیں بہت کچھ کرنا ہوگا۔ یہ نقارہ ضروری ہے۔ کسی سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔"

بھیم چند نے یہ نقارہ سُنا تو ایک بار پھر جل اُٹھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی بہت احمق، بہت لالچی اور بہت حقیر تھا۔ کئی لوگوں سے اُس نے کہا۔ ہمیں فوج لے کر گوبند رائے پر حملہ کر دینا چاہیئے۔ یہ تھوڑے سے سکھ کر کیا سکتے ہیں؟" لیکن اس کے وزیروں نے مشورہ دیا "ایسا کرنا ٹھیک نہیں۔ پہلے اُس کی طاقت کا پتہ لینا چاہیئے۔ اور دیکھنا چاہیئے کہ یہ چیزیں قیمتی بھی ہیں یا نہیں"۔ چنانچہ فیصلہ ہُوا کہ ایک وزیر گورو جی کے پاس جائے۔ حالات کو دیکھے۔ پھر جیسے مناسب ہو ویسے کیا جائے۔ یہ وزیر صاحب گئے۔ حلیمی اور نرمی سے کام لے کر اُنہوں نے کہا۔ " راجہ بھیم چند آپ کے درشن کرنے کو آنا چاہتے ہیں۔" گورو مہاراج نے اجازت دی۔ راجہ صاحب آئے۔ اُنہوں نے پرشادی ہاتھی کو دیکھا۔ کابلی شامیانہ بھی دیکھا۔ اور اُن کے دل میں لالچ کی آگ مزید بھڑک اُٹھی۔ وُہ واپس گیا۔ جس ترکیب کو وُہ تلاش کر رہا تھا وُہ مِل گئی۔ اُس کے بیٹے کی شادی تھی، اُس نے گورو جی کے پاس پیغام بھیجا کہ —— " میرے بیٹے کی شادی ہے۔ پرشادی ہاتھی اور کابلی شامیانہ کچھ روز کے لئے میرے ہاں بھیج دیجیے۔"

گورو مہاراج نے جواب دیا۔ " مجھے افسوس ہے۔ کہ یہ چیزیں مَیں بھیج نہیں سکتا۔ یہ میرے سکھوں نے میرے لئے دی ہیں۔ میں نے وچن دیا ہے کہ یہ صرف میرے پاس رہیں گی۔" راجہ بھیم چند نے یہ سُنا تو تڑپ اُٹھا۔ لیکن وزیروں کے مشورہ سے پھر ایک دو آدمی بھیجے گئے کہ گوبند رائے کو منائیں لیکن گورو مہاراج جو فیصلہ کر چکے تھے اُسے بدلنے کو تیار نہیں تھے۔

بھیم چند نے انہیں خط لکھا —— " ہم نے آج تک تمہیں اس لئے تنگ نہیں کیا کہ تُم گورو نانک کی گدی پر بیٹھے ہو۔ لیکن اَب تمہارے طرزِ عمل کو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر تم آنند پور میں رہنا چاہتے ہو تو وفادار رعایا کی طرح رہو۔ جو کچھ ہم چاہتے ہیں۔ اُسے ہمارے پاس بھیجو۔ اپنے پہلے طرزِ عمل کے لئے معافی مانگو۔ نہیں تو ہمارا راجیہ چھوڑ کر چلے جاؤ۔ اگر تم نے انکار کیا تو یاد رکھو کہ جنگ ہوگی اور اس کے نتائج بہت خراب ہوں گے۔"

گورو مہاراج نے یہ خط دیکھا تو مُسکرائے ہنستے ہوتے بولے —— " یہ بے وقوف مجھے اپنی رعایا سمجھتا ہے۔"

لیکن بھیم چند کو انہوں نے اپنے ماما شری کرپال چند، اپنے قابلِ اعتبار دیوان نند چند اور سکھ سنگت کی رائے سے جواب دیا —— " تمہاری غلط فہمی دُور کرنے کے لئے کہتا ہوں کہ میں تمہارے راج میں نہیں رہتا۔ یہ جگہ میرے پتاجی نے سونا دے کر خریدی اور اس شرط پر خریدی کہ یہاں راجہ کی حکومت نہیں ہوگی۔ اُسے یہاں سے کسی قسم کا ٹیکس لینے کا حق نہیں ہوگا

اس لئے یہ سمجھ کر بھُولو نہیں کہ مَیں تمہاری رعایا ہُوں۔ مَیں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا۔ اب بھی کہتا ہُوں کہ میرے سکھوں کی اچھا مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے۔ کسی دُوسرے کو یہ ہاتھی مَیں نہیں دے سکتا۔ جہاں تک تمہاری جنگ کی دھمکی کا سوال ہے، جو تمہاری مرضی میں آئے وُہ کرو۔ مَیں ہر وقت، ہر بات کے لئے ہر طرح تیار ہُوں۔"

بھیم چند نے یہ خط پڑھا تو آگ بگولا ہو اُٹھا۔ دانت پیس لئے اُس نے۔

تبھی اُس کے وزیروں نے سمجھایا۔ "یہ اُتاولا پن ٹھیک نہیں۔ بیٹے کے شادی ہو لینے دیجئے۔ اُس کے بعد دیکھا جائے گا۔"

کچھ دیر کے لئے شانتی ہو گئی۔ لیکن بھیم چند کا دِل جل رہا تھا۔ دماغ جل رہا تھا۔

۱۶۸۴ء میں شری گورو مہاراج ناہن کے راجہ میدنی پرکاش کی دعوت پر اس کے راجیہ میں گئے۔ وہاں جمنا کے کنارے انہوں نے "پاؤنٹا" آباد کیا۔ آنند پور کی طرح پاؤنٹا کے اندر بھی ہر طرف رونق جاگ اُٹھی۔ ہر طرف جوش تھا۔ ہر طرف "ویر رس" اور "بھگتی رس" کا اُچھلتا ہُوا سمندر۔ ہر طرف مسکراہٹیں اور قہقہے۔

شری گورو مہاراج نے اپنی پوتر بانی کا کافی حصّہ پاؤنٹا نگر میں لکھا۔ کویتا لکھنے کا اُن کا ڈھنگ بہت دلچسپ تھا۔ رات کے آخری پہر کا آغاز ہونے سے پہلے نہا دھو کر وُہ "آسا دی وار" سُننے کیلئے پہنچ جاتے۔ یہاں "اوداسس" کے بعد جمنا کے ساتھ ساتھ پیدل چل پڑتے۔ تین تین چار چار میل تک وُہ سوچتے ہوئے چلتے رہتے۔ تبھی کسی موزوں جگہ کو دیکھ کر کسی چٹان پر بیٹھ جاتے۔ اور یا تو خود اپنی بانی لکھنے لگتے۔ یا اپنے کسی ساتھی کو کہتے — لکھو — مَیں لکھواتا ہُوں۔

لیکن وُہ صرف کویتا تو نہیں لکھتے تھے اپنی فوج کو تربیت بھی دیتے تھے۔ نئے سپاہیوں کی بھرتی بھی کرتے تھے۔ نئے نئے ہتھیار بھی بنواتے تھے۔ اور اِن سب باتوں کے ساتھ ساتھ وُہ لوگوں کو اُس عظیم روحانیت کی روشنی بھی دیتے تھے جس کے بغیر سب باتیں بے کار ہیں۔

اُن کے پاؤنٹا میں رہنے کی وجہ سے گڑھوال کے راجہ فتح شاہ اور ناہن کے راجہ میدنی پرکاش میں صُلح ہو گئی۔ دونوں کبھی کبھی "پاؤنٹا" میں آتے تھے۔ ایک دِن گورو مہاراج انہیں ساتھ لے کر شکار کھیلنے گئے تو ایک سفید شیر کی خبر ملی جو ایک پہاڑی غار میں رہتا تھا۔ یہ بھی پتہ لگا کہ شیر اس وقت غار میں ہے۔

گوروجی نے دونوں راجاؤں سے کہا ـــــ "آپ میں سے کون ہمت کر کے اکیلا ہی اِس شیر کو مار سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ تلوار اور ڈھال لے کر اِسے ہلاک کرنا ہوگا۔ تیر سے نہیں۔"

دونوں میں سے کوئی راجہ اِس کے لئے تیار نہ ہُوا۔ گوروجی خود ہی تلوار اور ڈھال لے کر آگے بڑھے۔ غار کے دہانے پر پہنچ کر اُنہوں نے شیر کو للکارا۔ شیر دھاڑتا ہُوا باہر نکلا۔ گوروجہاراج نے اُسے ایک پتھر دے مارا۔ شیر غصّے سے پاگل ہو کر جھپٹا کہ اپنے پنجوں اور دانتوں میں گوروجی کو پکڑ کے جھنجھوڑ ڈالے۔ گوروجی شاید اِس وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہی شیر اوپر اُچھلا ویسے ہی ڈھال اور تلوار لے کر وُہ آگے بڑھے۔ تلوار کو شیر کے نیچے کر دیا۔ اُس کا سینہ پھٹ گیا۔ بدن چِر گیا۔ اس کی چیخ سے جنگل گونج اُٹھا۔ زخمی ہونے کے بعد بھی وُہ گوروجی کے اُوپر آ گرا۔ گوروجی نے اُسے ڈھال پر لے کر پرے پھینک دیا اور جنگل کا بادشاہ اِس طرح خاموش ہو گیا جیسے وُہ کبھی زندہ نہ تھا۔

اِن سب باتوں کو سُن کر کئی دُوسرے لوگ خوش ہوتے تھے لیکن بھیم چند جل بھن کر راکھ ہُوا جاتا تھا۔ اُس کے بیٹے کی شادی ہو رہی تھی راجہ فتح شاہ کی بیٹی سے۔ اس شادی کے لئے اُس نے گوروجی سے آسام کے ہاتھی اور کابل کے شامیانے کا مطالبہ کیا تھا۔ وُہ دونوں مِلے نہیں۔ اُلٹا راجہ فتح شاہ گوروجی کی شرن میں پہنچ گیا۔ یہ سب کچھ بھیم چند کیلئے ناقابلِ برداشت تھا۔

اِس لئے پاؤنٹا میں ایک اور خط اُس نے گوروجی کے پاس بھیجا ـــــ "میرے راجکمار کی شادی راجہ فتح شاہ کی بیٹی سے ہو رہی ہے۔ بلاسپور سے میرے بیٹے کی بارات سری نگر جائے گی اور پاؤنٹا کے پاس سے ہو کر گزرے گی۔ بارات بہت بڑی ہوگی۔ اس کے ساتھ فوج بھی ہوگی۔ ایسی حالت میں ممکن ہے کہ بارات والوں کا یا فوج والوں کا تمہارے آدمیوں سے جھگڑا ہو جائے۔ اِس بات کا بھی امکان ہے کہ میری فوج کے کچھ آدمی بے قابو ہو جائیں اور تمہارے ڈیرے کو لُوٹ لیں۔ میرا یہ مشورہ ہے کہ تم اِن جھگڑوں سے بچنے کی کوشش کرو اور ہماری بارات اور فوج کے راستہ سے پرے ہٹ جاؤ۔ اگر تم نے میرے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ تو نتائج کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔ مَیں نے تمہیں متنبہ کر دیا ہے۔"

راجہ صاحب کا مقصد بالکل عیاں تھا۔ اُن کا پلان یہ تھا کہ گوروجی پاؤنٹا سے چلے جائیں تو راجہ بھیم چند کی فوج اِسے تہس نہس کر دے۔ بعد میں یہ کہہ دیا جائے کہ فوج بے قابو ہو گئی۔ گوروجی نے اِس بات کو سمجھا۔ جواب دیا۔ "تمہاری فوج کو اِس راستہ سے گزرنے کی اجازت مَیں دُوں گا نہیں۔ تمہارے بیٹے کے بارات کو مَیں کچھ کہوں گا نہیں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ بارات کے ساتھ فوج کا جانا ضروری ہے تو

کسی دُوسرے راستہ سے چلے جاؤ۔"

راجہ بھیم چند پھر پاگلوں کی طرح جھنجھلا اُٹھا۔ ہر بار اُسے ایسا معلوم پڑتا کہ وُہ ایک آہنی دیوار سے ٹکّر مار رہا ہے جس کے پرلے پار جانے کا کوئی راستہ نہیں۔ ہر بار اُسے ایسا لگتا کہ اُس کے ابھیمان کا سر لہولہان ہوگیا ہے۔ لیکن اب کے کیا وُہ اس بات کو برداشت کریگا؟ اس وقت اُس کی پوزیشن پہلے سے بہتر تھی۔ وُہ اس لڑکے کا باپ تھا جس کی شادی ہونے والی تھی۔ وُہ راجہ فتح شاہ سے مطالبہ کرے گا کہ "گوبند رائے پر حملہ کیا جائے"۔ اگر فتح شاہ نے یہ مطالبہ نہیں مانا تو وہ اپنے بیٹے کی شادی اُس کی بیٹی کے ساتھ کرنے سے اِنکار کردے گا۔

یہ پلان بنا کر وُہ سِری نگر (گڑھوال) پہنچا۔ راجہ فتح شاہ نے گوروجی کو بھی سِری نگر آنے کی دعوت دی تھی۔ وُہ خود نہیں گئے۔ دیوان نند چند کو تحفے دے کر بھیج دیا کہ اُن کی طرف سے دُلہن کو دے دیئے جائیں۔ اِس کے ساتھ ہی انہوں نے کہا۔ "نند چند جی! سِری نگر شہر میں جا کر نہیں ٹھہرنا۔ شہر سے باہر ٹھہرنا۔ شاید وہاں سے بھاگنا پڑے۔"

اَور واقعی نند چند جی کو بھاگنا پڑا۔

شادی سے پہلے ایک بھری سبھا میں تحفوں کا اعلان ہوُا تو گوروجی کے بھیجے ہوئے تحفے باقی بھی راجاؤں کے مجموعی تحفوں سے بھی زیادہ قیمتی تھے۔ اِس بات پر بھیم چند تڑپ اُٹھا۔ بھری سبھا میں اُس نے اعلان کیا ——— "راجہ فتح شاہ! آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اِس گوبند رائے نے ہماری بارات کو پاؤنٹا سے گزرنے کی اجازت نہیں دی! اور بھی کئی باتوں کے معاملہ میں اُس نے میرے ساتھ دشمنی کی ہے ایسے آدمی کے تحفے مَیں تو قبول کر نہیں سکتا۔ اگر آپ کرنا چاہتے ہَیں تو مجھے سوچنا ہوگا کہ اِس شادی کے متعلق ہمیں کیا کرنا ہے۔ دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے فتح شاہ۔ دشمن کے دوست کو لوگ کبھی دوست نہیں کہتے۔"

کوئی دُوسرا وقت ہوتا تو فتح شاہ اِس آدمی کو اِن الفاظ کا مطلب کسی اَور طریقہ سے سمجھاتا لیکن اِس وقت فضا دُوسری تھی۔ ماحول دُوسرا تھا۔ اُس کی بیٹی کی عزّت کا سوال تھا۔ اگر اِس وقت یہ آدمی بارات لے کر واپس چلا جائے اور راجکماری کی شادی نہ ہو تو فتح شاہ کی ناک کٹ جائے گی۔ اِس لئے فتح شاہ نے جواب دیا ——— "غصّہ نہ کرو بھیم چند۔ کون سا تحفہ قبول کرنا ہے کون سا نہیں۔ اِس کا فیصلہ ہم رات کو بیٹھ کے کرلیں گے۔ مَیں نے آپ کو اپنا بنانے کی کوشش کی ہے۔ اپنے آپ کو آپ کے لئے پرایا بنانے کی نہیں۔"

اور اس رات فیصلہ ہوا۔

صرف یہی نہیں کہ گورو جی کے تحفے قبول نہیں کئے جائیں گے۔ بلکہ یہ بھی کہ سب کے سب پہاڑی راجے مل کر اُن پر حملہ کریں گے۔ گوبند رائے کو اُن کے سکھوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں گے۔ کیونکہ اگر یہ لوگ قائم رہے تو کسی بھی راجہ کی ریاست محفوظ نہیں۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ گوبند رائے کو جنگ میں قتل کر دیا جائے، یا گرفتار کر کے اور قیدی بنا کر بادشاہ اورنگ زیب کے پاس بھیج دیا جائے۔

سب لوگوں نے یہ مشترکہ فیصلہ کیا۔

ایک فیصلہ راجہ بھیم چند نے دُوسروں کو بتائے بغیر تن تنہا کیا ـــــ یہ کہ ـــ گورو گوبند رائے کے پرتی ندھی دیوان نند چند کو ساتھیوں سمیت قتل کر دیا جائے اور جو تحفے وُہ ساتھ لائے ہیں وُہ چھین لئے جائیں۔

لیکن اس سے پہلے کہ بھیم چند کے آدمی نند چند کے پاس پہنچتے۔ وُہ اپنے ساتھیوں اور تحفوں کے ساتھ سری نگر سے بھاگ چکے تھے۔ بھیم چند کے آدمیوں نے دیوان نند چند کا پیچھا کیا۔ پاؤنٹا کافی دُور تھا۔ ایک جگہ دونوں فریقین کا ٹکراؤ ہو گیا۔ نند چند اور اُن کے ساتھیوں نے بھیم چند کے سبھی آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔ ایک آدمی بھیم چند کے پاس یہ پیغام دینے کے لئے چھوڑ دیا کہ ـــ "اب اور آدمی بھیجو۔ ہم اُن کا بھی یہی حال کریں گے۔"

بھیم چند کے بیٹے کی شادی ہوئی۔

دُولہا دلہن بلاسپور بھیج دیئے گئے۔

باقی سبھی راجہ لوگ اپنی اپنی فوج کے ساتھ پاؤنٹا پر حملہ کرنے کیلئے چل پڑے۔

جو راجہ صاحبان اس ناجائز اور ظالمانہ حملے میں شامل تھے اُن کے نام یہ ہیں:۔ راجہ بھیم چند والئے کلہور۔ فتح شاہ والئے گڑھوال۔ گوپال چند والئے گولیر۔ کرپال چند والئے کانگڑہ۔ بیر سین والئے منڈی۔ کیسری چند والئے جسوال۔ دیال چند والئے کاٹھ گڑھ۔ ہری چند والئے ہنڈور۔ کرم چند والئے بھمبھو۔ امید سنگھ والئے جسوان۔ دیا سنگھ والئے نورپور۔ بھاگ سنگھ والئے تلوک پور۔ گوربھج والئے اندور۔ سنسار چند والئے ناردن۔ ہری چند والئے کوٹی دال۔ لچھو چند والئے شملہ ـــــ ان کے علاوہ "بائیس دھار" کے باقی راجاؤں کی حمایت بھی انہیں حاصل تھی۔ ناہن کے راجہ میدنی پرکاش کی حمایت بھی ـــــ کیونکہ بھنگانی کی جنگ ناہن کے علاقہ میں ہوئی اور راجہ میدنی پرکاش نے اُسے روکنے یا گورو مہاراج کو مدد دینے

کا کوئی جتن نہیں کیا۔

یہ ہے وُہ سلسلۂ واقعات جسے عام طور پر "بھنگانی کی جنگ" کا کارن کہا جاتا ہے۔

لیکن مَیں مکمل یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اِس سے بڑا جھُوٹ کوئی ہو نہیں سکتا۔ کچھ صاف اور سیدھے سوالات کو سامنے رکھیئے۔

۱- کیا راجہ بھیم چند اِتنا کنگال تھا کہ ایک ہاتھی اور ایک شامیانے کے لیئے پاگل ہو اُٹھا؟ کیا یہ سچ نہیں کہ اُس کی راجدھانی بلاسپور آنندپور صاحب سے کہیں زیادہ بڑی اور متمول تھی؟ کیا یہ سچ نہیں کہ گورو تیغ بہادر جی کے پاس بھی فوج تھی، ہتھیار تھے اور اُن کے پاس بھی ہر جگہ سے تحفے آتے تھے، دولت آتی تھی؟ ——— اور اِن سب باتوں کے باوجود بھیم چند نے کبھی اُن پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اُن سے دشمنی نہیں کی؟

۲- بھیم چند کو گورو مہاراج سے اگر ذاتی رنجش تھی تو جموں سے لے کر گڑھوال تک "سبھی پہاڑی راجاؤں کا گورو جی نے کیا بگاڑا تھا کہ یہ لوگ اپنی فوجیں لے کر اُن پر ٹوٹ پڑے۔ اپنی جانوں کو اُنہوں نے خطرے میں ڈال دیا ——— یہ سب کچھ کیا اُنہوں نے راجہ بھیم چند کو خوش کرنے کے لیئے کیا؟ کیا راجہ بھیم چند اِتنا با اثر، اِتنا با رسوخ، اِتنا بڑا اور اِتنا طاقتور تھا کہ باقی سبھی راجہ لوگ غلاموں کی طرح اُس کے اِشارے پر چلتے تھے۔

۳- راجہ فتح شاہ کے متعلق یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ وُہ اپنی بے عزتی سے ڈر گیا اُس نے سمجھا کہ اگر بھیم چند کا بیٹا شادی کیئے بغیر واپس چلا گیا تو اس کی بیٹی کی شاید پھر کہیں شادی نہ ہو سکے۔ اِس لیئے اُس نے بھیم چند کے ناجائز مطالبے کے سامنے سر جھکا دیا۔ لیکن کیا یہ عجیب بات نہیں کہ منڈی کے جس راجہ ہیرسین نے گورو جی کو ریوالسر آنے کی دعوت دی، اپنا مہمان بنایا، اُن کے چرنوں میں سر جھکایا اور اُن سے یہ آشیرواد حاصل کیا ——— "جیسے بچی میری ہنڈی۔ ویسے بچے گی تیری منڈی" ——— وُہ بھی اپنی فوج لے کر گورو جی کے خلاف لڑنے چل پڑا؟ ——— اور کیا یہ بات عجیب معلوم نہیں ہوتی کہ ناہن کے جس راجہ نے گورو گوبند رائے جی کو دعوت دے کر

اپنے ہاں بُلایا۔ اُنہیں پاؤنٹا نگر تعمیر کرنے میں مدد دی اور جو ہر معاملہ میں گورو جی کا احسان مند تھا اُس نے بھی اِس حملے کی حمایت کی، اُسے روکنے یا گورو جی کی مدد کرنے کا جتن تک نہ کیا؟۔

اور کوئی بھی آدمی جو ٹھنڈے دِل سے وچار کرے گا، اُسے معلوم ہوگا کہ "بائیس دھار" کے راجاؤں نے گورو مہاراج پر "بغیر کسی وجہ کے" حملہ کیا تو اِس لئے کہ کسی ایسی طاقت نے اِن سب لوگوں کو ایسا کرنے کے لئے اُکسایا جس کے یہ بھی راجہ صاحبان غلام تھے اور جس سے یہ خوفزدہ تھے۔ اِس طاقت کا نام تھا۔ دہلی کی مُغل حکومت یا (زیادہ صحیح طور پر) وہ اورنگ زیب جو گورو تیغ بہادر جی کو قتل کرنے کے بعد اُن کے بیٹے کی لگاتار بڑھتی ہوئی طاقت سے خوفزدہ ہو اُٹھا تھا۔ شری گورو تیغ بہادر جی کے معاملہ میں بدترین ظلم اور وحشیانہ سفاکی سے کام لینے کے بعد اُس نے سمجھا کہ ہندوؤں کے گورو کو اُس نے ختم کر دیا ہے۔ اِس لئے اب پنجاب میں کوئی سر نہیں اُٹھائے گا۔ لیکن اِس کے برعکس ہوا یہ کہ نوجوان گورو گوبند رائے جی اپنے پتا سے زیادہ بڑا چیلنج بن کے مغل حکومت کی جڑیں اُکھاڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ اورنگ زیب اِس وقت بوڑھا ہو چلا تھا۔ نیتی سے کام لیتے ہوئے اُس نے فیصلہ کیا کہ ہندوؤں کے گورو پر حملہ کرنے کے لئے شاہی فوج کی بجائے اِن پہاڑی راجاؤں کو استعمال کرنا چاہیئے۔ اِس فیصلے کے تین کارن تھے۔ ایک یہ کہ۔ اورنگ زیب گورو مہاراج کے خلاف شاہی فوج بھیج کر اپنے دِل کے خوف کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ دُوسرا یہ کہ۔ اِس فوج کو وہ مرہٹوں اور بہمنی بادشاہوں کے خلاف استعمال کرنے کے لئے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ اور تیسرا یہ کہ۔ وہ پہاڑی راجاؤں کو گورو مہاراج پر حملہ کرنے کی ترغیب دے کر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ یہ اِن لوگوں کی آپسی لڑائی ہے اور مغل حکومت کا اِس سے کوئی تعلق نہیں ______ اُس کا سیدھا سا پلان یہ تھا کہ اِس حملہ میں یا تو سکھوں کی فوجی طاقت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور تب بادشاہ کے آدمی پہاڑی راجاؤں اور گورو گوبند رائے کے درمیان صلح کرا دیں گے۔ یا پہاڑی راجاؤں کو شکست ہوگی۔ اُنہیں اپنی اصلیت معلوم ہو جائے گی۔ اور وہ خوفزدہ ہو کر مغل حکومت کے زیادہ مطیع ہوں گے۔ دُوسری حالت میں پہاڑی راجاؤں کی درخواست پر پہاڑی راجاؤں کی مدد کے لئے شاہی فوج کو بھیجنا درست بھی ہوگا۔ یہ سب کچھ سوچنے کے بعد اُس نے سب سے پہلے "کلہور" کے راجہ بھیم چند کو کہا کہ وہ گورو گوبند رائے کو "ختم کرے"۔ کیونکہ گورو مہاراج اِس بدنصیب راجہ کی ریاست میں آنند کی نگری بسا کر لوگوں کو حیاتِ نو کا امرت دے رہے تھے۔ اکیلے بھیم چند کو گورو جی پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تو اورنگزیب

کے الچیوں نے "بائیس دھار" کے دُوسرے راجاؤں کو بھی ترغیب دی کہ وہ اِس جنگ میں شامل ہوں۔ چنانچہ "ریوال سر" کے میلے میں جب بھیم چند کی بارات اور فوج کو پاؤنٹا کے پاس سے گزرنے کی اجازت دینے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ ہر طرف چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ پہاڑی راجاؤں کو متحد ہو کر گورو جی پر حملہ کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اِن چہ میگوئیوں کو سُن کر ہی ناہن کی راجکماری پدماتے گورو مہاراج سے وردان مانگا کہ "میں اِس حملے کو دیکھنے سے پہلے اِس دُنیا سے چلی جاؤں"۔

اِن سب باتوں کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ بھنگانی کی جنگ جس حملے کی وجہ سے ہوئی وہ پہاڑی راجاؤں نے کیا نہیں، اُن سے کرایا گیا۔ یہ پہاڑی راجے محض کٹھ پتلیوں کی طرح تھے۔ اِن کے پیچھے ظلم و ناانصافی کی طاقت تو اورنگ زیب تھا جو اِن پہاڑی راجاؤں کو اِس دھمکی کے ساتھ حملے کی ترغیب دے رہا تھا کہ ——— "اگر تم نے حملہ نہیں کیا تو تمہاری ریاستیں چھین لی جائیں گی۔"

یہ تھا اُس حملے کا پس منظر جو شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے شبدوں میں "بلا وجہ" اُن پر کیا گیا٭ ——— لیکن 'بے وجہ' یا 'باوجہ'۔ ایک وجہ سے ہو یا دوسری وجہ سے گورو مہاراج نے جس طرح اِس کا جواب دیا۔ اُس نے ہر دیکھنے اور سمجھنے والے کو حیرت زدہ کر دیا۔ ایک طرف ایک دو یا آٹھ دس نہیں، پورے بائیس راجاؤں کی مشترکہ طاقت۔ دُوسری طرف ایک ایسے سنت سپاہی، جو شاعروں کے بادشاہ ضرور تھے۔ سنتوں سادھوؤں کے رہنما اور روحانیت کے بادشاہ ضرور تھے۔ لیکن جن کے پاس کوئی ریاست نہ تھی، حکومت نہ تھی، باقاعدہ فوج نہ تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے ہوئے۔ تلوار سے تلوار ٹکرائی۔ ہوا میں تیر سنسنائے۔ گولیوں کی آواز سے رن گونج اُٹھا اور گرج پہ گرج اُٹھا تو بائیس راجاؤں کی طاقت اِس طرح بیکار ہوگئی جیسے سیلاب کے پانی کے سامنے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر تحس نحس ہو کر بہہ جاتے ہوں اُس وقت لوگوں نے سمجھا کہ اِس فقیر بادشاہ کی اور بادشاہ فقیر کی طاقت کیا ہے۔ کسی مُلک یا سلطنت پر نہیں بلکہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنے والے اِس مہاپرش کی عظمت کیا ہے۔

٭۔ "بچتر ناٹک" کے آٹھویں ادھیائے میں گورو مہاراج کہتے ہیں۔ "فتح شاہ کوپاتب راجہ۔ لوہ دھرا ہم سوبن کاجا ———" (تب راجہ فتح شاہ نے غصّے میں آ کر ہم پر بغیر کسی وجہ کے حملہ کیا)

لیکن اِس جنگ کا حال جس طرح گوردھاراج نے لکھا۔ اُس طرح کوئی دُوسرا کیسے لکھے گا؟ اُن کی پوتر بانی کے آدھار پر، بہت اختصار کے ساتھ، اِس جنگ کی کہانی سُنیئے۔

پاؤنٹا میں اطلاع پہنچی کہ پہاڑی راجاؤں کی فوج پاؤنٹا کے قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے بڑھی آتی ہے۔ گڑھوال کے فتح شاہ اس کی کمان کر رہے ہیں۔ باقی راجہ بھی اُن کے ساتھ ہیں۔

گوردھاراج نے اپنے ماما کرپال چند اور اپنے دیوان نند چند سے کہا کہ "جنگ کی تیاری کرو۔ ہم اِس حملے کا منہ توڑ کے رکھ دیں گے۔"

لیکن یہ تیاری ہوگی کیسے؟

شری گوردھاراج کے پاس سِکھوں کی کمی نہیں۔ اِن میں کوئی دوکاندار ہے، کوئی کسان، کوئی بڑھئی، کوئی لوہار، کوئی کلال، کوئی چمار ——— کئی برہمن اور کھشتری بھی ہیں لیکن وُہ تربیت یافتہ فوجی تو نہیں ہیں۔

گوروجی کی تربیت یافتہ فوج صرف پانچسو پٹھانوں پر مشتمل ہے جنہیں گوردھاراج نے پیر بدھو شاہ کے کہنے پر ملازم رکھا۔ یہ لوگ باقاعدہ تنخواہ لیتے ہیں۔ باقاعدہ لڑنا جانتے ہیں اور ہر قسم کے ہتھیاروں کو استعمال کر سکتے ہیں۔

اِن کے علاوہ گوردھاراج کے پاس کئی سو اُداسی سادھو بھی ہیں۔ جن کے نیتا ہیں مہنت کرپال اور جن میں سے ہر ایک کافی گٹھیلے اور بھاری بھرکم جسم کا مالک ہے۔

گوردھاراج نے حکم دیا۔ "پٹھانوں کی فوج کو تیار رہنے کے لئے کہا جائے۔ اُداسیوں میں ہتھیار تقسیم کئے جائیں۔ باقی لوگوں سے کہا جائے کہ جو جس ہتھیار کو چلا سکتا ہے اُسی کو لے کر تیار رہے۔"

لیکن دُوسرے دِن پانچ سَو کے پانچ سَو پٹھان یہ بہانہ بنا کر بھاگ گئے کہ انہیں ضروری کام سے اپنے گھروں کو جانا ہے۔ گوردھاراج نے انہیں سمجھایا۔ کرپال چند نے انہیں سمجھایا۔ لیکن وُہ ایک اور ہی پلان بنائے بیٹھے تھے۔ پلان یہ تھا کہ وُہ سب کے سب فتح شاہ کے پاس اس شرط پر چلے جائیں گے کہ گوروجی کو شکست ہونے پر پاؤنٹا کو لُوٹا جائے تو سب سے پہلے پٹھانوں کو پاؤنٹا لوٹنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ یہ پیغام فتح شاہ کے پاس بھیجا گیا۔ پٹھانوں کے سردار نے پٹھانوں کو ایک خط دکھایا جو فتح شاہ کی طرف سے تھا اور جس میں کہا گیا تھا کہ "پٹھانوں کی شرط ہمیں منظور ہے ——"

اِس طرح یہ لوگ بھاگے تو گوروجی نے پیر بُدھو شاہ کو اطلاع دی۔ بُدھو شاہ اِس بات سے دُکھی ہوئے کہ جن لوگوں کی اُنہوں نے سفارش کی تھی وُہ عین وقت پر گوروجی کو دھوکا دے کر چلے گئے

اپنے من کی شانتی کے لئے وُہ خود ہی گورو جی کی مدد کے لئے چل پڑے۔ اُن کا بھائی اُن کے ساتھ تھا۔ اُن کے چار بیٹے اور سات سو مُرید بھی اُن کے ساتھ تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب کے سب باقاعدہ سپاہی نہیں تھے لڑنا بھی نہیں جانتے تھے۔

اُداسی سادھوؤں کا بھی یہی حال ہُوا۔ انہیں جب معلوم ہُوا کہ اب لڑنا پڑے گا تو وُہ رات ہی رات یہ بہانہ کر کے چلے گئے کہ "تیرتھ یاترا" کو جا رہے ہیں ——— صُبح کے وقت گورو جی نے اُن کے مہنت کرپال کو ہنستے ہوئے کہا ——— "مہنت جی۔ آپ کے سادھو کھانے میں سب سے آگے تھے۔ اب بھاگنے میں بھی سب سے آگے ہیں۔"

مہنت کرپال نے سر جھکا کر کہا ——— "سچّے پادشاہ۔ آپ گورو ہیں۔ راستہ دکھانے والے بھی آپ ہیں۔ معافی دینے والے بھی آپ ہیں۔"

یہ حال تھا گورو مہاراج کی فوج کا۔ ساتھی بہت تھے۔ اُن میں شردھا بہت تھی فوجی تربیت نہیں تھی۔

اور جب اطلاع ملی کہ فتح شاہ کی فوج کل پہاڑ سے نیچے اُتر کر، بھنگانی کے جنگل کو پار کر کے پاؤنٹا کی طرف بڑھے گی تو گورو مہاراج نے کرپال چند اور نند چند سے کہا "آگے بڑھو۔ ہم بھنگانی میں اُن کا مقابلہ کریں گے۔"

دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوئیں۔ راجہ فتح شاہ نے گورو جی سے غدّاری کر کے آئے پٹھانوں سے کہا "تم تو کہتے تھے کہ گورو جی کے پاس تمہارے سوائے کوئی سپاہی نہیں۔ فوج نہیں۔ یہ سامنے کیا ہے؟"

پٹھانوں کے سردار بھیکن خاں نے جواب دیا ——— "یہ لوگ لڑنا نہیں جانتے سرکار آپ حملہ کیجئے۔"

فتح شاہ بولا "ایسی بات ہے تو سب سے پہلے تم لوگ آگے بڑھو۔"

پٹھان گولیاں برساتے آگے بڑھے تو نند چند اور دیا رام دوڑ کر اُن کے مقابلہ میں آ گئے اپنے تیروں کی بوچھاڑ سے اُنہوں نے پٹھانوں کے چھکّے چھڑا دیئے۔ دونوں طرف سے کتنے ہی آدمی ہلاک ہوئے تبھی مانگو شاہ تلوار لے کر جنگ میں کود پڑا۔ اُس کا بھائی ماہری چند بھی اُس کے ساتھ تھا۔ دونوں نے پٹھانوں کو اِس طرح کاٹنا شروع کیا کہ اُن میں سے کتنے ہی اپنی بندوقیں چھوڑ کر بھاگ گئے ——— مانگو شاہ کی بہادری دیکھ کر گورو جی نے اُن کا نام شاہ سنگرام (جنگ کا بادشاہ)

رکھ دیا ـــــ تبھی بُدھو شاہ اور اُن کے بیٹے اور مُرید آگے بڑھے۔ بُدھو شاہ کے بیٹے دشمن کو اس طرح کاٹنے لگے جیسے لکڑہارے درخت کاٹتے ہیں۔ لاشوں پر لاشوں کے انبار لگنے لگے۔ تبھی راجہ گوپال چند نے اپنی پوری فوج سے بُدھو شاہ پر حملہ کر دیا۔ گورو جی نے یہ حالت دیکھی تو کرپال چند کو بھیجا کہ بُدھو شاہ کی مدد کرو۔ دونوں نے مل کر تباہی مچا دی۔ تبھی بُدھو شاہ کا بیٹا تیر لگنے سے ہلاک ہوا۔ اُس کے جسم کو اپنے قبضہ میں لینے کے لئے گھمسان کا رَن مچ اُٹھا لیکن کرپال چند نے بہت بہادری سے اس لاش کو اپنے قبضہ میں لیا۔

بنارس کا ایک مستری رام سنگھ گورو جی کے لئے ایک نئی توپ بنا کر لایا تھا۔ وہ خود ہی اُس توپ کو چلا رہا تھا۔ اس نے پہاڑی راجاؤں کی فوج کے لئے قیامت جگا دی۔

راجہ فتح شاہ نے بھاگتے ہوئے پٹھانوں کو للکار کے کہا ـــــ تم تو کہتے تھے کہ گورو کے ساتھی لڑنا نہیں جانتے۔ اَب اُن کے سامنے گیدڑوں کی طرح بھاگتے کیوں ہو؟"

پٹھانوں کا سردار حیات خاں طیش میں آکر آگے بڑھا۔ مار کاٹ مچانے لگا۔

تبھی مہنت کرپال نے گورو جی سے کہا ـــــ "مجھے اجازت دیجئے میں بھی لڑوں گا۔"

گورو جی اُس بھاری بھرکم ننگ دھڑنگ سادھو کو دیکھ کر مُسکرائے۔ اُس کے سر پر جٹائیں تھیں۔ کمر میں لنگوٹی۔ سارا بدن ننگا۔ اُس پر راکھ ملی ہوئی۔ گورو جی بولے ـــــ "کس ہتھیار سے لڑو گے مہنت جی؟"

مہنت جی نے اپنا گرز دکھاتے ہوئے کہا ـــــ "اس ہتھیار سے"

گورو مہاراج نے اجازت دی تو یہ سادھو بابا اپنے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے آگے بڑھے اور پٹھانوں میں گھُس کر اپنا گرز چلانے لگے۔ حیات خاں نے مہنت کو دیکھ کر حقارت سے کہا۔ "جاؤ۔ سادھو۔ یہ جنگ کا میدان ہے۔ بھیک مانگنے کی جگہ نہیں۔ اپنی یہ مُوگلی لے کر چلے جاؤ۔ یہ ہتھیار نہیں ہے اور ہم بے ہتھیاروں سے نہیں لڑتے۔"

مہنت کرپال گرز گھماتے ہوئے بولے ـــــ "اَبے۔ اِدھر آ۔ وہاں سے باتیں بنا رہا ہے۔"

حیات خاں پرے ہٹا تو مہنت کرپال اُس کے پیچھے تھے۔

آخر حیات خاں نے تلوار اُٹھا کر کہا ـــــ "نہیں مانتا تو یہ لے"۔ اور اُس نے کوشش کی کہ مہنت کو تلوار سے کاٹ دے۔ مہنت نے تلوار کو اپنے گرز پر روکا۔ وہ ٹکڑے ٹکڑے

ہوگئی۔ تبھی جھنت کرپال نے گھوڑے کی رکاب پر کھڑے ہوکر گرز کو دونوں ہاتھوں میں لے کر پوری طاقت سے حیات خاں کے سر پر دے مارا۔ اُس کا سر چکنا چور ہوگیا۔

گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے لکھا ہے ــــ "کرپال کے گرز سے پٹھانوں کے سردار حیات خاں کا سر اِس طرح پھٹا اور اُس کا بھیجا اِس طرح باہر آیا جیسے کرشن نے کسی گوالن کی مٹکی پھوڑ دی ہو اور اُس کا مکھن باہر پھوٹ پڑا ہو۔"

گورو جی کی فوج میں لال چند نام کا ایک حلوائی بھی تھا۔ اُس نے جنگ دیکھی تو گورو جی کے پاس جا کر بولا۔ "سچے پادشاہ۔ مجھے بھی اجازت دو۔ مَیں بھی لڑوں گا۔"

گورو مہاراج نے کہا۔ "لڑنا چاہے تو لڑ۔ کسی گھوڑے پر سوار ہو جا۔ اور دیکھ تلوار کو دائیں ہاتھ میں پکڑنا۔ ڈھال کو بائیں ہاتھ میں۔"

یعنی اس غریب کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ تلوار پکڑتے کیسے ہیں۔

وہ آگے بڑھا تو بھیکن خاں نے اپنے ایک ساتھی میر خاں سے کہا۔ "دیکھ وہ اور وہ بھی لڑنے آیا ہے۔ آگے بڑھ کر اِس کا سر کاٹ دے۔"

میر خاں آگے بڑھا۔ اُس نے وار کیا۔ حلوائی نے اُسے ڈھال پر سہتے ہوئے گورو جی کو یاد کر کے پوری طاقت سے تلوار چلائی۔ تو میر خاں کا سر دھڑ سے الگ ہوگیا۔

اِس طرح یہ جنگ ہوتی رہی۔ گورو مہاراج دُور کھڑے ہدایتیں دیتے رہے اور تیروں کی بارش کرتے رہے۔ جہاں وہ دیکھتے کہ اُن کے آدمی مصیبت میں ہیں، وہیں وہ اِس طرح تیروں کی بوچھاڑ کرتے کہ دشمن کے پرے کے پرے صاف ہو جاتے۔ اور آخر میں ــــ گورو مہاراج کے اپنے شبدوں میں سُنیئے۔

راجہ ہری چند نے غصّہ میں آکر تیر نکالے۔ چلائے۔ میرا گھوڑا زخمی کر دیا۔
تب ایک اور تیر چلایا جو میرے کان کے پاس سے ہوکر گزر گیا۔ میرے مالک نے مجھے بچا لیا۔ اُس کا تیسرا تیر میری پیٹی میں آکر لگا۔ اُس کا تھوڑا حصّہ میرے جسم کے اندر بھی چبھا۔ یہ تیر لگا تو مجھے غصّہ آگیا۔ مَیں نے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ اِن تیروں کی مار سے گھبرا کر میرے دشمن بھاگنے لگے۔ راجہ ہری چند میرے تیر سے مارا گیا۔ ہمارے گھوڑوں نے دشمن کی لاشوں کو روند ڈالا۔ دشمن سب طرف سے بھاگنے لگا ــــ اکال پُرکھ کی مہر سے ہمیں فتح ملی۔ اِس فتح کے

بعد ہمارے سپاہی اکال پُرکھ کا دھنیہ واد کرنے کو گانے لگے ۔ میں نے اُنہیں دولت دی ۔ دُوسرے تحفے دیئے ۔ سب طرف خوشی کی لہر ناچ اُٹھی ۔"

اِس طرح بھنگانی کی جنگ ختم ہوئی ۔ کئی لوگ مرے ۔ گورو جی کے کئی ساتھی بھی شہید ہوئے ———— لیکن ہر طرف گورو جی کی دھاک بیٹھ گئی ۔ فاتحانہ انداز میں وُہ پاؤنٹا کو واپس آئے ۔ ہر طرف اُن کی جے جے کار ہو اُٹھی ۔

۵

شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے "بچتر ناٹک" میں ایک جگہ کہا ہے ـــــ "اَب مَیں اپنی کتھا بکھانوں" ـــــ (اب مَیں اپنی کہانی سناؤں گا)۔ لیکن دراصل یہ خوبصورت گرنتھ اُن کے جیون کی پُوری کہانی نہیں۔ اس میں بھنگانی کی جنگ کے بعد کچھ دُوسری چھوٹی لڑائیوں کا ذکر ہے۔ تب اورنگ زیب کے بیٹے شہزادہ معظم کی پنجاب میں آمد کا ـــــ اور پھر گورو مہاراج نے اپنی جیون کہانی کا ذکر ختم کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ باقی کہانی وہ بعد میں لکھنا چاہتے تھے۔ لیکن اُسے لکھنے کا وقت اُنہیں نہیں مل سکا۔

بھنگانی کی جنگ کے بعد جو کچھ اُنہوں نے کیا وہ اُن کی ایسی عظمت کا ثبوت ہے جو کسی بھی دُوسرے مہاپرش میں شاید ملے گی نہیں۔ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ گورو جی کے دل میں ظلم و ناانصافی کے سوائے کسی کے لئے نفرت نہ تھی، دشمنی نہ تھی، پرایا پن نہ تھا ـــــ

بھنگانی کی جنگ میں "بائیس دھار" کے پہاڑی راجاؤں کی شکست اصل میں مغل حکومت کی شکست تھی۔ اُس نے ان راجاؤں کو گورو مہاراج پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ اس کے لئے متحد کیا۔ شاید بلاواسطہ مدد بھی دی۔ اور راجاؤں کی یہ پُوری "پلٹن" جب اکیلے گورو گوبند رائے کے سامنے ذلت آمیز شکست قبول کرنے پر مجبور ہوئی تو قدرتی طور پر مغل حکومت نے اُنہیں آنکھیں دکھانا شروع کیا۔ پہاڑی علاقے کا مغل صوبے دار اُن دنوں جموں میں تھا۔ وہاں سے اُس نے اپنے جرنیل الف خاں کو پہاڑی راجاؤں کے پاس بھیجا کہ پُرانا ٹیکس ادا کرو جو ابھی تک واجب الادا ہے اور کئی برسوں کا جمع ہو گیا ہے ـــــ شاید یہی وہ دھمکی تھی جو اورنگ زیب نے ان راجاؤں کو دی اور جس کی وجہ سے یہ گورو مہاراج پر بلاوجہ حملہ کرنے کو تیار ہوئے غالباً انہوں نے سمجھا کہ کئی کروڑ روپیہ ٹیکس دینے کی بجائے ایک نہتے مہاتما پر ظلم کرنا زیادہ

آسان نہ ہے ـــــ یہ مکر وہ چال پھل نہیں ہوئی اور پہاڑی راجہ لوگ میدانِ جنگ سے بھاگے تو مغل حکومت کے ایجنٹ اُن کے پاس پہنچ گئے کہ ـــــ لاؤ ـــــ اب پُرانے ٹیکس ادا کرو۔"

اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ مُصیبت سب سے زیادہ راجہ بھیم چند پر پڑی جس نے باقی راجاؤں کو گورو جی پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔ الف خاں نے راجہ بھیم چند کے پاس ٹیکس دینے کے لئے پیغام بھیجا تو راجہ کے پاس اتنا روپیہ تھا نہیں۔ اُس نے انکار کیا تو الف خاں نے اُس پر اور کچھ دُوسرے راجاؤں پر حملے کی تیاری شروع کر دی جنہوں نے ٹیکس دینے سے انکار کیا تھا۔ کچھ پہاڑی راجاؤں کو اُس نے اِس وعدے پر ساتھ مِلا لیا کہ اُن سے ٹیکس نہیں لیا جائے گا۔ بھیم چند نے یہ حالت دیکھی تو گھبرایا! اور اُنہی گورو مہاراج کو مدد کے لئے پکارنے لگا جن پر حملہ کرنے کی ترغیب اُس نے پہاڑی راجاؤں کو دی تھی اور جن کے متعلق اُس نے اعلانیہ کہا تھا۔ کہ "گورو میرا دشمن ہے۔ دشمن کا دوست میرا دوست کبھی ہو نہیں سکتا" ـــــ لیکن گورو جی کی عظمت یہ ہے کہ وُہ اِس پکار کو سنتے ہی پچھلی سبھی باتوں کو بھول گئے! انہوں نے راجہ کے پاس پیغام بھیجا ـــــ "تم ڈٹے رہو۔ ٹیکس مت دو۔ میں تمہاری مدد کیلئے آ رہا ہوں"۔

اور ایک بار پھر وُہ اپنی فوج لے کر میدانِ جنگ کو چل پڑے۔ یہ جنگ "نادون" میں ہوئی اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اِس جنگ میں راجہ بھیم چند اور اس کے ساتھی راجاؤں کو فتح ملی۔ اُسے نیست و نابود کرنے کی دھمکی دینے والا الف خاں ہار گیا۔ اُس کا ساتھ دینے والے دُوسرے پہاڑی راجے ہار گئے۔

لیکن جس طرح گورو مہاراج کی عظمت کی انتہا نہ تھی اُسی طرح بھیم چند کی ذلالت کا بھی انت نہیں تھا۔ نادون کی جنگ کے کچھ ہی دیر بعد ایک پٹھان سردار دلاور خاں نے جو پنجاب میں کافی طاقتور ہو رہا تھا گورو جی کو چیلنج کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُس نے اپنے بیٹے کو بھیجا کہ گورو گوبند رائے کو پکڑ لاؤ۔ میں اُسے اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہوں" ـــــ بیٹا اپنی فوج کے ساتھ گورو جی پر حملہ آور ہوا گورو جی نے اُس کی فوج کا بھرتہ بنا کر "بیٹا صاحب" کو چھوڑ دیا کہ "جاؤ۔ اپنے ابا سے جا کر کہو ـــــ فقیروں سے لڑنا اچھا نہیں ـــــ" دلاور خاں کو یہ بات معلوم ہوئی تو وُہ آگ بگولا ہو گیا۔ بہت بڑی فوج دے کر اُس نے اپنے جرنیل حسینی کو گورو جی پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا ـــــ اور ـــــ راجہ بھیم چند اور کچھ دُوسرے پہاڑی راجے گورو مہاراج کا

ساتھ دینے کی بجائے حسینی کے اتحادی بن گئے۔ اپنی اپنی فوجیں لے کر گورو جی سے لڑنے کو چل پڑے ——— اور ——— ایک بار پھر گورو مہاراج کو فتح ملی حسینی مارا گیا اُس کی فوج تحس نحس ہوگئی۔ اُس کا ساتھ دینے والے دو پہاڑی راجے بھی مارے گئے۔ باقی راجہ صاحبان اپنی بچی کھچی فوج لے کر گیدڑوں کی طرح بھاگ گئے۔ بھاگنے والوں میں کلہور کا راجہ بھیم چند بھی تھا جس نے کچھ ہی دیر پہلے گورو جی کی مدد سے فتح حاصل کی تھی اور جس سے زیادہ ذلیل انسان شاید اُس زمانے میں تھا نہیں۔

اس کے بعد کافی دیر شانتی رہی۔

گورو مہاراج آنند پور میں تھے۔ وہیں اُنہوں نے چار قلعے تعمیر کرائے — آنند گڑھ — لوہ گڑھ کیش گڑھ — فتح گڑھ — امن اور چین کے اِن دنوں میں بھی وُہ اپنی فوج بڑھا رہے تھے۔ اپنے ساتھیوں کو فوجی تربیت دے رہے تھے۔ آنند پور کی رونق دِن بدن بڑھ رہی تھی۔ اَب وُہ ایک گاؤں یا قصبہ نہیں کافی بڑا شہر بن گیا تھا۔ امن اور چین کے اِس عرصہ میں ہی وُہ عظیم بات ہوئی ——— "خالصہ کا جنم" — جس نے اِس دلیش کے اتہاس کو بدل دیا۔ لیکن اُس کے ذکر سے پہلے میں ایک ایسے واقعہ کا ذکر کیا چاہتا ہُوں جس کے متعلق واضح طور پر دو[۲] رائیں ہیں۔

ایک یہ کہ وُہ ہُوا۔ دُوسری یہ کہ بالکل نہیں ہُوا۔ اُس کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے وُہ سب جھُوٹ ہے ——— یہ واقعہ ہے اُس "چنڈی یگیہ" کا جس کے متعلق کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ گورو مہاراج نے اُسے کیا یا برہمنوں سے کرایا۔ کچھ دُوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ گورو گوبند سنگھ جی کے متعلق ایسی بات کہنا ہی پاپ ہے۔ جو لوگ مانتے ہیں کہ یہ "چنڈی یگیہ" یقینی طور پر ہُوا اُن میں ایک تو وُہ سناتن دھرمی شاکت لوگ ہیں جو شکتی کے پُوجاری ہیں اور چنڈی کو مانتے ہیں۔ دوسرے وُہ نامدھاری سکھ سجن ہیں جو نہ صرف اُس "چنڈی چرتر" — "چنڈی دی وار" — اور "اُگر دنتی" کا جاپ کرتے ہیں جنہیں شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے لکھا بلکہ باقاعدہ آگ جلا کر اُس میں گھی اور خوشبودار سامگری کی آہوتیاں ڈال کر "چنڈی یگیہ" بھی کرتے ہیں ——— اور جو لوگ مانتے ہیں کہ "چنڈی یگیہ" کی یہ ساری کہانی محض ایک گپ ہے وُہ ہیں ایسے سکھ وِدوان جو شری گوبند سنگھ جی مہاراج کے فلسفہ کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد بجا طور سے اِس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وُہ نہ تو کسی دیوی دیوتا کو مانتے تھے، نہ یگیہ دھون وغیرہ کے طرزِ عبادت کو۔

دونوں میں کون سچا ہے؟ ــــ اس کا فیصلہ کرنا آسان نہیں۔ تین سو برس کے بعد کوئی تحریری یا شہادتی ثبوت اس معاملہ میں مل نہیں سکتا۔ صرف ٹھنڈے دل سے اور تعصب کو پرے ہٹا کر منطق کی نگاہ سے دیکھنے پر شاید کچھ سچائی معلوم ہو سکتی ہے اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ بالا دونوں قسم کے لوگوں نے یہ فیصلہ پہلے کیا کہ انہیں فیصلہ کیا کرنا ہے۔ اس کے بعد اس فیصلے کو درست ثابت کرنے کے لئے وہ دلیلیں تلاش کرتے رہے ــــ اس لئے درست فیصلے پر پہنچ نہیں سکے۔ ــــــــــــ

اس معاملہ میں اگر ہم اصلیت کو جاننا چاہتے ہیں تو چار سوال ہمیں سامنے رکھنے ہوں گے۔ اُن کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔

۱۔ پہلا سوال یہ ہے کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کیا چنڈی، کالکا، مہا کالی، درگا کالی مائی، بھگوتی اور اس قسم کے دوسرے ناموں سے پکاری جانے والی ہستی میں وشواش رکھتے تھے؟ کیا اُن کے دل میں اس ہستی کے لئے شردھا تھی؟

۲۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا وہ چنڈی، کالکا یا بھگوتی کو اسی رُوپ میں مانتے تھے جس رُوپ میں سناتن دھرمی شاکت لوگ مانتے ہیں؟ کیا وہ اس کی مورتی کو مانتے تھے؟ یہ مانتے تھے کہ اُس کی ایسی صُورت ہو سکتی ہے جو آنکھوں سے دکھائی دے؟ کیا وہ اس صُورت کی پُوجا کرتے تھے؟

۳۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ۔ کیا انہوں نے یہ چنڈی یگیہ خود کیا یا کرایا؟ ــــ اور ــــ

۴۔ چوتھا سوال یہ ہے کہ۔ کیا اِس یگیہ سے واقعی کوئی چنڈی پرگٹ ہوئی؟

پہلے سوال کے متعلق میری قطعی رائے یہ ہے کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج اُس مہاشکتی کی ہستی کو مانتے تھے جسے وہ چنڈی، کالکا، کالی، مہا کالی، درگا، بھگوتی وغیرہ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ قریباً ہر گرنتھ میں اُس شکتی کا ذکر نہ کرتے جس نے "شمبھ" ــ "نشمبھ" ــ "چنڈ" ــ اور "مُنڈ" وغیرہ کو تباہ کر کے پاپ اور اتیاچار کو ختم کیا اور دھرم کے راج کو پھر سے قائم کیا۔ اس مہاشکتی کے سامنے اندر، وشنو، برہما، شو۔ سب بیکار ہیں۔ جو راکشش کبھی دُوسرے سے نہیں ہارے، جن سے خوفزدہ ہو کر یہ سب دیوتا بھاگتے پھرے انہیں اس مہاشکتی نے تہس نہس کر کے رکھ دیا ــــ اس مہاشکتی میں شردھا رکھنے کی وجہ سے ہی انہوں نے اپنے قریباً ہر گرنتھ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ سکھ بھائی ہر دو

"ارداس" کرتے وقت یہ شبد پڑھتے ہیں۔

پرتھم بھگوتی سِمر کے گورو نانک لیئیں دھیائے

پھر انگد تے گورو امر داس رام داسے ہوئیں سہائے

ارجن ہرگوبند نوں سِمرو سِری ہر رائے

شری ہری کرشن دِھیائیے جِس ڈِٹھے سَب دُکھ جائے

گورو تیغ بہادر سِمرئیے گھر نو ندھ آوے دھائے

سَب تھائیں ہووے سہائے ــــــــ"

سَب سے پہلے بھگوتی کو یاد کر کے شری گورو نانک جی کا دھیان کرو۔ پھر گورو انگد دیو جی کا۔ گورو امر داس جی کا۔ گورو رام داس جی کا سب سہائتا کریں۔ گورو ارجن دیو جی کو یاد کرو۔ گورو ہرگوبند جی کو۔ گورو ہر رائے جی کو۔ تب شری ہری کرشن جی کو یاد کرو۔ جن کو دیکھنے سے سَب دُکھ دُور ہو جاتے ہیں اور گورو تیغ بہادر جی کو یاد کیجئے جن کی کرپا سے گھر میں ہر قسم کی دولت آتی ہے۔ سَب جگہ سَب کی مدد ہو ــــــــ"

مَیں نے اِس شبد کا وہی ارتھ کیا ہے جو عام طور پر سِکھ بھائی کرتے اور سمجھتے ہیں لیکن شائد بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ یہ شبد اُس "چنڈی دی وار" کے شروع میں آتا ہے جس میں اُس "چنڈی" کی اُستتی ہے جس نے چنڈ، مُنڈ، شمبھ اور نشمبھ کو تہس نہس کر دیا۔ اگر گورو مہاراج کو اِس مہاشکتی کی ہستی پر وشواس نہ ہوتا تو وہ "چنڈی دی وار" گرنتھ میں اَرداس کیوں لکھتے جسے اُن کے سِکھ ہر روز پڑھتے ہیں۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ "چنڈی دی وار" گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ میرا پکا یقین ہے کہ جو لوگ ایسی بات کہتے ہیں وہ سراسر غلط کہتے ہیں۔ لیکن اگر یہ خیال درست ہے تو پھر یہ "اَرداس" (جو اِس گرنتھ میں آتی ہے) سِکھوں کے ہر دھارمک اجتماع میں کیوں پڑھی جاتی ہے۔

اور پھر یہی نہیں۔ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کیا چاہتے تھے اور اُن کے جیون کا آدرش کیا تھا۔ اِس کا ذکر کرتے ہوئے عام لوگ یہ "سویا" سُناتے ہیں۔

"دیہہ شِوا۔ ور موہے۔ اِہے
شُبھ کرمن تے کبہوں نہ ٹروں
نہ ڈروں ارسو جب جائے لروں
نِشچے کر اپنی جیت کروں
اَرو سِکھ ہوں اپنے ہی مَن کو
ایہہ لالچ گُن تو اچروں
جب آو کی اودھ ندان بنے
اَت ہی رَن میں تب جُوجھ مروں"

ہے ایشور۔ مجھے یہ وَر دو کہ مَیں نیک کام سے کبھی پیچھے نہ ہٹوں۔
دشمن سے لڑوں تو ڈروں نہیں۔ یقینی طور سے فتح حاصل کروں اور
اپنے ہی من کی بات مان کر اِس اِچھا کے ساتھ تمہارا گُن گاتا ہوں۔ کہ
جب میرا آخری وقت آئے تب مَیں دھرم کے لئے لڑتا لڑتا
شہید ہو جاؤں ـــــــ"

گورو مہاراج کا یہ شبد صحیح معنوں میں اُن کے "جیون آدرش" کو اور اُن کی جیون اِچھا کو بیان کرتا ہے لیکن گورو مہاراج نے یہ شبد لکھا اُس گرنتھ کے آخر میں جس کا نام "چنڈی چرتر" ہے اور جس میں انہوں نے اُس شُمبھ، نشُمبھ، چنڈ، مُنڈ اور دھوم لوچن وغیرہ راکششوں کو مارنے والی دُرگا، بھوانی، مہا کالی، جگت ماتا، کالکا یا چنڈی کی کہانی بیان کی ہے۔ اِس چنڈی کا ایک نام "شِوا" (شِو کی پتنی۔ یا شِو کی شکتی) بھی ہے۔ اُسی "شِوا" سے شری گورو مہاراج نے متذکرہ بالا "ور" مانگا ہے ــــــ

ایسی اور بھی کئی مثالیں دے سکتا ہوں لیکن ...... (اور یہ دوسرے سوال کا جواب ہے)۔
اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج چنڈی، درگا، مہاکالی، شِوا یا بھوانی کو اُس روپ میں مانتے تھے جس روپ میں سناتن دھرمی شاکت لوگ وشواس کرتے ہیں۔ اِس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ گورو مہاراج صرف ایک ایشور کو مانتے تھے۔ اُس کے علاوہ کسی دیوی یا دیوتا کو نہیں۔ ایسی حالت میں چنڈی یا درگا کو پورانک دھرم کے ۳۳ کروڑ دیوی دیوتاؤں میں سے ایک دیوی کو ماننے کا سوال اُن کے لئے پیدا نہیں ہوتا۔ اُن کے لئے چنڈی، کالی، بھوانی، شِوا یا ایسے ہی دوسرے ناموں سے پکارے جانے والی مہاشکتی سورگ میں رہنے والے ان گنت دیوی دیوتاؤں میں سے ایک دیوی نہیں بلکہ وہ مہاشکتی اور پرم شکتی ہے جو سب کی مالک اور خالق ہے۔ جسے وہ "ایک اونکار" — "واہگورو" — "پرمیشور" — "پرم پرکھ" — "اللہ" — اور "خدا" بھی کہتے ہیں۔

صرف درگا، بھوانی یا چنڈی کے معاملہ میں نہیں، کئی دوسرے ناموں کے معاملہ میں بھی وہ اپنی اچھا سے کام لیتے ہیں۔ اِن ناموں کو استعمال وہ کرتے ہیں لیکن اُن معنوں میں نہیں کرتے جن میں سناتن دھرمی یا پورانک ہندو کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اُن کا یہ شبد دیکھئے۔

"پربھوجی — تو کہہ لاج ہماری۔
نیل کنٹھ۔ نرہری۔ نارائن۔ نیل بسن۔ بنواری
پرم پرکھ۔ پرمیشر۔ سوامی۔ پاون۔ پون اہاری
مادھو۔ مہاجوتی۔ مدھومردن۔ مان مکند مراری"

پربھوجی! — تم ہماری لاج رکھو ہمیں بچالو — ہے نیل کنٹھ۔ نرہری۔
نارائن۔ نیلے کپڑے پہننے والے۔ بنواری — ہے پرم پرش۔ پرمیشور۔
مالک ہے مقدس۔ ہوا پر رہنے والے۔ مادھو۔ مہاجیوتی۔ مدھو
راکشش کو مارنے والے۔ مان مکند۔ مُرا راکشش کی ہتیا کرنے والے۔
تم کو ہماری لاج ہے ———— "

اِس شبد میں "نیل کنٹھ" — "نرہری" — "نیل بسن" — "بنواری" — "مادھو" — "مدھومردن" "مکند" — "مُراری" ——— یہ سب کے سب یا تو شری کرشن کے نام ہیں یا بھگوان شِو اور

بھگوان وشنو کے۔ لیکن شری گورو گوبند سنگھ جی شری کرشن، شو یا وشنو کو "پرم پرش" اور "پرمیشور" تو نہیں مانتے۔ اس کے باوجود انہوں نے ایشور کے لئے یہ نام استعمال کئے تو اس لئے کہ عام طور سے لوگ ان ناموں کو ایشور کے لئے استعمال کرتے تھے۔ گورو مہاراج نے بھی کر دیئے۔ لیکن ان ناموں کو استعمال کرتے وقت وہ کرشن، شو یا وشنو کے متعلق سوچ نہیں رہے تھے۔ صرف اس مہاشکتی کے متعلق سوچ رہے تھے جسے وہ پرم پرش، پرمیشور کہتے ہیں۔

اس طرح جب وہ چنڈی، کالی، درگا، بھگوتی یا شوا وغیرہ کا نام لیتے ہیں تو ان کا مطلب اسی "پرم شکتی" سے ہے جس سے بڑی اور کوئی طاقت نہیں۔ اس ایک مہاشکتی، پرم شکتی، پرم پرش یا پرم ایشور کا کوئی بھی روپ ہے ایسا وہ مانتے نہیں تھے۔

"مہاشکتی" یا "پرم شکتی" چونکہ لفظی طور پر مونث ہے اس لئے اس کا خیال آتے وہ اسے خطاب کرتے ہیں تو اس طرح جیسے کسی عورت کو خطاب کیا جاتا ہے۔ دریا کی روانی کی طرح ان کی باتیں چلتی ہے۔

نمستم اکالے۔ نمستم کرپالے۔ نمستم اروپے۔ نمستم انوپے
نمستم ابھیکھے نمستم الیکھے۔ نمستم اکائے۔ نمستم اجائے

"ہے پرم شکتی! نمسکار ہے تجھے۔ تجھے جس کے لئے کوئی موت نہیں۔ جو ہمیشہ رحیم ہے۔ جس کا کوئی روپ نہیں۔ جو لامثال ہے۔ جس کا کوئی بھیس نہیں۔ جسے کوئی دیکھ نہیں سکتا جس کا کوئی جسم نہیں۔ جو کبھی پیدا نہیں ہوا ——————"

اس شبد کو لکھتے وقت ان کے من میں "پرم شکتی" کا تصور تھا۔ اس کی بجائے اگر "پرم پرش" کا تصور ہوتا تو وہ لکھتے۔

نمستم اکالم۔ نمستم کرپالم۔ نمستم اروپم۔ نمستم انوپم

—— گورو مہاراج سنسکرت بھاشا کے ودوان تھے۔ ان کے لئے ایسا کرنا کٹھن نہیں تھا۔ ——————

لیکن پرم پرش یا پرمیشور کو پرم شکتی کے روپ میں یاد کرتے ہوئے بھی وہ اس بات کو کبھی

بھولتے نہیں کہ پرم پُرش ہو یا پرم شکتی۔ اُس کا کوئی روپ نہیں۔ اُس کا کوئی جسم نہیں۔ اُس کا کبھی جنم نہیں ہوتا —— وُہ عورت نہیں۔ مرد نہیں۔ بچہ نہیں۔ بوڑھا نہیں۔ سوائے اس بات کے کہ وُہ مہاشکتی ہے اور پرم جیوتی ہے۔ وُہ اوتار لیتی ہے نہ کسی روپ میں آتی ہے۔ نہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے "اکال استت" میں وُہ کہتے ہیں۔

زمیں زماں کے وِکھے سمست ایک جوت ہے
نہ گھاٹ ہے نہ باڑھ ہے نہ گھاٹ باڑھ ہوت ہے

ایسی حالت میں کسی ایسے یگیہ کو کرانے یا کرنے کا سوال اُن کے لئے پیدا نہیں ہوتا جس سے عورت کے رُوپ میں چنڈی دیوی نکل آئے گی۔

تب اس سوال کا جواب کیا ہے کہ گورو مہاراج نے یہ یگیہ خود کیا یا دُوسروں سے کرایا کہ نہیں ؟

پچھلے دِنوں شری گورو گوبند سنگھ جی کی زندگی کے متعلق کئی کتابوں کا مَیں نے مطالعہ کیا۔ ان میں زیادہ تر کتابوں میں "چنڈی یگیہ" کا ذکر تک نہیں۔ ایک صاحب نے اس کا ذکر کیا ہے۔ تو یہ ثابت کرنے کے لئے کہ یہ یگیہ کبھی ہُوا نہیں۔ اس کے متعلق گھڑی گئی سب کہانیاں جھوٹ ہیں اپنی ساری علمیت اور قابلیت اُنہوں نے اس بات پر صرف کر دی ہے کہ "چنڈی یگیہ" اور "گورو گوبند سنگھ" دونوں کا ایک ساتھ ذکر بدترین قسم کا کفر ہے۔ مَیں نے ان کتابوں کو دیکھا۔ دِل ہی دِل میں کہا۔ "یہ سب مسٹر میکالف کے چیلے ہیں"۔

مسٹر میکس آرتھر میکالف —— ایک انگریز افسر تھے جو کئی برس تک ہندوستان میں رہے۔ اُنہوں نے شری گورو گرنتھ صاحب کا، سکھ دھرم اور سکھ اتہاس کا مطالعہ اتنی گہرائی سے کیا کہ لوگ انہیں "میکالف سنگھ" کہنے لگے اُنہوں نے چھ جلدوں میں ایک کافی ضخیم اور اطلاعات آمیز کتاب لکھی ہے جس کا نام "سکھ ریلیجن" ہے —— لیکن یہ صاحب بہادر محض بھگتی بھاؤ کی وجہ سے یا بغیر کسی دُنیاوی غرض کے یہ سَب کچھ کرتے رہے ہوں ایسا مجھے معلوم نہیں ہوتا۔ اُنہوں نے کافی مطالعہ کیا۔ کافی محنت کی۔ یہ ظاہر کرنے کی کوشش بھی کی کہ وُہ بہت بڑے کٹر گورو بھگت ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ وُہ گوربانی سے بھلے ہی متاثر ہوئے

ہوں (کیونکہ اس امرت سے متاثر ہوئے بنا کوئی رہتا نہیں) ـــــ اِن کی تمام تر دوڑ دھوپ کا اصل مقصد ہندوؤں اور سکھوں میں پھوٹ ڈالنا تھا۔ ۱۹۰۹ء میں اُن کی کتاب شائع ہوئی۔ اُس سے پہلے اور اُس سے بعد کی حالت کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کتنا زہر اس آدمی نے اِس قسم کے دُوسرے انگریز افسروں نے اور اُن کے ایجنٹوں نے پیدا کیا۔ اِن لوگوں کی بدنصیبی یہ ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں کے آپسی تعلقات اتنے گہرے ہیں کہ انہیں اُتنی پھلتا نہیں سا ملی جتنی انہی کے دُوسرے بھائی بندوں کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے معاملہ میں حاصل ہوئی۔

اِس لئے اِن کتابوں کو دیکھ کر (جن میں چنڈی یگیہ اور شری گوبند سنگھ جی مہاراج کا ساتھ ساتھ ذکر بھی گناہ سمجھا گیا) مَیں نے کہا کہ "انہیں لکھنے والے میکالف کے چیلے ہیں"۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسٹر میکالف کی کتاب میں مجھے چنڈی یگیہ کا وُہ ذکر ملا جو میرے خیال میں کلیتاً درست ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ مسٹر میکالف نے یہ کتاب آج سے ۷۰ برس پہلے اُس وقت لکھی جب سکھ ودوان بھی چنڈی یگیہ کا ذکر کھلے عام کرتے تھے۔ اِس لئے مَیں مسٹر میکالف کی بیان کردہ کہانی کو معمولی تبدیلی کے ساتھ یہاں لکھنا چاہتا ہوں۔

گورو مہاراج تب آنند پور میں تھے۔ غالباً ۱۶۹۹ء کی بات جب گورو جی کے چوتھے شہزادے فتح سنگھ کا جنم ہوا۔ شہزادہ اجیت سنگھ کا جنم ۱۶۸۷ء میں ہوا۔ جب خود شری گورو گوبند سنگھ جی ۲۱ برس کے تھے۔ دُوسرے شہزادے زور آور سنگھ کا جنم ۱۶۹۱ء میں ہوا اور تیسرے شہزادے شری جوجھار سنگھ کا جنم شری فتح سنگھ سے دو برس پہلے ۱۶۹۷ء میں۔

یہ وہ دِن تھے جب آنند پور میں ایک طرف "بھگتی رس" دوسری طرف "ویر رس" کا سمندر گرج رہا تھا۔ ارجن، بھیم، اور دُوسرے بہادروں کی کہانیاں گرجتی ہوئی نظموں میں سُنائی جاتی تھیں۔ خود گورو مہاراج بھی ایسی کویتائیں لکھتے اور سُنایا کرتے تھے۔ اُن کے ۵۲ کوی بھی ایسا کرتے تھے۔ جوق درجوق جمع ہونے والے سکھوں میں بھی خواہش پیدا ہوتی تھی کہ وُہ بھی بہادری کے ایسے کارنامے کر سکیں کہ اُن کے تیروں کے سامنے کوئی ٹھہرے نہیں۔ تلوار کے سامنے کوئی ٹھہرے نہیں۔ ایسے ہی کچھ سکھوں نے ایک دن ایک برہمن سے پوچھا ـــــ "بھیم، ارجن اور دُوسرے بہادروں میں اِتنی طاقت کیسے آگئی ؟"

برہمن نے کہا ــــــ "وہ لوگ درگا کے پُوجاری تھے۔ اُنہوں نے مہاچنڈی کا یگیہ کیا۔ اُس سے دُرگا بھوانی پرگٹ ہوئی۔ اُس کے وردان کی وجہ سے ان لوگوں کے پاس اتنی طاقت آگئی۔"

ایک سکھ نے پُوچھا ــــــ "آج کل ایسا یگیہ کرنے سے درگا مائی پرگٹ نہیں ہو سکتی؟"

برہمن بولا ــــــ "آج کل کلجگ ہے۔ منتروں میں وہ طاقت نہیں۔ برہمنوں میں وہ طاقت نہیں۔ پھر بھی اگر اچھے برہمن تلاش کئے جائیں اور ٹھیک طریقہ سے یگیہ کیا جائے تو غیر ممکن نہیں کہ درگا پرگٹ ہو جائے۔ ایک بار وہ پرگٹ ہو اور وردان دیدے تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت تمہیں ہرا نہیں سکتی۔ تم جدھر جاؤ گے اُدھر فتح ملے گی۔"

اِن سجنوں نے یہ بات گورو جی سے کہی۔ گورو مہاراج نے سب کچھ سُنا اور مُسکرا دیئے۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ سب وہم ہے۔ ایسا کبھی ہوتا نہیں۔

لیکن اُن سجنوں نے گورو مہاراج پر زور دیا کہ وُہ بھی چنڈی یگیہ کرائیں اور درگا ماتا سے وردان حاصل کریں ــــــ

گورو مہاراج کے لئے ایک سیدھا سا طریقہ یہ تھا کہ اُن کی بات ماننے سے انکار کر دیتے۔ اور انہیں کہتے کہ ــــ "یہ سب وہم کی باتیں ہیں۔ پار برہم پرمیشور کا کوئی روپ نہیں۔ کسی بھی یگیہ میں وُہ عورت یا مرد کا روپ دھارن کر کے پرگٹ نہیں ہوتے ــــــ لیکن غالباً اُنہوں نے سمجھا کہ ایسا کرنے سے اِن سیدھے سادھے لوگوں کے دِل میں شک رہے گا کہ برہمن کی بات سچ ہے یا گورو جی کی۔ اِس لئے اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ عملی طور پر انہیں اصلیت سے آگاہ کریں گے اور ٹھوس اصلیت کو اُن کے سامنے رکھ کر انہیں بتائیں گے کہ جس بات پر وُہ یقین کر بیٹھے وُہ کتنی غلط ہے۔

تب برہمنوں کو بھوجن کی دعوت دی گئی۔

بہت سے برہمن آئے۔

گورو مہاراج نے اعلان کیا۔ "دو قسم کا بھوجن یہاں پروسا جائے گا۔ ایک ایسا جس میں گوشت ہوگا۔ دوسرا وُہ جس میں گوشت نہیں ہوگا۔ جو برہمن گوشت کھائیں گے انہیں سونے کی پانچ پانچ مُہریں دکشنا میں دی جائیں گی۔ جو گوشت نہیں کھائیں گے انہیں چاندی کے پانچ پانچ رُوپے دیئے جائیں گے ــــــ"

اور لوگوں نے حیرت سے دیکھا کہ ۱۲ برہمنوں کے سوا سب نے گوشت کھانا شروع کر دیا۔ اپنے دھرم کی نسبت سونا انہیں زیادہ عزیز تھا۔ جن برہمنوں نے گوشت نہیں کھایا۔ اُن سے گورو جی

نے پوچھا کہ ـــــ "تم چنڈی یگیہ کرواکے درگا کو پرگٹ کر سکتے ہو؟"

اِن برہمنوں نے کہا ـــــ "ہم یگیہ میں مدد کر سکتے ہیں لیکن یگیہ کرانے کے لئے سب سے موزوں آدمی کیشو پنڈت ہے۔"

اور تبھی ایسا اتفاق ہوا کہ کیشو پنڈت وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ "جوالا مکھی" جا رہے ہیں۔ یہ بھی بتایا کہ چنڈی یگیہ کرنے سے درگا ماتا ضرور پرگٹ ہوتی ہے لیکن اس یگیہ میں بہت روپیہ خرچ ہوتا ہے" ـــــ

گورو مہاراج کو روپے سے محبت تھی نہیں۔ انہوں نے بجا طور پر یہ بھی سمجھا کہ یہ آدمی بہت روپیہ خرچ ہونے کی بات کہہ کر انہیں ڈرانا چاہتا ہے۔ اس لئے انہوں نے واضح طور پر کہا کہ "جتنی بھی دولت ہو۔ میں دوں گا۔ تم اگر سچے ہو تو درگا کو پرگٹ کرو۔"

کیشو پنڈت نے ایک اور شرط پیش کی ـــــ "یہ یگیہ کسی بالکل ایکانت جگہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ کوئی وہاں پہنچ کر یگیہ کی پوترتا کو نشٹ نہ کر سکے۔"

گورو مہاراج نے نینا دیوی کے پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ـــــ "وہ ہے بالکل ایکانت جگہ۔ وہاں باہر کے آدمی نہیں جائیں گے۔"

کیشو پنڈت نے اُس جگہ کو دیکھا۔ خوش ہو کر کہا ـــــ "یہ ستھان بہت اچھا ہے۔ آپ جیسا بھگت ہو اور نینا دیوی کی چوٹی جیسا پوتر ستھان تو ماں ضرور درشن دے گی۔"

سامان کی فہرستیں بنائی گئیں۔ ہر چیز مہیا کی گئی۔ سینکڑوں من سامگری اور گھی وہاں جمع کر دیئے گئے۔ یگیہ شروع ہو گیا۔ صرف کیشو پنڈت اور اُن کے ساتھی برہمن یگیہ میں شامل ہوتے۔ یا پھر گورو مہاراج کبھی کبھی وہاں پہنچ جاتے۔

روایت ہے کہ ایک دن گورو مہاراج شکار سے واپس آتے ہوئے اُس یگیہ شالا کے قریب سے گزرے جو ابھی بن رہی تھی۔ شکار کئے ہوئے کچھ پرندے اُن کے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھے تھے۔ کیشو پنڈت نے انہیں دیکھا تو کہا ـــــ "آپ اِن پرندوں کو مارتے ہیں۔ دیوی آپ کو درشن کیسے دیگی؟"

گورو مہاراج بولے ـــــ "آپ لوگ تو دیوی کے سامنے بکرے کاٹ دیتے ہیں پھر اِن پرندوں پر اعتراض کیوں؟"

پنڈت نے کہا۔ "آپ کو یگیہ کرنا ہے۔ آپ کو پرندوں کی ہتیا نہیں کرنی چاہیئے۔"

گورو مہاراج ہنستے ہوئے بولے ——— ان کی ہتیا کہاں ہوئی؟ یہ تو زندہ ہیں۔"

پنڈت نے حیرت سے کہا "نہیں حضور۔ یہ تو مرے ہوئے ہیں۔"

گورو مہاراج نے اپنے ایک ساتھی کو کہا۔"ان پرندوں کو کھول دو"۔ کھولتے ہی سب پرندے آکاش میں اڑ گئے۔ پنڈت حیران ہؤا۔ پہلی بار اس پوجیہ مہاتما کی عظمت کو اس نے سمجھا۔

تب یگیہ شروع ہؤا۔ ایک روائیت کے مطابق ۹ مہینے یہ یگیہ ہوتا رہا۔ میرے خیال میں ۹ مہینے کی یہ بات غلط ہے۔ دیوی کی پوجا اور دیوی کے یگیہ عام طور سے "نوراتروں" میں ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ۹ مہینے نہیں بلکہ ۹ دن اور ۹ رات یہ یگیہ ہؤا ہو۔ کیشو پنڈت کی پیش گوئی تھی کہ درگا ماتا کے پرگٹ ہونے سے پہلے زلزلے آئیں گے۔ طوفان گرجیں گے۔ آسمان میں گھنگور گھٹائیں گھر آئیں گی بجلیاں تڑپ اٹھیں گی۔ جنگلوں میں جانور دھاڑ اٹھیں گے۔ اور کتنی ہی دوسری بھیانک باتیں ہونگی اس کی یہ بھی پیش گوئی تھی کہ پانچویں نوراترے کو دیوی درشن دے گی۔ لیکن نوراتروں کا پانچواں دن آیا اور چلا گیا۔ کچھ بھی ہوا نہیں۔ شام ہو گئی تو بھی کچھ نہیں ہؤا۔ رات ہو گئی تو بھی کچھ نہیں۔

کیشو پنڈت نے کہا ——— آج درگا ماں ضرور پرگٹ ہو گی۔ رات کا آخری پہر شروع ہو گا تو ماں یگیہ کی اس پوتر اگنی میں کھڑی نظر آئے گی۔"

لیکن رات کا آخری پہر شروع ہو گیا ——— تب بھی کچھ نہیں ہؤا تو ......

گورو مہاراج نے کہا ——— "تمہاری پیش گوئی کا کیا ہؤا پنڈت؟"

پنڈت نے یگیہ کی اچھلتی ہوئی آگ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا ——— ایسا معلوم ہوتا ہے مہاراج! کہ دیوی کسی نیک مہاتما کا بلیدان مانگتی ہے۔"

گورو مہاراج نے چمکتی آنکھوں سے پنڈت کی طرف دیکھا۔ مضبوط آواز میں سختی سے بولے۔"تو پھر تیار ہو جاؤ پنڈت۔ تم سے زیادہ نیک مہاتما کون ہے؟"

پنڈت گھبرایا۔ دھیمے سے بولا ——— "جی۔ جی۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

اور بہانہ بنا کر وہ گیا تو پھر کبھی واپس نہیں آیا۔

گورو جی نے کچھ دیر انتظار کیا۔ سمجھا کہ کیشو پنڈت اب کبھی آئے گا نہیں تو گرج کر بولے اٹھاؤ یہ سامگری ——— یہ گھی ——— یہ لکڑیاں ——— یہ سب کچھ آگ میں ڈال دو ———"

اور شاید دل ہی دل میں۔

نمستم اکالے نمستم کرپالے۔ نمستم اروپے نمستم انوپے
نمستم ابھیکھے۔ نمستم الیکھے۔ نمستم اکائے۔ نمستم اجائے

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

نموسرب کالے نموسرب دیالے نموسرب روپے نموسرب بھوپے

پڑھتے ہوئے ـــــ وُہ خود بھی اُس سامگری کو اُٹھا اُٹھا کر آگ میں ڈالنے لگے۔ اتنا گھی، اتنی سامگری۔ اتنی لکڑیاں ـــ سب کو کھا کر وُہ شعلے اس طرح بلند ہوتے جیسے آگ کے سمندر میں جوار بھاٹا آگیا ہو۔ لہروں جیسی لپٹیں آسمان کو چھُونے کا جتن کرنے لگیں۔ نینا دیوی کی وُہ چوٹی اس طرح جگمگا اُٹھی جیسے جلتا ہؤا سفید نہیں خون کی طرح لال روشنی دیتا ہؤا سُورج وہاں آ گرا ہو۔ رات کے وقت دُور دُور کے پہاڑوں سے لوگوں نے اس روشنی کو دیکھا۔ دُور دُور کے پہاڑ بھی اس روشنی سے جگمگا اُٹھے۔ دُور نیچے ستلج کی لہروں پر یہ روشنی اس طرح جگمگا اُٹھی جیسے ہزاروں انگارے دوڑتے ہوئے چلے جاتے ہوں ـــــ جہاں جہاں یہ روشنی دکھائی دی وہیں لوگوں نے یہ سمجھا کہ جس دُرگا کے لئے گورو مہاراج یگیہ کر رہے تھے وُہ پرگٹ ہوگئی۔

لیکن گورو مہاراج کسی دیوی کی تو نہیں بلکہ اُس پرم شکتی کی بات سوچ رہے تھے جس کا کوئی رُوپ نہیں جو کبھی پیدا نہیں ہوتی کبھی مرتی نہیں۔ جو جگت ماتا ہے۔ جس کا کوئی ثانی نہیں۔ ایک طرف اُس پرم پرش کا دھیان۔ دُوسری طرف یہ غصّہ کہ کچھ لوگ دُوسروں کی سادگی سے فائدہ اُٹھانے کے لئے آنا پاکھنڈ کیوں کرتے ہیں؟۔ تیسری طرف گرمی کے موسم میں لگاتار اُبھرتی ہوئی آگ کی وجہ سے گورو مہاراج کا چہرہ اتنا تمتما اُٹھا جیسے ایک ہیرا دمک اُٹھا ہو۔ اُن کے اس چہرے کو دیکھ کر باقی برہمن بھی ایک ایک کر کے بھاگ گئے۔ گورو جی کے سوا کوئی وہاں نہ رہا۔ اور گورو مہاراج پُوری طاقت سے، پُورے جوش سے ہر چیز کو اُٹھا کر آگ میں پھینکتے گئے۔

اُن لگاتار اُوپر اُٹھتے شعلوں کو دیکھ کر شائد وُہ دل ہی دل میں اپنے اکال پُرکھ سے پرارتھنا کرتے رہے۔ "ہے واہگورو۔ اس طرح میرا دیش اُوپر اُٹھے۔"

شاید اُن لگاتار جلتی، بھسم ہوتی، راکھ ہوتی لکڑیوں کو دیکھ کر وُہ کہتے رہے۔ "ہے پرم پرش پرمیشور ـــ اس طرح پاپ، ظلم اور انیائے کی طاقتیں راکھ ہو جائیں۔"

شاید اُس ہر طرف پھیلتی، ہر طرف جگمگاتی، دُور دُور تک پہنچتی روشنی کو دیکھ کر وُہ کہہ رہے

تھے ـــــ "ہے رحیم وکریم! اس طرح تیرے نام کا پیار ہر طرف پھیلتا جائے۔ دھرم پھیلتا جائے۔ نیکی پھیلتی جائے ـــــ"

اور جیسے اُن کی پرارتھنا کا جواب دینے کیلئے مشرق کے آکاش میں پربھات کی لَو جاگ اُٹھی۔ گورو جی نے میان سے اپنی تلوار کو نکالا۔ اُسے سامنے کر کے کہا۔

کھگ کھنڈ۔ وہی ہنڈم کھل دل کھنڈم
اتی رن منڈم ۔ بر بنڈم
بھُج دنڈ۔ اکھنڈم تیج ۔ پرچنڈم
جیوتی ۔ امنڈم بھانو پربھم
سُکھ سنتاں کرنم ۔ دُرمتی درنم
کِل وِکھ ہرنم ۔ اس سرنم
جے جے جگ کارن سرشٹ ابارن
مم پرتی پارن ـــــ جے تیگم ؑ

اور تلوار کو جوں کا توں سامنے کئے۔ چمکتی آنکھوں سے اُس کو دیکھتے۔ مضبوطی سے اُس کو پکڑے وُہ پہاڑ سے نیچے اُترے۔ آنند پور کی طرف جانے لگے۔ راستے میں کتنے ہی لوگوں نے انہیں دیکھا۔ دیکھا کہ ایک عجیب نور اُن کے چہرے پر ہے۔ ایک عجیب روشنی اُن کی آنکھوں میں ہے۔ ایسے لگا جیسے وُہ آگ کا ایک شعلہ ہیں۔ پاپ کو، انیائے کو، ظلم کو، اندھیرے کو تباہ کرنے کے لئے آگے بڑھے جاتے ہیں ـــــ

کچھ لوگوں نے سرگوشی کی۔ سی آواز میں کہا ـــــ "دُرگا پرگٹ ہوئی۔"

گورو جی نے تلوار کو اُونچا کر کے گرجتی آواز میں کہا ـــــ "یہ دُرگا ہے۔ یہ بھوانی۔

ؑ اس کے معنی "سمجھ لیہو سادھو سب منم" میں لکھے ہیں

یہ بھگوتی ـــــ یہ سب کو بچائے گی۔ یہ پاپ کے ٹکڑے ٹکڑے کرے گی۔"

یہ ہے گورو دہاراج کے "چنڈی یگیہ" کی اصلیت۔

اس کے بعد اگر کوئی پوچھے کہ اس یگیہ سے چنڈی دیوی پرگٹ ہوتی ہے یا نہیں تو اس کا جواب کیا ہونا چاہیئے۔ یہ آپ خود سوچیئے۔

ـــــــ اب اُس عظیم معرکے کی بات سُنیئے جس نے اس دیش کی تاریخ کا رُخ پلٹ دیا۔

ــــــــــــــــ

۶

"چنڈی یگیہ" میں جو کچھ ہوا۔ اُس سے نراش ہونے کا سوال گورو جی کے لئے پیدا نہیں ہوتا۔ اُنہیں معلوم تھا کہ یہی کچھ ہوگا۔ ایک ایشور کے سوائے کسی دیوی دیوتا کو وُہ مانتے نہیں۔ اور اُس ایشور کا کوئی رُوپ ہے، رنگ ہے، کوئی شکل و صُورت ہے یہ بھی وُہ مانتے نہیں تب وُہ اس بات سے نراش کیوں ہوں گے کہ جس پرم شکتی کو وُہ "نراکار" مانتے ہیں وُہ "ساکار" ہو کر اُن کے سامنے نہیں آتی۔ وُہ نراش ہوتے اُس حالت میں جب اُن کے "نراکار پرم برہم" — کوئی رُوپ دھارن کر کے اُن کے سامنے آجاتے۔ ایسا ہوتے ہی اُن کا سارا سوچا سمجھا غلط ہو جاتا۔ سارا عقیدہ غلط ہو جاتا۔ اُنہیں معلوم تھا کہ کسی یگیہ سے درگا یا بھیرو پرگٹ نہیں ہوتے۔ نراکار کبھی ساکار نہیں ہوتا۔ انہوں نے چنڈی یگیہ کا انتظام کیا تو صرف اپنے سکھوں کا وہم دُور کرنے کے لئے کہ ہون کنڈ سے دُرگا بھی پرگٹ ہو سکتی ہے ——— اس بات میں انہیں سپھلتا ملی۔

لیکن یہ بات کہ اُن کی متعدد کامیابیوں کے بعد بھی اُن سے پیار کرنے والے کچھ لوگ اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کی بجائے انہونی باتوں پر بھروسہ کرتے ہیں، کیا اس بات کا ثبوت نہیں کہ ابھی کچھ اور بھی کرنے کی ضرورت ہے۔ وُہ "کچھ اور" کیا ہے؟ ۔ کیا کرنے سے اِن کے دلوں میں (جو صدیوں سے غلام بنے بیٹھے ہیں)۔ خود اعتمادی کا جذبہ جاگ اُٹھے گا؟ ——— کیا کرنے سے ایسی حالت پیدا ہوگی کہ وُہ اپنی طاقت سے ظلم و ناانصافی کے خلاف آگے بڑھیں، ایک اونکار کے سوائے دوسرے سہاروں کو تلاش نہ کریں؟

اُنہیں معلوم ہے کہ اُن کی موجودگی سے اُن کے سکھوں کو سہارا ملتا ہے۔ سادھارن دوکاندار، بڑھئی، مستری، مزدور، کسان، سادھو اور فقیر سب کو نیا جیون ملتا ہے۔ سب اس طرح لڑتے ہیں کہ تربیت یافتہ سپاہی بھی اُن کا سامنا نہیں کر سکتے ——— لیکن اُن کے بعد کیا ہوگا؟ ۔ اُن کی موجودگی میں اگر یہ لوگ "ہون کنڈ سے نکلنے والی دُرگا" کو تلاش کرتے پھرتے

ہیں تو اُن کے بعد اِن کی حالت کیا ہوگی ؟

اُنہیں معلوم ہے کہ ہمیشہ انہیں رہنا نہیں ہے۔ ایک اکال پرکھ کے سوائے ہمیشہ کوئی رہتا نہیں۔ اُنہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اُن کے بعد انسانی رُوپ میں اُن کا مقرر کیا کوئی گورو نہیں ہوگا تب یہ لوگ کس کو دیکھ کر سہارا پائیں گے ؟ کس طرح اُس ظلم و ناانصافی کے خلاف لڑیں گے جس کے خلاف لڑنا اور جسے برداشت نہ کرنا ہی ایک سچے اور خالص انسان کا دھرم ہے۔ سکھوں کے سنگھٹن کا بہت کچھ نظام اُنہوں نے بدل دیا تھا۔ کچھ بدلنا چاہتے تھے۔

شری گورو رام داس جی نے جو "مسند" اِس لئے مقرر کر رکھے تھے کہ وُہ سکھوں سے دان اور تحفے لے کر گورو مہاراج کو بھیجیں، وُہ عملی طور سے اپنے اپنے علاقہ میں سکھوں کے ڈکٹیٹر بن بیٹھے تھے۔ لوگوں سے زبردستی وُہ چیزیں اور رُوپیہ وصول کرتے اُن کا بیشتر حصّہ گورو مہاراج کے پاس بھیجنے کی بجائے اپنے پاس رکھ لیتے ـــــ دھیرے دھیرے حالت یہ ہوئی کہ یہ "مسند" اِس بات کا دعوے بھی کرنے لگے کہ گورو کون ہو یا نہ ہو اِس کا فیصلہ یہ کریں گے۔ کیونکہ "گورو کا لنگر" چلانے والے یہ ہیں۔ اُس کے لئے دھن دولت دینے والے یہ ہیں۔ شری گورو گوبند سنگھ جی کے وقت میں بھی کچھ "مسند" اُن شری رام رائے کی حمایت کرتے تھے جو شری گورو ہری کرشن جی کے بڑے بھائی تھے اور جنہیں شری گورو ہر رائے جی نے اِس لئے فارغ خطی دیدی تھی کہ انہوں نے اورنگ زیب کو خوش کرنے کے لئے شری گورو نانک دیو جی کی بانی میں تبدیلی کر دی تھی ـــــ شری گورو گوبند سنگھ جی کے وقت میں شری گورو رام رائے جی دہرہ دون میں رہتے تھے۔ راجہ فتح شاہ کے گورو بھی تھے۔ بعد میں اُنہوں نے گورو جی کے پاس آکر پشچاتاپ کیا۔ معافی مانگی ـــــ لیکن جب تک اُنہوں نے ایسا نہیں کیا، کچھ "مسند" ان کی حمایت ضرور کرتے رہے۔ اُنہی دنوں ایک گورو پریوار کے ایک اور سجن شری دھیر مل بھی کرتارپور میں رہتے تھے شری گورو ہرگوبند کے فرزند ہونے کی وجہ سے گورو ہونے کا دعوے کرتے تھے۔ کئی "مسند" اُن کی حمایت بھی کرتے تھے ـــــ ظاہر ہے کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج جیسے خوددار مہاپرش کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ "مسندوں" کے متعلق نت نئی شکائتیں اُن کے پاس پہنچ

رہی تھیں۔ اُن کے نام پر اہی کے سکھوں کو ظلم کا شکار بنایا جائے، اس بات سے وُہ دکھی ہُوئے جاتے تھے۔ انہیں معلوم ہُوا کہ ان کے ایک سکھ نے گینڈے کے سینگ سے بنے دو کڑے ماتا گوجری جی کے لئے "ایک مسند" کو دیئے تھے۔ مسند نے یہ کڑے اپنی بیوی کو دے دیئے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہُوا کہ اُن کے کہنے پر مسندوں نے جو روپیہ ان کے لئے اکٹھا کیا تھا۔ اس کا صرف پچاس فیصدی انہیں ملا ہے۔ کئی حالتوں میں اس سے بھی کم ملا ہے۔ ایک دن کچھ بھانڈ آنندپور میں آئے۔ انہوں نے مسندوں کی نقل اُتار کے بتایا کہ کس طرح یہ لوگ سکھوں پر ظلم کرتے ہیں۔ آگے دو مسلح سپاہی جا رہے تھے۔ اُن کے پیچھے بھاری بھرکم پیٹ والے مسند صاحب۔ اُن کے پیچھے دو اور مسلح سپاہی۔ تب "مسند" کے "میر منشی" صاحب۔ آخر میں اُن کی "رکھیل" ——— پالکی میں سوار ہو کر ——— اس طرح یہ لوگ ایک سکھ کے گھر پہنچے۔ اُس غریب کے برتن بکوا دیئے۔ اُس کی بیوی کے کپڑے بکوا دیئے۔ بچوں کو ننگا کر کے "مسند" صاحب "دان" لے کر چلتے بنے ——— گورو مہاراج نے یہ سب کچھ دیکھا تو ان کا دل رو اُٹھا۔ اُسی وقت انہوں نے اعلان کیا ——— آج سے کوئی مسند نہیں۔ سکھ لوگ اپنی "گورو دکشنا" خود آنندپور میں آکر دیں کسی دُوسرے کے ذریعہ اُسے بھیجنے کی ضرورت نہیں ——— لیکن ملک بھر میں پھیلا ہُوا یہ نظام اتنی جلدی ختم تو نہیں ہو جاتا۔ اُس میں کچھ وقت ضرور لگتا ہے۔

اس طرح وُہ کئی باتیں بدلنا چاہتے تھے لیکن اُن کی جگہ کوئی نیا نظام تو ہونا چاہیئے، نظام کیا ہوگا۔ اس پر وُہ وچار کر رہے تھے۔

اَب بھی وُہ گوربانی کے کیرتن میں، کوی دَربار میں، جوش بھری اور بھگتی بھری بانی سُننے اور سُنانے میں اپنا وقت صرف کرتے۔ شکار کو جاتے۔ اپنے سپاہیوں کو جنگی تربیت دیتے۔ اپنے سامنے تیر زنی، شمشیر زنی، گھوڑ سواری، نیزہ بازی اور دُوسری باتوں کے مقابلے کراتے لیکن اُن کے دِل میں جو عظیم طوفان اُبل رہا تھا اُسے تو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔

تبھی اُنہوں نے اعلان کیا ——— اَب کے بیساکھی کے روز آنندپور میں بہت بڑا دیوان ہوگا زیادہ سے زیادہ تعداد میں سکھ اِس دیوان میں آئیں اور جو لوگ آنے کا فیصلہ کریں وُہ آج سے

ہی اپنے سر کے اور داڑھی کے بال کٹوانا بند کر دیں ـــــــ" گورو جی کا حکم تھا۔ اس لئے اس برس اتنے لوگ آنند پور پہنچے کہ پچھلے سبھی ریکارڈ مات ہو گئے۔ باہر سے آئے یہ سکھ اپنے گورو کو دیکھتے تو محبت اور عقیدت سے سر جھکا دیتے۔ پنجاب کے لوگ عام طور پر تندرست، توانا، لمبے اور خوبصورت ہوتے ہیں گورو گوبند رائے جی اِن خوبصورت لوگوں میں اپنی مثال آپ تھے۔ گورا چٹا رنگ، چہرے پہ سنہری دار چینی رنگ کی دلکش داڑھی۔ سر پہ سفید پگڑی۔ اُس کے اوپر لہراتی ہوئی "کلغی"۔ گھٹنوں سے نیچے تک پہنچتے ہوئے لمبے بازو۔ چھریرا کسرتی بدن ـــــــ اُس وقت اُن کی عمر ۳۳ برس تھی اپنی نیلی گھوڑی پر سوار ہو کر، ایک ہاتھ پر باز کو بٹھائے وہ اپنے محل سے باہر آتے۔ اور لوگوں کو درشن دیتے تو لوگ زمین پر لیٹ جاتے۔ اُس راہ کی دُھول اُٹھا کر ماتھے پر لگا لیتے جہاں نیلی گھوڑی نے پاؤں رکھے تھے ـــــــ یقیناً اُن کے پرم پُوجیہ گورو مہاراج ہر آدمی کا ہنس کر سواگت کرتے تھے۔ بچوں سے کھیلتے تھے۔ سب کو اپنے سامنے گورو کے لنگر میں کھانا کھلاتے تھے۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ اس خوبصورت اور دلکش مہاپرش کی آنکھیں کتنی دُور تک دیکھ رہی ہیں۔ اس کے دِل میں کتنے جوالا مکھی گرج رہے ہیں۔ اُس کی رُوح کس طرح اُس وقت کی منتظر ہے جب اُن کے دکھائے پتھ پر چلنے والا ہر آدمی ظلم اور ناانصافی کے لئے ایک چلتا پھرتا، جیتا جاگتا چیلنج بن جائے گا۔

اور تب بیساکھی کا دِن آگیا۔

دیوان کے لئے ایک کھُلے میدان میں انتظام ہوا۔

ایک اونچی جگہ پر گورو مہاراج کے بیٹھنے کا تخت۔ اُس کے پیچھے ایک ٹیلہ۔ ٹیلے کے چاروں طرف قناتیں۔ اندر جانے کے لئے پچھلی طرف سے ایک چھوٹا سا دروازہ۔ اِس طرح بنا ہُوا کہ باہر کے آدمی کو اندر کی کوئی چیز دکھائی نہ دے۔ اور اس ٹیلے اور تخت کے سامنے دُور تک لوگوں کے بیٹھنے کے لئے جگہ۔

صُبح کے وقت بیساکھی تھی۔ رات کے وقت گورو جی نے خود سارے انتظام کو دیکھا حکم دیا کہ ٹیلے پر لگی قنات کے اندر کوئی آدمی نہیں جائے۔ اپنے دو معتبر آدمیوں کو اُنہوں نے پہرے پر لگا دیا۔ اُن سے بولے ـــــــ "جو کچھ تم دیکھو۔ وہ کسی کو بتانا نہیں۔ اور کسی کو اس طرف آنے کی اجازت نہیں دینا۔"

اِن میں سے ایک آدمی کو اُنہوں نے کہا ـــــــ "پشو شالا میں پانچ بکریاں ایک طرف بندھی ہیں۔ اُنہیں رات کے اندھیرے میں۔ چُپکے سے یہاں لے آؤ۔ قنات کے اندر باندھ دو

اُن کے مُنہ بھی اِس طرح باندھ دو کہ وُہ سانس لے سکیں۔ آواز نہ کر سکیں۔"
یہ سب کچھ ہو گیا۔
صُبح ہوئی۔ سُورج جاگا۔ دنیا جاگی۔
ہزاروں لوگ اِس خوبصُورت تخت کے سامنے اس میدان میں آکر بیٹھنے لگے۔
اُنہیں معلوم ہے کہ تخت پر گورو مہاراج بیٹھیں گے۔ سب کو درشن دیں گے۔ سب کو آشیرواد دیں گے لیکن تخت کے پیچھے یہ قناتوں والا خیمہ کیا ہے؟ اس کا کسی کو پتہ نہیں لگا۔
سارا میدان لوگوں سے بھر گیا۔
لیکن گورو جی کہاں ہیں؟ ابھی تک وُہ آئے نہیں۔ شاید ابھی وُہ آئیں گے۔ نیلی گھوڑی پر سوار ہو کر۔ ہاتھ پہ اپنا باز لئے۔
لیکن وُہ آئے نہیں۔
لوگوں کو ہر لمحہ ایسے لگا جیسے بیتنے میں نہیں آتا۔
تبھی تخت کے پرے ٹیلے پر لگی قنات کی پچھلی طرف سے گورو مہاراج آگے بڑھے لیکن آج وُہ پرانے گورو گوبند رائے معلوم نہیں ہوتے تھے۔ اُن کے چہرے پر آج ایک عجیب جلال تھا۔ آنکھوں میں ایک عجیب نُور۔ ہونٹوں پر ایک عجیب سختی۔ آواز میں ایک عجیب گھمبیرتا ——— اور ہاتھ میں ایک چمکتی ننگی تلوار۔
گرجتی آواز میں اُنہوں نے کہا۔ "ایک بار کہو ——— جو بولے سو نہال ......"
——— اور ہزاروں آوازوں نے ایک ساتھ زمین و آسمان کو گونجاتے ہُوئے کہا ——— "ست سری اکال"
اِس نعرے کا آغاز بھی شری گورو گوبند رائے جی مہاراج نے کیا۔ اِن سے پہلے سِکھ ایک دُوسرے کو ملتے وقت "ست کرتار" کہتے تھے "ست سری اکال" نہیں۔ ———
اور گورو مہاراج نے کہا۔
"مَیں جانتا ہُوں۔ تم لوگ مجھ سے پیار کرتے ہو ——— لیکن پیار صرف الفاظ سے نہیں ہوتا۔ اُس کے لئے عملی ثبوت دینا پڑتا ہے ——— آج مَیں وُہ ثبوت مانگنے آیا ہُوں۔ بھگت کبیر نے کہا تھا۔

جو تو پریم کھیلن کو چاؤ
سر دھر تلی گلی موری آؤ

اور آج تلی پہ سر دھر کے اکال پرکھ، دھرم اور گورو کے پیار کی اس گلی میں آنا ہوگا مجھے ایک سکھ کے سر کی ضرورت ہے۔ بولو۔ کون گورو کا پیارا اپنا سر دے گا ــــــ لیکن بولنے سے پہلے ایک بات یاد رکھو۔ جو بھائی بھی سر دینا قبول کرے گا، میری یہ تلوار اُس کے سر کو بھی اسی وقت تن سے جُدا کرے گی ــــــ اب آگے بڑھو ــــــ کون ہے گورو کو پیار کرنے والا۔ جو اپنا سر گورو کو بھینٹ کر سکے؟"

ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ بہت انوکھا تھا۔

سکھوں میں گورو بھگتی ضرور تھی۔ گورو جی کے لئے وُہ کسی بھی جنگ میں جُوجھ پڑنے کو تیار تھے۔ لڑتے لڑتے موت آجائے تو اس کے لئے بھی تیار تھے لیکن یہ بغیر کسی وجہ کے جان دینا تو اُنہیں سمجھ نہیں آیا۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ کوئی بھی بول نہیں سکا۔

گورو مہاراج نے تلوار کو اوپر اُٹھاتے ہوئے ایک بار پھر کہا ــــــ کیا ان ہزاروں لوگوں میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں جو اپنے گورو کے لئے جان دے سکے۔ آگے بڑھو۔ جس گورو کے پاؤں تم چھُوتے ہو آج وُہ تمہارا سر مانگتا ہے۔"

اس بار بھی کوئی آگے نہیں بڑھا۔ کوئی بول نہیں سکا۔ لوگ حیران تھے کہ یہ مطالبہ کیا ہے؟ گورو جی کو ہُوا کیا ہے؟

گورو مہاراج نے تیسری بار زیادہ اُونچی آواز میں کہا ــــــ "مَیں آخری بار پوچھتا ہُوں کہ میرا وہ کون سکھ ہے جو اپنے گورو کے لئے جان دے سکتا ہے؟ اپنے بہت پیارے ایک سکھ کا سر مجھے چاہیئے۔ کون دے گا اپنا سر؟ ۔ اگر کوئی نہیں تو ......"

اور تبھی ایک صاف مضبوط آواز نے کہا ــــــ "مَیں اپنا سر دیتا ہُوں سچے پادشاہ! فسوس یہ ہے کہ ــــــ میرا صرف ایک سر ہے۔ اگر سینکڑوں ہوتے تو مَیں ہر سر آپ کے مقدس چرنوں پہ چڑھا دیتا۔"

وُہ لاہور کا دیا رام تھا۔

آگے آکر اُس نے سر جھکا کے کہا "لیجیئے۔ کاٹیئے یہ سر۔

گورو مہاراج نے سختی سے اُس کی طرف دیکھا۔ سختی سے اُس کے بازو کو پکڑا۔ قنات کے پچھلی طرف لے گئے۔ خیمے کے اندر۔ وہاں پہنچ کر دیا رام کو ایک طرف بٹھا کر انہوں نے انگلی سے اشارہ کیا۔ "بولنا نہیں۔ خاموش بیٹھے رہو"

اور ایک بکری کو پکڑ کے اُنہوں نے اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ خون کی ایک دھارا بھی قنات کے نیچے سے ہو کر باہر اُس طرف پہنچی جدھر لوگ بیٹھے تھے۔ لوگوں نے خوفزدہ نگاہوں سے خون کی اس دھارا کو دیکھا۔ تبھی گورو مہاراج قنات کی آڑ سے باہر آ گئے۔ اُن کے ہاتھ میں خون آلود تلوار تھی۔ اب بھی خون کے قطرے اُس سے نیچے گر رہے تھے۔

اور گورو مہاراج کی آواز گرج اُٹھی —— "ابھی ایک اور سکھ کا سر مجھے چاہیئے۔ بولو۔ کون یہ سر دے گا؟"

پھر سناٹا تھا۔ سناٹا اور خوف۔

گورو مہاراج نے دُوسری بار کہا۔ "تم کہتے ہو تمہیں گورو سے پیار ہے۔ اُس کیلئے زندگی جیسی حقیر چیز نہیں دے سکتے۔ مجھے ایک سر اور چاہیئے —— بولو۔ کون دے گا یہ سر؟"

اب بھی سناٹا تھا۔

گورو مہاراج دو قدم آگے بڑھ کر بولے —— "اتنا ہی پیار ہے تمہیں؟ ایک سر بھی نہیں دے سکتے؟"

تبھی ایک اور صاف آواز نے کہا —— "میں دُوں گا اپنا سر میرے مالک —— اور گورو جی کے پاس جا کر سر جھکا کر اُس نے کہا۔ "حاضر ہے۔ کاٹ دیجیے اِس کو۔"

وُہ دہلی کا دھرم داس تھا۔

گورو مہاراج نے اُسے سختی سے پکڑا۔ قنات کے پچھلی طرف لے گئے۔ اُسے دیا رام کے پاس بٹھا دیا۔ خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے دُوسری بکری کا گلا کاٹ دیا۔ خون کی ایک دھارا قنات سے باہر نکلی۔ کچھ بزدل لوگ خون کو دیکھ کے زرد ہو گئے۔ کچھ دیوان سے اُٹھ کر جانے لگے۔

تبھی گورو مہاراج خون بھری تلوار لے کر باہر آ گئے۔ گرج کر بولے —— "ابھی ایک اور سر چاہیئے مجھے۔ ایسے سکھ کا سر جو مجھے بہت پیار کرتا ہو۔ جو زندگی کو نہیں، گورو

کو عزیز مانتا ہو——"

اور کئی لوگ دیوان سے اُٹھ کر بھاگنے لگے۔ انہیں کوئی شک نہیں رہا کہ گورو جی کے دماغ میں کوئی خرابی آگئی ہے۔ نہیں تو اس طرح بھی کوئی کرتا ہے؟۔ اپنے سکھوں کو اپنے ہاتھ سے بھی کوئی کاٹتا ہے؟ کچھ لوگ دوڑتے ہوئے ماتا گوجری دیوی کے پاس گئے کہ —— "گوبند رائے پاگل ہو گئے ہیں۔ انہیں گدی سے ہٹا کر اُن کے بیٹے اجیت سنگھ کو گورو بنا دیجیے۔"

لیکن ادھر دیوان میں دوارکا کے محکم چند نے آگے بڑھ کے کہا —— "میں اپنا سر دیتا ہوں سچے پادشاہ۔"

گورو جی اسے بھی قنات کے پیچھے لے گئے۔ خون کی ایک تیسری دھار قنات سے باہر آئی۔ اور گورو جی کی لپلپاتی تلوار کو لے کر پھر لوگوں کے سامنے تھے۔ پھر کہہ رہے تھے —— اور کوئی سکھ ہے جو اپنے گورو کے لئے اپنا سر دے سکتا ہے۔ مجھے ابھی بہت سروں کی ضرورت ہے۔"

اب کے واقعی دیوان میں بھگدڑ مچ اٹھی۔ کئی لوگ اُٹھ کر چلے گئے۔

لیکن بیدر کا صاحب چند دوڑ کر آگے بڑھا۔ گورو مہاراج کے پاؤں چھو کر بولا —— "یہ سر حاضر ہے میرے مالک۔"

اور جب پانچویں بار گورو مہاراج پھر اپنی خون آلود تلوار لے کر باہر آئے تو ایک بار پھر انہوں نے کہا —— کیا اور بھی کوئی سکھ ہے جو اپنا سر دے سکتا ہے مجھے؟ آگے بڑھو۔ گورو سے پیار ہے تو جان دینے سے کتراؤ نہیں۔"

اب کے جگن ناتھ پوری کا ہمت رائے آگے بڑھا۔

لیکن دیوان میں بہت لوگ رہے نہیں۔

گورو مہاراج ہمت رائے کو قنات کے پیچھے لے گئے۔ خون کی ایک نئی دھار ابھی لیکن اب کے وہ خون سے لت پت تلوار کو لے کر باہر آئے تو اُن کے چہرے پر سختی نہ تھی۔ آنکھوں میں غصہ نہیں تھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

مسکراتے ہوئے انہوں نے کہا —— "یہ قنات ہٹا دو۔ سب کو دیکھنے دو کہ جو دھرم کے لئے اور گورو کیلئے مرنے کو تیار ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔"

قنات ہٹائی گئی۔ وہ پانچوں سجن —— دیارام —— دھرم داس —— محکم چند —— صاحب چند —— اور ہمت رائے ہاتھ جوڑے، سر جھکائے کھڑے تھے۔ اُن کے پاس ہی پانچ بکریاں کٹی

ہوئی پڑی تھیں۔

گورو مہاراج نے حکم دیا۔ "جیسے کپڑے میں نے پہن رکھے ہیں ویسے ہی ان پانچوں کو پہنائے جائیں۔ جو ہتھیار میرے پاس ہیں، وہی ان کو بھی دیئے جائیں۔"

ایسا ہوا تو گورو مہاراج نے اُن پانچوں کو مخاطب کرتے ہوتے کہا ——— "اب تم میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں۔ میرا رُوپ تمہارا رُوپ ہے۔ تمہارا روپ میرا رُوپ ہے۔ آج سے تمہارے ذریعے ایک نیا سِکھ دھرم شروع ہوگا۔ جو لگاتار بڑھتا جائے گا۔ ختم نہیں ہوگا۔"

اور سب لوگوں نے حیرت سے ان "پانچ پیاروں کو دیکھا۔ اپنے گورو کو دیکھا۔ اب وُہ سمجھے کہ گورو مہاراج کیا کہہ رہے تھے۔ اب اُنہوں نے چلا چلا کر کہا ——— "جو بولے سو نہال۔ ——— ست سری اکال۔" اب دیوان سے اٹھ کر گئے لوگ بھی واپس آگئے۔ ہزاروں کی اُس بھیڑ کو مخاطب کرتے ہوئے گورو مہاراج نے کہا ——— "آج تک ہر آدمی کو سِکھ بنتے وقت گورو کی چرن پہول (چرنامرت) پینے کو دی جاتی تھی۔ آج سے ایک نیا امرت ہم تیار کریں گے۔ پاؤں کا نہیں۔ بلکہ تلوار کا پانی۔ کھنڈے کا پانی۔ جو لوگ اس پانی کو پیئیں گے اُنہیں اس دُنیا میں راج ملے گا۔ اگلی دُنیا میں سورگ ملے گا۔ گیدڑ بھی اس امرت کو پیئیں گے تو شیر بن جائیں گے۔"

اور لوہے کے ایک برتن میں پانی ڈال کر اُنہوں نے اپنی صاف تلوار سے اُسے ہلانا شروع کیا۔ ہلاتے وقت جپ جی صاحب کا۔ جاپ صاحب کا۔ آنند صاحب کا اور اپنے کچھ 'سویوں' کا پاٹھ اُنہوں نے کیا۔

روائیت ہے کہ اس امرت کی طاقت بتانے کے لئے گورو جی نے تھوڑا سا امرت ایک برتن میں پرے رکھ دیا۔ دو چڑیوں[۲] نے اس امرت کو پیا۔ پینے کے بعد لڑنے لگیں۔ ایک دوسرے کو اُنہوں نے لہولہان کر دیا۔ ایک دُوسرے کے پر نوچ ڈالے۔ لڑتی لڑتی مر گئیں لیکن پیچھے نہیں ہٹیں۔

تبھی ماتا صاحب کور ایک تھال میں بتاشے لے کر تیزی سے وہاں آئیں۔ بولیں: "یہ پھیکا امرت ٹھیک نہیں۔ یہ بتاشے ملا کر اسے میٹھا بنا لیجیئے۔"

گورو مہاراج مُسکرائے۔ بولے۔ تم نے بہت اچھا کیا صاحب کور۔ میں خالصے کا پِتا ہُوں تُم خالصے کی ماتا۔ تم نے ماتا والا کام کیا ہے۔ میں خالصے کو طاقت دیتا ہُوں۔ تم مدھرتا دو۔ تاکہ

پیار اور شجاعت دونوں کو لے کر میرا خالصہ دیش اور نیائے کی رکشا کے لئے آگے بڑھے"۔

اور وُہ بتاشے گورو مہاراج کے تیار کئے امرت میں مِلا دیئے گئے۔

گورو مہاراج نے پانچوں پیاروں کو امرت چھکایا۔ کچھ امرت ان کے سر پر، چہرے پر اور کپڑوں پر چھڑک دیا۔ اور بولے۔ اب میرے ساتھ ساتھ کہو۔

ہِسری واہگورو جی کا خالصہ۔ واہگورو جی کی فتح

پانچوں نے گرجتی، اُبھرتی، گاتی آواز میں کہا۔

ہِسری واہگورو جی کا خالصہ۔ واہگورو جی کی فتح

اور گورو مہاراج نے اُن پانچوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آج سے تم صرف گورو کے سِکھ نہیں، واہگورو کے خالصہ بھی ہو۔ جو خالص ہے جس میں کوئی کھوٹ نہیں۔ جو ظلم اور ناانصافی کے سامنے کبھی نہیں جُھکتا۔ جو خود ناجائز دبتا نہیں، دُوسرے کو ناجائز دباتا نہیں۔ جو خود غلام بنتا نہیں دُوسرے کو غلام بناتا نہیں۔ جو خود ظلم کرتا نہیں، دُوسرے کو ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ وُہ خالصہ ہے۔ خالصے کی فتح ہی واہگورو کی، سچائی کی اور انصاف کی فتح ہے"۔

پانچوں نے ایک آواز ہو کر پھر کہا۔

ہِسری واہگورو جی کا خالصہ۔ واہگورو جی کی فتح

گورو مہاراج بولے۔ "آج سے تم میں کوئی چھوٹا یا بڑا نہیں۔ تم سب برابر ہو۔ سب کی ایک ذات ہے۔ سب کا ایک پنتھ ہے ـــــ آج سے تم دیارام دیا سنگھ ہوئے۔ تم دھرم داس دھرم سنگھ ہوئے۔ محکم چند کو محکم سنگھ کہا جائے گا۔ صاحب چند کو صاحب سنگھ۔ ہمت رائے کو ہمت سنگھ ـــــ آج سے تم سب سنگھ (شیر) ہو۔ جو بھی خالصہ بنے گا۔ وُہ خود بخود سنگھ ہو جائے گا۔"

اور تب اُنہوں نے خالصہ کے پانچ نشان مقرر کئے۔

۱۔ یہ کہ وُہ کیش رکھیگا اپنے بال کبھی کٹوائے گا نہیں۔

۲۔ یہ کہ وُہ بالوں کو صاف رکھنے کے لئے اپنے پاس ہمیشہ کنگھا رکھے گا۔

۳۔ یہ کہ ہر وقت کچھا پہنے گا تاکہ جب بھی ضرورت ہو وُہ لڑنے بھڑنے کو تیار بر تیار رہے۔

۴۔ یہ کہ وُہ اپنے بازو میں کڑا پہنے گا ـــ اور

۵۔ یہ کہ وُہ ہر وقت اپنے پاس کرپان رکھے گا تاکہ ظلم اور تشدد کے ٹکڑے ٹکڑے کر سکے۔

یہ پانچ نشان مقرر کرنے کے بعد اُنہوں نے کہا ـــ "آج سے کوئی بھی خالصہ ایک پرمیشور کے سوائے کسی دیوی دیوتا کی پُوجا نہیں کرے گا۔ کسی مورتی، تصویر، قبر یا سمادھی کے سامنے سر نہیں جُھکائے گا۔ کوئی بھی خالصہ تمباکو نہیں پیئے گا۔ اسلامی ڈھنگ سے مارے گئے جانور کا گوشت نہیں کھائے گا۔ اور اُن لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا جو پرتھی چند، دھیرمل یا رام رائے کو اپنا گورو مانتے ہیں۔"

اِس طرح خالصہ پنتھ کی مکمل رُوپ ریکھا کو ان پانچوں پیاروں کے سامنے رکھتے ہوئے اُنہوں نے کہا ـــ "اَب جس طرح مَیں نے تمہیں خالصہ بنایا ہے، ویسے ہی تم بھی مجھے خالصہ بناؤ۔ میرے لئے امرت تیار کرو۔ پہلے مَیں تمہارا گورو تھا۔ اَب تم میرے گورو بنو۔"

وُہ پانچوں حیران ہوئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

دیا سنگھ نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔ "سچے پادشاہ ایسی بات نہ کہیئے۔ آپ ہمارے گورو ہیں۔ ہم آپ کے گورو کیسے ہو سکتے ہیں؟"

گورو جی بولے۔ "یہی خالصہ پنتھ ہے۔ خالصہ گورو ہے۔ گورو خالصہ ہے۔ آج کے بعد پانچ چُنے ہوئے خالصہ مل کر جو بھی فیصلہ کریں گے۔ دُوسروں کے لئے ضروری ہوگا کہ اُسے تسلیم کریں۔ پانچ پیاروں کے سامنے اگر گورو جُھکتا ہے تو گورو کا پنتھ بھی جُھکے گا۔ اَب کرپا کرو۔ تیار کرو امرت۔ مجھے خالصہ بنا لو۔"

اُن پانچوں نے گورو دہار ایج کے حکم کے مُطابق "کھنڈے کا امرت" تیار کیا اور گورو جی نے امرت پیا۔ آنکھیں مُوند۔ آکاش کی طرف مُنہ کر کے دھیمے سے بولے۔

بشری واہگورو جی کا خالصہ۔ واہگورو جی کی فتح

اِس طرح جیسے اُن کے جیون کا مشن پُورا ہو گیا ہو۔ مُسافر اپنی منزل پر پہنچ گیا ہو۔ اِس کے ساتھ ہی اُنہوں نے کہا "ـــ آج سے میرا نام گوبند رائے کی جگہ گوبند سنگھ ہُوا ـــ"

اور جب وُہ ان پانچوں پیاروں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر جُھکے تو کتنی ہی آنکھیں رو اُٹھیں۔ اتنی حلیمی، اتنی انکساری، اتنا تیاگ شاید کبھی کسی نے دیکھا نہیں کہ جو گورو ہے وُہ چیلے کے سامنے سر جُھکائے اور اُس سے پرارتھنا کرے کہ "ـــ مجھے اپنا چیلا بنا لو۔"

اور کتنے ہی لوگوں نے دیکھے۔ سے کہا ——— " دھنیہ دھنیہ گوبند سنگھ — آپے گورو چیلا ——— " (قابلِ تحسین ہیں ہَری گوبند سنگھ جو خود گورو بھی ہیں چیلا بھی)

اور تب اس امرت کو پینے کے لئے پانچ اور آدمی آگے بڑھے۔ رام سنگھ۔ دیوا سنگھ ٹہل سنگھ۔ ایشر سنگھ اور فتح سنگھ۔

یہ پانچوں چونکہ سب سے پہلے امرت لینے کے لئے آگے بڑھے اس لئے انہیں "پانچ مُکتے" (نجات یافتہ) کہا جاتا ہے۔

اس طرح "خالصہ" کا جنم ہوا۔ اور صرف ہمارے دیش کے نہیں، انسانیت کے اتہاس میں ایک نیا یُگ جاگ اُٹھا۔

۷

مہا کوی رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنی ایک خوبصورت کویتا میں کہا ہے۔

"پانچ ندیوں کے کنارے
سر پہ بال بڑھا کے
دیکھتے ہی دیکھتے۔ گورو کے منتر سے
وہ سکھ جاگ اُٹھے
جو بے خوف تھے، بے خطر تھے
ظلم پر رحم کرنا نہیں جانتے تھے
ہزاروں ہزاروں کنٹھوں سے
"گوروجی کی جے ہو۔ گوروجی کی جے ہو"
کہتے ہوئے، اطراف کو گونجاتے ہوئے
نئے سکھ جاگ اُٹھے
پربھات کے نئے اُگتے سورج کی طرف
اُنہوں نے ٹکٹکی لگا کر دیکھا
دیکھا اور گرج کے کہا ——— 'الکھ نرنجن'
ہر طرف شور جاگ اُٹھا
بندھن ٹوٹ گئے
خوف و خطر کا خاتمہ ہو گیا
اُن کی کمر سے لگی کرپان
مسرت بھرے جوش کے ساتھ

جھنجھنا اٹھی

آج سارا پنجاب گرج اٹھا

"الکھ نرنجن! ____"

اس کویتا میں "الکھ نرنجن" کی بجائے "ست سری اکال" لکھا جاتا تو زیادہ درست ہوتا۔ یہ تبدیلی آپ خود کر لیجئے۔ تو صحیح معنوں میں یہ تصویر تھی جو "خالصہ کے جنم" کے بعد پنجاب میں دکھائی دی۔ سکھ صرف پنجاب میں نہیں تھے۔ شری گورو نانک دیو جی اور شری گورو تیغ بہادر جی کے پرچار کی وجہ سے دُور دُور کے دُوسرے علاقوں میں بھی تھے۔ کابل اور قندھار سے آسام اور بنگال تک وہ ہر جگہ موجود تھے۔ جو پانچ بہادر سکھ گورو جی کو اپنے سر دینے کو تیار ہوئے۔ اُن میں صرف ایک پنجابی تھا۔ باقی چاروں کے چاروں پنجاب سے باہر دوسرے علاقوں کے رہنے والے تھے۔ بھائی دھرم سنگھ جی دہلی کے نواسی تھے۔ بھائی محکم سنگھ جی اُس دوارکا سے آئے تھے جو سوراشٹر میں عرب ساگر کے ساحل پر ہے۔ بھائی صاحب سنگھ جی اُس "بیدر" نگر کے نواسی تھے جو جنوبی ہند میں آندھر پردیش کے اندر ہے۔ اور بھائی ہمت سنگھ جی اُس جگن ناتھ پوری کے نواسی تھے جو اڑیسہ کے اندر بنگال کی کھاڑی کے ساحل پر آباد ہے۔

پانچ پیاروں میں صرف ۲۰ فیصدی پنجابی تھے ۸۰ فیصدی غیر پنجابی۔

لیکن اِس کے باوجود گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کا نیا سکھ دھرم جس تیزی سے پنجاب میں پھیلا اُس تیزی سے دُوسرے علاقوں میں نہیں۔ اِس کے دو کارن تھے۔ ایک یہ کہ گورو جی خود پنجاب میں تھے۔ اُن کا اصل میدانِ عمل پنجاب میں تھا اور دُوسرا یہ کہ شمال مغربی سرحد سے آنیوالے حملہ آوروں کے لئے پنجاب ہندوستان کا دروازہ تھا۔ دروازے پر کھڑے لوگوں میں اگر دیش بھگتی کا، بلیدان کا، ظلم و ناانصافی کے سامنے نہ جھکنے کا جذبہ جاگ اُٹھے تو پھر گھر محفوظ ہو سکتا ہے۔ اِس لئے گورو جی نے سب سے پہلے پنجاب کی طرف توجہ دی۔ ایک اطلاع کے مطابق پہلے دن، جب خالصہ کا جنم ہوا تو بیس ہزار[20] مردوں، عورتوں اور بچوں نے کھنڈے کا امرت" پی کر خالصہ پنتھ کو اپنایا۔ لیکن کچھ ہی دنوں میں پنجاب بھر میں ان لوگوں کی تعداد اسی ہزار ہو گئی۔ گورو جی نے جگہ جگہ اپنے آدمی بھیجے کہ "آنندپور میں آؤ، امرت لے کر خالصہ بنو ____" جگہ جگہ آدمی بھیج کر لوگوں کو بتایا کہ خالصہ پنتھ کیا ہے؟۔

ایک بہت خوبصورت اُپدیش کے دوران انہوں نے کہا ____ دُنیا میں تین قسم کے آدمی

ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو من مکھ ہیں۔ جو اپنے من کی بات کرتے ہیں۔ اپنے لوبھ، موہ، اہنکار کی وجہ سے صرف اپنے لئے سوچتے ہیں۔ گورو کی بات یا تو سنتے نہیں۔ یا سن کر پرے چلے جاتے ہیں کہ اس پر عمل نہ کرنا پڑے ـــــ دوسرے لوگ سن مکھ ہیں جو گورو کی بات سنتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اس پر عمل کریں لیکن فیصلہ نہیں کر پاتے کہ کیسے کریں؟ ان کی کمزوری ان کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔ پھر بھی گورو کے سامنے سے بھاگتے نہیں۔ کھڑے رہتے ہیں۔ انتظار کرتے ہیں کہ شاید اب بھی من میں طاقت آ جائے۔ اب بھی آ جائے۔ یہ لوگ برے نہیں۔ اچھے ہیں۔ کیوں کہ ان میں اہنکار نہیں۔ یہ اپنی کمزوری کو جانتے ہیں اسے دور کرنا چاہتے ہیں۔ ـــــ اور تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جنہیں "گورو مکھ" کہنا چاہیئے۔ وہ گورو کو دیکھتے ہیں۔ وہ گورو کی بات سنتے ہیں اور کسی بھی شک و شبہ کے بغیر مکمل طور پر اس کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔ یہ لوگ اتنے ہی قابلِ احترام ہیں جتنا گورو قابلِ احترام ہے۔ عملی طور سے وہ گورو کا روپ بن جاتے ہیں۔ جس طرح وہ پانچ پیارے بن گئے۔ جنہوں نے میرے کہنے پر اس وقت اپنے سر بھینٹ کئے۔ جب آپ میں سے کئی لوگوں نے سمجھا کہ میں پاگل ہو گیا ہوں۔"

گورو جی کا یہ نیا پنتھ ـــــ جو اصل میں شری گورو نانک دیو جی کے چلائے پنتھ کا زیادہ واضح اور وسیع روپ تھا۔ پہاڑی ندی کی طرح گرجتا، ابھرتا، اچھلتا ہوا آگے بڑھا تو قدرتی طور پر اس بڑی دھارا کے ساتھ ساتھ کچھ چھوٹی دھارائیں بھی جاگ اٹھیں۔

ان میں ایک سیوا پنتھی تھے۔ جنہوں نے سیوا کو ہی اپنا دھرم بنایا۔ عملی طور پر یہ لوگ اس زمانے کی "ریڈ کراس سوسائٹی" تھے۔ موجودہ ریڈ کراس جس طرح اپنے اور پرائے میں تمیز کئے بغیر جنگ میں سبھی زخمیوں کی سیوا کرتی ہے اسی طرح یہ سیوا پنتھی بھی کرتے تھے۔ یہ لوگ سکھی لباس پہنتے تھے کیش رکھتے تھے۔ لیکن زیادہ تر توجہ لوگوں کی سیوا پر دیتے تھے۔ لڑنے بھڑنے پر نہیں۔

انہی میں ایک سجن بھائی کنہیا جی تھے۔ جو آنند پور کی پہلی جنگ میں صرف سکھ زخمیوں کو نہیں بلکہ ان کے خلاف لڑنے والے پٹھان اور مغل زخمیوں کو بھی اپنی مشک سے پانی پلاتے، ان کے زخموں پر مرہم پٹی کرتے، انہیں حوصلہ دیتے تھے۔ سکھ سپاہیوں نے گورو گوبند سنگھ جی سے شکائت کی کہ ـــــ "جن دشمنوں کو ہم زخمی کرتے ہیں انہی کو بھائی کنہیا پانی پلاتا اور مرہم پٹی کرتا پھرتا ہے۔"

گورو مہاراج نے کنہیا سنگھ کو بُلایا۔ پُوچھا "کیا یہ بات سچ ہے کنہیا سنگھ جی؟"

کنہیا جی بولے۔ "ستگورو جی! مَیں نہیں جانتا کہ اُن میں کون سِکھ ہے۔ کون پٹھان، کون مُغل۔ مَیں صرف یہ دیکھتا ہُوں کہ وُہ زخمی ہے۔ پیاسا ہے۔ درد سے چِلّا رہا ہے۔ مَیں زخمیوں کی سیوا کرتا ہوں۔ پیاسے کو پانی پلاتا ہوں۔ جسے درد ہوتا ہے اُسے مرہم لگاتا ہُوں کیونکہ میرے پیچھے کلغی دھر بادشاہ نے مجھے یہی سکھایا ہے۔ سب کے اندر مَیں واہگورو کی جیوتی دیکھتا ہُوں۔ مجھے تو کوئی فرق نظر نہیں آتا۔"

گورو جی نے پیار سے کہا۔ "شاباش کنہیا سنگھ۔ تمہارے مُنہ سے مَیں یہی سُننا چاہتا تھا۔ تم جو کچھ کرتے ہو۔ وہی کرتے رہو۔ یہی تمہارا دھرم ہے۔"

اِسی طرح ایک شاخ اور تھی ــــ "نِرملے"

یہ لوگ شری گورو گرنتھ صاحب جی کا ذہنی طور پر بہت گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرتے تھے۔ اَب بھی کرتے ہیں۔ سنسکرت، فارسی، عربی اور دُوسری بھاشاؤں اور دُوسرے دھرموں کا گیان حاصل کرنے کے بعد یہ گوربانی کی عظمت کو سِکھوں کے سامنے رکھتے رہے ہیں۔ ایک وقت تھا جب یہی لوگ عام طور سے گوردواروں کا پربندھ کرتے تھے۔ اَب یہ لوگ ایشور بھگت ہیں۔ گوربانی کے پرچارک ہیں لیکن ان کی زیادہ توجہ سِکھ دھرم کے فلسفیانہ پہلو پر ہے۔ عملی پہلو پر نہیں ــــــــــ

ایک اور شاخ تھی (اور آج بھی ہے) ۔ "سہج دھاری"

یعنی ایسے لوگ جو سِکھ ضرور تھے۔ لیکن گورو مہاراج کے ایسے احکام پر عمل نہیں کرتے تھے جو اُنہیں کٹھن معلوم ہوتے تھے۔ اُس زمانے میں "سہج دھاری" ایسے سِکھوں کو کہا جاتا ہے جو گورو مہاراج کے بھگت ضرور تھے لیکن ہتھیار لے کر لڑتے نہیں تھے۔ اَب چونکہ کئی سِکھ بھی لڑنے کا کام نہیں کرتے، اِس لئے "سہج دھاری" اُن لوگوں کو کہا جاتا ہے جو "کیش" نہیں رکھتے۔

لیکن ان شاخوں میں سب سے عظیم شاخ وُہ تھی جسے گورو مہاراج نے "اکالی" کا نام دیا۔ "اکالی" کا لفظی مطلب ہے۔ وُہ سِکھ جنہوں نے اپنے آپ کو اکال پُرکھ کے حوالے کر دیا ہے اور اپنے پن کو ختم کر دیا۔ یا "وُہ جس کے لئے مَوت نہیں، موت کا خوف نہیں ــــ"۔ جس نے پروفیسر پورن سنگھ جی کے شبدوں میں "گورو مہاراج کے امرت کا دوسروں سے زیادہ حصّہ پایا ہے۔ جو لافانی ہو گیا ہے جس کے لئے اِس جسم کی کوئی ہستی نہیں۔ جو جسم میں رہتا ہُوا بھی اپنے

جسم کو بھول گیا ہے۔ جس کے لئے کوئی خوف، کوئی خطرہ، کوئی پاپ نہیں کیوں کہ اُس کا کوئی اپناپن نہیں ــــ"

عجیب قسم کے لوگ تھے یہ ــــ ہر وقت تیار بر تیار۔ سر سے پاؤں تک ہتھیاروں سے لیس۔ گوردوارہ اور دا گورو کے سوا تیسرے کو وُہ جانتے نہیں تھے۔ یہ وُہ لوگ تھے جنہوں نے صحیح معنوں میں گورو جی کے مشن کو پورا کیا جنہوں نے اِس ملک میں ایسی خودداری، ایسی بے خوفی ایسی جرأت اور ایسی شجاعت جگا دی کہ ظلم و ناانصافی کی بنیادیں تھرتھرانے لگیں۔

گورو مہاراج کے پیغام کو عملی طور سے اپنے جیون میں اپنا کر عمل کی خاموش زبان میں کہا۔

ــــ میں اکالی ہُوں۔ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دو ــــ الگ الگ کر دو ــــ میں مر نہیں سکتا ــــ میں اکالی ہُوں ــــ میں وُہ آتما ہُوں جو کبھی مرتی نہیں ــــ میں وُہ ہوا ہُوں جو مکان میں ہمیشہ رہتی ہے۔ اِس دروازے سے نکالو۔ دُوسرے سے اندر آجاتی ہُوں۔ میرے گورو نے مجھے پُورن بنا دیا ہے ــــ میں پُورن مکتی ہُوں ــــ پُورن سچائی ہُوں ــــ پُورن محبت ہُوں میرے لئے کوئی مَوت نہیں ــــ میری زندگی کا کہیں انت نہیں ــــ"

یہ وُہ لوگ تھے جنہوں نے عملی طور سے پنجاب کو ایک نئی بھاشا دی۔

کسی آدمی کے مرنے پر وُہ کہتے ــــ "وُہ چڑھائی کر گیا ہے ــــ" یعنی "سُورگ پر حملہ کرنے گیا ہے۔"

بُھنے ہُوئے چنے کھاتے وقت وُہ کہتے ــــ "بادام کھا رہے ہیں۔"

ایک دو دِن کی پرانی باسی روٹی کو کہتے ــــ "یہ میٹھا پرشاد ہے۔"

سونے اور چاندی کے سِکّوں کو انہوں نے "چھِیکرے" کا نام دے دیا۔

"ایک" کو وُہ سوا لاکھ کہتے۔

اپنے آپ کو "خالصے دیاں فوجاں" (خالصے کی افواج) کہتے تھے۔

کِسی سے کچھ مانگتے تو کہتے "ٹیکس اُگاہنے آئے ہیں۔"

شہنشاہ اورنگ زیب کو وُہ "اورنگا" کہتے تھے۔

لال مرچ کو "لڑاکی"

پیاز کو "رو پا"

اِس طرح کتنے ہی نئے الفاظ اُنہوں نے پیدا کیے۔ بے خوف سپاہیوں کی ایک نئی بھاشا

اُنہوں نے رائج کر دی۔ ایسے سپاہی جو ڈرنا نہیں جانتے۔ ہارنا نہیں جانتے جھکنا نہیں جانتے جن کے لئے زندگی اور موت سب برابر ہیں۔ امارت و افلاس برابر ہیں سکھ اور دُکھ برابر ہیں۔ جو اپنے گورو کے سوائے کسی راجہ، مہاراجہ، بادشاہ کو نہیں مانتے۔ تیاگ، تپ اور بلیدان کے اس مارگ پر چلنے کے باوجود یہ لوگ گرہستی تھے۔ ان کے بیوی بچے تھے۔ لیکن ان کے تیاگ کی انتہا یہ تھی کہ "دھرم یدھ" کا دمامہ بجتے ہی وُہ سب کچھ چھوڑ کر، اپنا گھوڑا اور ہتھیار لے کر اس طرح چل پڑتے جیسے گھر بار، بیوی، بچے، کسی کی کوئی وقعت، کوئی حیثیت نہیں۔ شاید انہی کو احمد شاہ ابدالی نے کہا تھا ـــــ "پنجاب میں داڑھی اور سر کے بال بڑھائے کچھ لوگ اس طرح گھوڑے پر بیٹھ کر لڑتے ہیں جیسے وُہ گھوڑے سے الگ نہ ہوں اسی کا حصہ ہوں۔ جیسے گھوڑے کے سوائے ان کا کوئی گھر نہ ہو ـــــ"

انہی لوگوں کے متعلق آج سے ۵۰ برس پہلے پروفیسر پورن سنگھ جی نے اپنی کتاب "ڈاؤن ہارٹز" میں لکھا ـــ "برطانوی حکومت انہیں پنجاب میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتی"

ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ میں شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے "اکالیوں" کے متعلق کہتا ہوں اُن لوگوں کے متعلق نہیں جنہوں نے مسٹر میکالیف کو اپنا رہبر مانا ہے۔۔۔ اس شاطر انگریز کی نگاہوں سے اپنے پوتر دھرم کو دیکھا جو اپنی کتاب "سکھ ریلیجن" (صفحہ ۹۶ جلد ۵) میں "امرت چھکنے" کے متعلق کہتا ہے کہ۔

"سکھ دھرم کو اپناتے وقت امرت چھک کر جو لوگ سکھ بنتے ہیں وُہ آج کل دُوسری باتوں کے ساتھ یہ حلف بھی لیتے ہیں کہ برطانوی حکومت کے وفادار رہیں گے ـــــ"

جو لوگ اس میکالیف کو اپنا رہبر مانتے ہیں۔ اُن کے متعلق اس جگہ کچھ کہنے کا سوال میرے لئے پیدا نہیں ہوتا۔ میں شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے ان اکالیوں کی بات کہتا ہوں جنہوں نے اپنے تپ تیاگ اور بلیدان، بے خوفی اور جرأت سے اس دلیش کو ایک نیا جیون دیا۔ ایک نئے یُگ کو شروع کر دیا۔

اکالیوں کے ساتھ انہی دِنوں ایک اور شاخ بھی جاگ اُٹھی جو اپنے آپ کو "نہنگ" کہتے تھے۔ عملی طور پر یہ لوگ اکالی تھے لیکن ایسے اکالی جن کا کوئی گھر بار، کوئی سمبندھی، کوئی رشتے دار نہیں تھا۔ سب کو چھوڑ کر پیلے اور نیلے کپڑے پہنے ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس یہ بے خوف بہادر۔

ظلم و نا انصافی کے لئے دہشت بن کر گھومتے پھرتے تھے۔ سکونت اور ولدیت پوچھنے پر وہ کہتے تھے ـــــ "ہمارے پتا گورو گوبند سنگھ ہیں۔ ماتا صاحب کور ـــــ اور رہنے کی جگہ ہے آنند پور ـــــ"

سچ ہی اُن دنوں میں آنند پور میں ایک نئی دُنیا جاگ اُٹھی۔

صدیوں سے غلامی کی ایڑیوں تلے پستے ہوئے اس ملک کے لئے اُمید کی دُنیا۔ وشواس کی دُنیا۔ ہمت کی دُنیا۔

صدیوں سے توہمات اور پاکھنڈوں میں پھنسی اس قوم کے لئے ایک نئی روحانیت، نئی مسکراہٹ، نئی عقیدت کی دُنیا۔

شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے خالصہ کے لئے جو پانچ نشان مقرر کئے۔ اُن کے متعلق کئی لوگ نکتہ چینی کرتے ہیں کہ ان کی ضرورت کیا تھی؟۔ ان کا فائدہ کیا ہے؟ ـــــ میں سمجھتا ہوں کہ جو مہان آدرش گوروجی کے سامنے تھا اور اپنے دیش میں جس نئے جیون کو جگانے کا وُہ خواب دیکھ رہے تھے۔ اُن کی موجودگی میں یہ نشان ضروری اور لازمی تھے۔

سر اور داڑھی کے بال جوں کے توں رکھنے کا حکم انہوں نے اس لئے دیا کہ وُہ اُس پراچین آریہ ورت کی عظمت کو اور کلچر کو پھر سے زندہ کرنا چاہتے تھے جس میں رشی، مُنی، آچاریہ اور سبھی قابلِ احترام لوگ داڑھی اور سر کے بال جوں کے توں رکھتے تھے ـــــ یہ وُہ زمانہ تھا جب مغلوں، ترکوں، پٹھانوں کی نقل کرتے ہوئے لوگوں نے اپنا لباس بدل لیا تھا۔ رہن سہن بدل لیا تھا۔ گوروجی نے اپنے سِکھوں کو ایک ایسا رُوپ دینے کا فیصلہ کیا جو بدیشیوں کی نقل نہیں بلکہ اس ملک کی اپنی عظمت کا نشان ہو۔

ظاہر ہے کہ داڑھی اور سر کے بال رکھنے ہوں تو ضروری ہے کہ آدمی ایک کنگھا بھی اپنے پاس رکھے تاکہ ضرورت کے وقت اُنہیں صاف کیا جا سکے۔

"کچھا" ـــــ "کچھہرا" یا "نصف پائجامہ" ـــــ کی اہمیت کو وُہ لوگ بخوبی سمجھ سکتے ہیں جو اسے استعمال کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی آدمی کے لئے جو ہر وقت تیار بر تیار بھی رہنا چاہتا ہو اور یہ بھی چاہتا ہو کہ اُس کا لباس اُس کے اُٹھنے،

بیٹھنے، لیٹنے وغیرہ میں حائل نہ ہو، اُس کے لیئے "کچھہرا" بہترین لباس ہے۔ اُس کے اُوپر دھوتی، پائجامہ، شلوار، پتلون ـــ کچھ بھی پہن کر جا سکتے ہیں۔ اور کچھ نہ ملے تو "کچھہرا" ہے ہی۔ شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ پراچین ویدک دھرم میں کسی بھی ایسے آدمی کے لیئے جو یگیہ کرنا چاہتا ہو محض دھوتی پہن کر یگیہ میں بیٹھنا منع ہے۔ اُس کے لیئے ضروری ہے کہ دھوتی کے نیچے یا تو لنگوٹی پہنے یا کچھہرا۔

کرپان کے متعلق کوئی بھی آدمی سمجھ سکتا ہے کہ اُس وقت اِس ملک کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی۔ پستولوں اور بندوقوں وغیرہ کا رواج ابھی عام نہیں ہوا تھا۔ یہ کرپان حفاظت کا نہیں صرف حملے کا ہتھیار تھا۔ اِس لیئے گورو مہاراج نے حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے پاس کرپان رکھے تاکہ اُسے بچاؤ اور حملہ دونوں کاموں کے لیئے استعمال کر سکے۔

اور سب سے آخر میں ہے "کڑا" ـــ مَیں نہیں جانتا کہ آج کل کچھ بھائیوں نے اِسے "چُوڑی" کی شکل کیوں دیدی ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ "کڑا" محض ایک نشان نہیں۔ کرپان کی طرح بہت مُفید ہتھیار ہے۔ پُرانے زمانے میں لوگ لوہے کا کافی موٹا کڑا پہنتے تھے۔ اتنا موٹا کہ اگر کوئی آدمی تلوار سے اچانک وار کر دے اور دُوسرا آدمی اپنا کڑے والا بازو اِس طرح آگے کر دے کہ تلوار کا وار کڑے پر پڑے تو یہ وار بے کار ہو جاتا تھا۔ پھر یہ کڑا چونکہ کافی موٹا اور وزنی ہوتا تھا۔ اس لیئے ہتھیار کے طور پر بھی استعمال ہو سکتا تھا۔ دُوسری کوئی چیز پاس نہ ہو تو کڑا پہننے والا دوسرے کے سر کو کڑا مار کے پھوڑ دیتا تھا۔

اِس لیئے مَیں سمجھتا ہُوں کہ گورو مہاراج نے خالصہ کے لیئے جو پانچ نشان مقرر کیئے وُہ کلیتاً درست تھے۔ کلیتاً ضروری و لازمی تھے جو لوگ ان پر نکتہ چینی کرتے ہیں وُہ یا تو گورو جی کے آدرش کو سمجھ نہیں پاتے یا اُس فلسفے کو جسے وُہ لوگوں کے سامنے رکھنا چاہتے تھے۔

مَیں ان سطور کو لکھتا ہُوں تو بار بار اُس آنند پور کی تصویر میرے من کے سامنے آتی ہے جو آج سے دو سو چھیاسٹھ (۲۶۶) برس پہلے موجود تھا اور جہاں ایک مہان یُگ پرش ایک نئے یُگ کو جنم دے رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں سینکڑوں ہزاروں برسوں کی دُوری تک دیکھ رہی تھیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ وُہ آج سے تین سو برس پہلے ہوئے، لیکن اصلیت یہ ہے کہ شری گورو نانک دیوجی مہاراج کے جس اندولن کو وُہ پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے وُہ ہر وقت اور ہر زمانے میں غلام اور مظلوم کا سہارا ہے۔ ہر زمانے میں انیائے اور اتیاچار کا جواب ہے۔ اِس عظیم اندولن اور عظیم ترمشن کے لئے وُہ آنند پور میں ایسی جیوتی روشن کر رہے تھے جو صدیاں گزر جانے کے بعد بھی بُجھے نہیں۔ ایک طرف نئے لباس میں نئے سِکھ سجائے جا رہے تھے۔ اُن کے لئے ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔ اِس لئے جگہ جگہ یہ ہتھیار بنائے جا رہے تھے جگہ جگہ ان ہتھیاروں کو استعمال کرنے کی تربیت دی جا رہی تھی۔ دُوسری طرف "بھگتی رس" اور "ویر رس" کے سیلاب اُمڈ رہے تھے۔ "ایشور بھگتی" "ایشور پریم" اور "ایشور وشواس" کے امرت کو جگاتی ہوئی گوربانی کا جیون دینے والا کیرتن ـــــ دُوسری طرف گورو مہاراج کی اور اُن کے باون کویوں کی گرجتی، اُبھرتی، للکارتی ہوئی ویر رس کی کویتا ـــــ دونوں گورو مہاراج کے اُس خواب کو اصلیت بنا رہے تھے جو اُنہوں نے ایسے لوگوں کے متعلق دیکھا جو ایک ہی وقت میں "سنت" اور "سپاہی" دونوں ہوں گے۔

لیکن ان کارخانوں سے جن میں ہتھیار بن رہے تھے۔ ان اجتماعوں میں جن میں ہتھیاروں کو استعمال کرنے کی تربیت دی جاتی تھی۔ ان ست سنگوں سے جن میں گوربانی کا کیرتن ہوتا تھا۔ اور گورو مہاراج کے ان درباروں سے جن میں تاریخ، ادب، فلسفہ، شاعری، مصوری اور موسیقی کے عظیم ترین نمونے پیش کئے جاتے تھے ـــــ اِن سب سے ذرا انوکھی لیکن بے حد دلکش چیز تھا گوروجی کا لنگر ـــــ آنند پور کے اندر ہر آدمی کا رسوئی گھر قانونی طور سے "گورو کا لنگر" تھا۔ ہر آدمی کے لئے حکم تھا کہ باہر سے کوئی آدمی کسی بھی وقت آئے، آ کر کھانا مانگے تو اُسے کھانا کھلاؤ ـــــ"

ایک دِن گوروجی نے یہ دیکھنے کے لئے کہ لوگ اِس حکم پر عمل بھی کرتے ہیں یا نہیں، آنند پور کے کچھ گھروں میں جانے کا فیصلہ کیا۔ اپنا بھیس بدل لیا اُنہوں نے تاکہ کوئی پہچانے نہیں۔ اور ایک ایک کر کے کئی گھروں میں گئے۔ کسی نے کہا "ابھی تو دِن نکلا ہے۔ ابھی کھانا کہاں سے ملیگا؟"۔ کسی نے کہا۔ "ایک گھنٹہ کے بعد آنا۔ تب شاید کھانا تیار ہو جائے"۔ کسی نے کہا۔ "پہلے گوروجی کو کھانا بھیجا جائے گا۔ اُس کے بعد ملیگا" ـــــ ہر کسی نے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیا

یہ ٹھیک ہے کہ وہ کھانا کھانے کا وقت نہیں تھا لیکن گورو جی کا حکم یہ تھا کہ جس وقت بھی کوئی آدمی آکر کھانا مانگے اُسی وقت اُس کو جیسا کھلا سکتے ہو ویسا کھلاؤ۔

کچھ اُداس سے ہو کر وہ بھائی نندلال گویا کے گھر پر پہنچے۔ دھیمے سے بولے "میں پردیسی ہوں۔ کھانا ملیگا؟" بھائی نندلال جی جلدی سے گھر میں گئے اور دال، چاول، آٹا، گھی، سبزی۔ جو کچھ بھی ملا۔ اُسے اُٹھا لائے۔ سامنے کھڑے پردیسی کو دیتے ہوئے بولے ——— "افسوس ہے کہ ابھی کھانا تیار نہیں ہوا۔ آپ چاہو تو میرے چولھے پر یا کسی بھی چولھے پر خود بنا لو۔ چاہو تو میں بنا کر آپ کو دے سکتا ہوں۔"

گورو جی نے وہ چیزیں لیں۔ چپکے سے چلے آئے۔

اُسی روز اُنہوں نے اپنے دربار میں ساری کہانی سُنائی کہ کس طرح وہ بھیس بدل کر لوگوں کے گھروں میں پہنچے۔ کس طرح بھائی نندلال کے سوائے کسی نے اُنہیں کھانا نہیں دیا۔

اور بولے۔ "نندلال جی نے جو کچھ کیا، وہی کرنا درست تھا۔ جو آدمی آپ سے مانگنے آیا ہے اُسے جو بھی دے سکتے ہو وہی دو۔ تم میں سے ہر آدمی کے گھر کا لنگر گورو کا لنگر ہے۔ گورو کے لنگر سے کسی کو نراش نہ جانے دو۔ صبح ہو یا شام، دن ہو یا رات، سردی ہو یا گرمی۔ روشنی ہو یا اندھیرا ——— گورو کے لنگر سے کسی وقت بھی کسی آدمی کو انکار نہیں ہونا چاہیئے۔"

یہ بھائی نندلال جی گویا عربی و فارسی کے وہی عالم اور شاعر تھے جو اورنگ زیب کے ہاں سے بھاگ کر گورو جی کے پاس پہنچے اور جنہوں نے اپنا سارا جیون گورو بھگتی کی شاعرانہ مستی میں گذار دیا۔ اتنی خوبصورت، اتنی پیار بھری غزلیں اُنہوں نے اپنے روحانی محبوب کے متعلق لکھیں کہ آج بھی "دیوانِ گویا" کو پڑھ کر لوگ جھوم اُٹھتے ہیں۔ بھائی نندلال جی کے ایک فارسی شعر کا ترجمہ یہ ہے ۔

تو اِک سمندر ہے ۔
میں اک بے چین لہر ۔
ہم دونوں پانی سے بنے ہیں ۔

لیکن دونوں میں کتنا فرق؟
مَیں ایک موج ہُوں صرف۔
تُو بحرِ بیکراں۔
دونوں میں اُتنا ہی فرق ہے۔
جتنا زمین و آسمان میں ——— "

لیکن مَیں "لنگر" کی بات کہہ رہا تھا۔ آنند پور کے ہر سکھ کا لنگر "گورو جی کا لنگر" تھا۔ لیکن گورو جی کا بڑا لنگر تو اُن کے اپنے گھر میں تھا۔ ہر روز سینکڑوں لوگ وہاں کھانا کھاتے تھے۔ کبھی کبھی یہ تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی تھی۔ حکم یہ تھا کہ باہر سے آنے والا ہر سکھ گورو کے لنگر سے کھانا ضرور کھائے۔ ذات پات کے بھید بھاؤ کو بھول کر سب کے ساتھ مِل کر کھاتے۔ کیونکہ سکھوں میں کوئی برہمن، شودر، ویش یا کھشتری نہیں سبھی "سنت سپاہی" ہیں سبھی کھشتری۔ سبھی برابر ہیں ——— "

" پہلے پنگت۔ پھر سنگت "

یہ تھا گورو مہاراج کا حُکم ——— پہلے سب کے ساتھ ایک ہی قطار میں بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔ پھر ست سنگ میں جاکر گورو مہاراج کے درشن کرو۔

ایک بار ایسا ہوا کہ ملک بھر میں خشک سالی کی وجہ سے اناج کی پیداوار کم ہوئی۔ گورو جی کے گودام میں بھی اُتنا اناج نہیں پہنچا جتنا پہنچنا چاہیئے تھا۔ اِس کمی کے پیشِ نظر گورو جی کی ماتا گوجری نے حکم دیدیا کہ گورو کے لنگر میں صرف ایک وقت کھانا بنایا جائے۔ ایک وقت بھی کنجوسی اور کفایت سے تقسیم کیا جائے۔"

کچھ سکھوں نے اِس کے متعلق گورو مہاراج سے شکائیت کی تو وہ دُکھی ہوئے۔ بولے۔
" یہ بہت غلط بات ہے۔ کِسی نے میری ماتا جی کو بہت غلط مشورہ دیا۔ اور جس کسی نے دیا اُس کا بھلا نہیں ہوگا۔ یاد رکھو خالصہ جی۔ گورو کا لنگر ہر وقت کھُلا رہنا چاہیئے۔ کِسی وقت بھی اُسے بند نہیں ہونا چاہیئے۔ اناج کی کمی ہے تو مجھے بتاؤ۔ مَیں اُسے دُور کردوں گا۔"

اور ماتا جی نے اُسی روز اپنا حُکم واپس لے لیا۔ ایک بار کے بجائے چار بار کھانا بننے لگا۔ ہر آدمی کو پیٹ بھر کے ملنے لگا۔

اور اُسی روز سے لنگر کے لئے نیا اناج آنے لگا۔ اُس کے بعد اناج کی

کبھی کمی نہیں ہوئی۔

آریہ شاستروں میں مہاپرش اور اوتاری پرش کی ایک پہچان لکھی ہے کہ "اُس کے بازو گھٹنوں تک لمبے ہوں گے" — یعنی اگر وہ سیدھا کھڑا ہو تو اُس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں گے ———— اور شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے بازو واقعی گھٹنوں تک لمبے تھے۔ اِن لمبے بازوؤں کی وجہ سے اپنی عظیم روحانی شکتی کی وجہ سے اور اپنے اَن تھک ابھیاس کی وجہ سے وُہ تیر چلاتے تو قیامت جاگ اُٹھتی۔ اُن کا نشانہ کبھی خالی نہیں جاتا تھا۔ جنگ کے وقت جب وُہ دیکھتے کہ اُن کے مُٹھی بھر آدمیوں پر بہت زیادہ دشمنوں نے حملہ کر دیا ہے اور اُن کے آدمی دبے جاتے ہیں تو وُہ کمان اُٹھاتے اور تیروں کی بارش شروع کر دیتے۔ اُس وقت یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ وُہ کس وقت تیر کو چٹکی میں لیتے ہیں، کس وقت کمان پر رکھتے ہیں، کس وقت کمان کو کھینچتے ہیں، کس وقت تیر کو چھوڑتے ہیں ———— بجلی کی طرح اُن کے بازو ہلتے تھے۔ بجلی کی طرح تیر چلتے تھے جیسے بجلی جنگل کے اشجار پہ گر پڑی ہو۔ اِس طرح اُن کے دشمن میدانِ جنگ میں زمین چاٹتے تھے ———— لیکن وُہ گوبند سنگھ تھے۔ دشمن کے لئے بھی اُن کے دِل میں سخاوت کا جذبہ تھا۔ اِس لئے اُن کے ہر تیر کے ساتھ تھوڑا سونا اِس لئے لگا رہتا تھا کہ جو آدمی اُن کے تیر سے ہلاک ہو اُسے کفنانے، دفنانے یا جلانے کا خرچ اُس سونے کو بیچ کر پُورا کیا جا سکے۔ اِس قسم کے تیر اور دُوسرے زیور بنانے کے لئے کئی بار اُنہیں سُناروں کی ضرورت پڑتی تھی ایک دن ایک سُنار اُن کے پاس آیا۔ اُس کا دعوےٰ تھا کہ وُہ سونے کے بہت اچھے زیور بنا سکتا ہے ————

گورو جی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "میرے تیروں کو اِس طرح سونا بھی لگا سکتے ہو کہ ضرورت کے وقت اُسے آسانی سے الگ کیا جا سکے؟"

سُنار نے کہا ــ "ضرور بنا سکتا ہُوں سچے پادشاہ۔"

گورو جی بولے ــ "اور ایسے زیور بھی بنا سکتے ہو جن میں کوئی عیب نہ ہو؟"

سُنار نے جوش سے کہا۔ "بنا سکتا ہُوں سرکار۔"

گورو جی ہنسے۔ بولے:- "نہیں کلاکار۔ ہر آدمی میں کوئی نہ کوئی عیب ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی کمزوری۔ لیکن تمہارا دعوےٰ ہے تو خزانچی سے سونا لے کر اپنا کام شروع کر دو۔"

کام شروع ہُوا۔ گوردھاراج کا حکم تھا کہ سُنار کو جو سونا دیا جائے اُسے تولا نہ جائے۔ سُنار صُبح کے وقت سونا لیتا۔ شام کو زیور یا تیر بنا کر واپس لے آتا۔

ایک دِن گوردھاراج نے خزانچی کو خُفیہ طور پر کہا ــــ "آج اِسے تول کر سونا دو۔ شام کو زیور لائے تو انہیں بھی تولو۔"

خزانچی نے صُبح کے وقت سونا تول کر دیا۔ بیس (۲۰) تولے۔

شام کو زیور تولے۔ وُہ سترہ تولے تھے۔ تین تولے سونا غائب۔

خزانچی نے سُنار کو پکڑا۔ گوردھاراج کے پاس لے گیا۔

گوردھاراج نے ساری بات سُنی تو بولے ــــ "کیوں بھائی۔ مَیں نے نہیں کہا تھا تجھے کہ ہر آدمی میں کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ اُسے سمجھے تسلیم کرے۔ دُور کرنے کی کوشش کرے۔"

اور اپنے آدمیوں سے بولے ــــ "اِس کے گھر کی تلاشی لو۔ سونا مِل جائے گا۔"

ایک دِن دربار سجا تھا۔

گوردھاراج براجمان تھے۔ گوربانی کا کیرتن ہو رہا تھا ــــ تبھی بھگت کبیر کے شبد کا کیرتن شروع ہُوا۔

کبیر من نِرمل بھیا جیسا گنگا نیر
پاچھے لاگو ہری پھرے کہت کبیر کبیر

اور گوردھاراج نے کیرتن کے بعد کہا ــــ "اچھا سادھ سنگت جی! ایک بات تو بتاؤ۔ یہاں ہزاروں لوگ بیٹھے ہیں۔ کیا کسی کو معلوم ہے کہ جب کبیر بھگت ہوئے تب اِس مُلک میں بادشاہ کون تھا؟"

اور سب لوگوں کو اِس بات سے حیرت ہوئی کہ جہاں کبیر صاحب کا سارا جیون یاد تھا۔ اُن کے کئی شبد یاد تھے۔ وہاں کسی کو ٹھیک طرح سے یہ یاد نہیں کہ اُن کے زمانہ میں بادشاہ کون تھا۔ کتنے ہی لوگوں نے کتنے ہی بادشاہوں کے نام لئے۔ لیکن کسی نے بھی ٹھیک نہیں بتایا ــــ اور گوردھاراج بولے ــــ "دیکھو یہ ہے پربھو اور اُس کی مایا کا فرق۔ کبیر جی

ایشور کا، پربھو کا نام لیتے تھے۔ اُسی کی پُوجا کرتے رہے۔ آج معمولی سے معمولی آدمی بھی اُنہیں جانتا ہے۔ اُن کی عزّت کرتا ہے ——— لیکن وُہ بادشاہ جو مایا کے پیچھے بھاگتے رہے اِس کی پُوجا کرتے رہے اُس کے لئے خون کی ندیاں بہاتے رہے۔ اُن کے متعلق کسی کو یہ بھی یاد نہیں کہ وُہ ہوئے کب تھے؟۔ اُن کا نام کیا تھا؟"

گورو مہاراج کو بھنگانی کی جنگ میں لاثانی فتح ملی تو اُن کے کچھ بھگتوں نے عرض کی "مہاراج پہاڑی راجیہ لوگ ہار چکے۔ اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔ سِکھوں کے حوصلے بلند ہیں۔ دُوسرے لوگ ہمارے سامنے آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ آپ اجازت دیں تو ہم بھنگانی سے آنند پور تک کا سارا علاقہ فتح کر کے ایک نیا راجیہ بنا دیں۔"

گورو مہاراج نے کہا ——— "مَیں دُنیا میں ظلم کو ختم کرنے اور دھرم کو پھیلانے آیا ہُوں۔ اپنا ذاتی راج قائم کرنے کے لئے نہیں۔"

اور واقعی اپنا کوئی ذاتی راجیہ قائم کرنے کی کوشش اُنہوں نے نہیں کی۔

لیکن اِس کے باوجود یہ سچ ہے کہ اُن کی حکومت کابل اور کشمیر سے لے کر کامروپ اور کنیا کماری تک تھی۔ اِن سے بھی پرے تک اُس جگہ پر تھی جہاں اُن کا خالصہ رہتا تھا۔ سِکھوں کیلئے گورو مہاراج کا آنند پور ایسے تھا جیسے عظیم خالصہ راج کی راجدھانی ہو۔ راجدھانی میں جس طرح لوگ آتے ہیں۔ اُسی طرح دُور دُور سے سِکھوں کے قافلے اپنے گورو مہاراج کے درشن کرنے کے لئے آنند پور میں آتے تھے۔

ایسا ہی ایک قافلہ ماجھا (لاہور و امرت سر کا علاقہ) کی طرف سے آ رہا تھا۔ کئی مرد تھے اِس میں، کئی عورتیں تھیں۔ کچھ بچے بھی تھے۔ یہ لوگ پا پیادہ چلے جاتے تھے۔ جب قافلے والے ایک جگہ کچھ دیر کے لئے کھڑے ہو گئے۔ لیکن ایک نوجوان عورت دیپ کور اِس خیال سے کہ قافلے والے پیچھے آ رہے ہیں۔ آگے بڑھتی گئی۔

دیپ کور نوجوان بھی تھی۔ خوبصورت بھی۔

مستانہ وار وُہ آگے بڑھی جاتی تھی۔ جب اُس نے دیکھا کہ اُس کے سامنے تین آدمی کھڑے ہیں۔ یہ بھی دیکھا کہ اُن کی نیت اچھی نہ ہے ——— تبھی اُس نے پیچھے دیکھا۔ قافلے والے کہیں نظر نہیں آتے تھے۔

بہت مشکل وقت تھا یہ۔ وُہ عورت تھی۔ سامنے مرد۔ وُہ ایک تھی۔ سامنے تین۔ بجلی جیسی تیزی سے اُس نے ایک سکیم سوچی۔ بجلی جیسی تیزی کے ساتھ اپنے بازو سے سونے کا ایک کڑا اُتار کر اپنے سامنے پھینک دیا۔ جیسے ہی ایک آدمی سونے کے لالچ کی وجہ سے کڑے کو اُٹھانے کے لئے نیچے جھکا۔ ویسے ہی دیپ کور نے اپنی کرپان نکال کر اُس کا سر تن سے جُدا کر دیا۔ اس بات کو دیکھ کر دُوسرے دو آدمی چلّا اُٹھے لیکن اس سے پہلے کہ وُہ اپنی تلواریں نکالتے، دیپ کور نے ایک آدمی کے سینے میں اپنی کرپان گھونپ دی۔ تیسرے نے تلوار نکال کر وار کرنا چاہا تو دیپ کور نے اُسے دھکا دے دیا۔ وُہ گرا تو دیپ کور شیرنی کی طرح اُس کے سینے پر جا چڑھی۔ اُس کی گردن پر کرپان کی نوک رکھ کر گرج اُٹھی —— "گیدڑ کی اولاد۔ تم نے کبھی شیرنی نہیں دیکھی؟"

اور کرپان کو اُس نے پُوری طاقت سے گردن پر دبا دیا۔

اُسی وقت قافلے والے بھی آ گئے۔

دُور سے انہوں نے دیپ کور کی اس انوکھی حالت کو دیکھا۔ دوڑتے ہوتے اُس کے پاس آئے۔ ساری بات سُنی۔ لاشوں کو ایک طرف پھینک دیا۔ دیپ کور کے خون بھرے کپڑے بدلوائے۔ آگے چل پڑے۔

آنند پور پہنچ کر انہوں نے یہ بات گورو مہاراج کو سُنائی۔ یہ بھی پوچھا کہ "سچے بادشاہ! یہ نوجوان عورت پرائے مرد کی چھاتی پر بیٹھی رہی۔ اس سے اس کا دھرم نشٹ ہُوا ہے یا نہیں؟"

گورو مہاراج نے کہا —— "آج سے یہ میری بیٹی ہے۔ اس سے پوتر کون ہو گا؟ اس نے پاپ کا مقابلہ کیا ہے۔ اُسے سزا دی ہے۔ اُس کے سامنے جھکی نہیں۔"

پیچھے مَیں نے "مسندوں" کا ذکر کیا۔ لوگ اُن سے تنگ تھے۔ گورو مہاراج لوگوں کی تکلیفوں کے کارن دکھی تھے۔ انہوں نے حکم دیا کہ سبھی مسندوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر اُن کے سامنے حاضر کیا جائے۔ کئی مسند بھاگ گئے۔ کئی مسندوں کو اُنہی کے علاقہ میں رہنے والے لوگوں نے واقعی گرفتار کیا اور آنند پور میں لا کر گورو مہاراج کے سامنے پیش کر دیا۔

لیکن سبھی مسند تو بُرے نہیں تھے۔ کئی مسند ایسے بھی تھے جو اپنے علاقہ کے سکھوں کو تنگ کرنے کی بجائے اُن کی خدمت کرتے تھے۔ لوگ اُن کی عزّت کرتے تھے۔ اُن سے

پیار کرتے تھے۔ ایسے ایک مسند تھے "بھائی پھیرو" ـــــ لوگوں کو اُن کے خلاف کوئی شکایت نہ تھی۔ اُن کے پاس حکم پہنچا کہ اپنے علاقہ کے مسند کو گرفتار کر کے ہمارے پاس لاؤ تو لوگ حیران ہوئے کہ کیا کریں؟ بھائی پھیرو کو انہوں نے صاف طور پہ کہا ـــــ "گورو مہاراج کا حکم سر ماتھے پر۔ لیکن آپ کو گرفتار کرنے اور آپ کے ہاتھ پاؤں باندھنے کی بات تو ہمیں سمجھ نہیں آئی۔ آپ نے کوئی غلط بات کی نہیں۔ پھر یہ ہاتھ پاؤں باندھنا کیوں؟"۔

بھائی پھیرو نے کہا۔ "لیکن تو بھی آپ کو چاہیئے کہ میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر مجھے گورو جی کے پاس لے چلو۔ یہ اُن کا حکم ہے"۔

لوگ یہ بات مانے نہیں۔ صرف یہ مانے کہ "آپ گورو مہاراج کے پاس چلو۔ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔ ہم کہیں گے کہ ہمیں اپنے مسند سے کوئی شکایت نہیں۔"

لیکن بھائی پھیرو تو یہ بات مانے نہیں۔

اُن کی داڑھی بہت لمبی تھی۔ اُس سے اپنے ہاتھ باندھ، اور داڑھی کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر وہ آنند پور پہنچے۔

گورو مہاراج نے ہنستے ہوئے پوچھا ـــــ "یہ کیا ہے؟"

بھائی پھیرو نے سر جھکا کے کہا ـــــ سچے پادشاہ! میرے علاقہ کے لوگ میرے ہاتھ باندھ کر آپ کے حضور میں لانے کو تیار نہیں ہوئے۔ اس لئے مجھے خود ہی یہ کام کرنا پڑا۔ حکم کیجئے مالک! اگر اس سر کو کاٹنے سے آپ کو خوشی ہو تو کاٹ دیجئے اسے۔"

گورو مہاراج نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کے کہا ـــــ "نہیں پھیرو۔ یہ داڑھی چھوڑ دو۔ ہاتھوں کو آزاد کرو۔ تمہارے خلاف مجھے کوئی شکایت نہیں"۔

گورو مہاراج کے خزانچی نے کہا ـــــ لیکن سچے پادشاہ۔ اس آدمی نے کبھی ایک پیسہ بھی خزانے میں نہیں بھیجا۔ حالانکہ سکھوں نے اسے بہت کچھ دیا۔"

بھائی پھیرو نے سر جھکا کے کہا ـــــ یہ سچ ہے دلوں کے مالک! سکھوں نے مجھے بہت کچھ دیا۔ اور میں بہت دیر سے آپ کے پاس کچھ بھی نہیں بھیج سکا۔ لیکن اس کا حساب تو میں نے رکھا ہے۔ میں ساتھ لایا ہوں"۔

گورو مہاراج نے پیار کے ساتھ کہا ـــــ "حساب دکھانے کی ضرورت نہیں پھیرو جی۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ نے یہ روپیہ اپنے علاقہ کے غریب اور دکھی لوگوں کی مدد کے لئے خرچ کیا۔

میں خزانے جمع کرنا نہیں چاہتا۔ میرے پاس یہ روپیہ ہوتا تو میں بھی اسے غریبوں اور دکھیوں کی مدد کے لئے خرچ کر دیتا۔ آپ نے خود ایسا کیا تو بہت اچھا کیا۔"

آنند پور میں ہی ایک سکھ نے گورو مہاراج سے پوچھا "ستگورو جی! مہر کر کے یہ بتائیے کہ سنسار کے اس سمندر سے پار جانے کا طریقہ کیا ہے؟"

گورو مہاراج نے بہت تھوڑے سے الفاظ میں ایسا جامع جواب دیا کہ سننے والوں کی آنکھیں عقیدت سے چمک اٹھیں۔ گورو مہاراج نے کہا ——— "واہگورو کا نام لو میرے بھائی۔ ایمانداری سے جو کمایا ہے اسے کھاؤ۔ خرچ کرو۔ اور ایمانداری سے جو کمایا ہے اس میں سے تھوڑا یا زیادہ دان کرو۔ کسی سے نفرت نہ کرو۔ کسی کو دشمن نہ سمجھو۔ موت کو ہر وقت یاد رکھو اور یاد رکھو کہ یہ ساری دنیا محض ایک جھوٹ ہے۔ صرف ایک اونکار واہگورو پرمیشور ہی سچ ہے۔"

اس طرح آنند کی نگری میں آنند کا سمندر ہلوریں لے رہا تھا۔

ایسے معلوم ہوتا تھا کہ ظلم و بربریت، گناہ و ناانصافی اور حرص و درندگی کی اس دنیا میں ایک چھوٹا سا جزیرہ جاگ اٹھا ہے۔ جہاں روحانیت گاتی ہے۔ رحم و محبت مسکراتے ہیں نیکی و پاکیزگی کی بہاریں جھومتی ہیں۔ جہاں کوئی خوف نہیں۔ کوئی دہشت نہیں۔ کوئی غلامی، کوئی حق تلفی کوئی محکومیت نہیں۔

لیکن یہ جزیرہ ساری دنیا تو نہیں تھا۔

اس کے پاس ظلم کی آگ کا اک بحرِ ذخار گرج رہا تھا۔ اسے اس جزیرے کا امن، اس کا سکون، اس کی مسکراہٹ، اس کا پیامِ محبت اور پیامِ روحانیت پسند نہیں تھا۔ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے اپنے آس پاس کے پہاڑی راجاؤں کو کئی بار سمجھایا، اس اجمیر چند کو بھی سمجھایا جو راجہ بھیم چند کے بعد "کلہور" کی گدی پر بیٹھا تھا۔ ہر کسی کو انہوں نے کہا ——— "میں اپنے لئے راج یا سلطنت بنانے نہیں آیا۔ تمہاری ریاستوں کو چھیننے بھی نہیں آیا۔ صرف اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں اور باقی سب لوگوں کو آزادی و خودداری کے راستے پر چلا سکوں۔ اس غلامی سے نجات دلا سکوں جو صدیوں سے تمہارے گلے پڑی ہے۔ ان کارنوں کو دور کر سکوں جن کی وجہ سے یہ غلامی پیدا ہوتی ہے، مظلومیت پیدا ہوتی ہے۔"

لیکن پہاڑی راجہ یہ سب کچھ سمجھے نہیں۔ جن لوگوں نے اپنے دماغ رہن رکھ دیئے تھے جن کے ذہن خوف و دہشت کی وجہ سے اور حقیر خود غرضی کی وجہ سے بدیشی حکومت کے غلام ہو چکے تھے اُن کے لئے یہ سب کچھ سمجھنا ممکن بھی نہیں تھا۔ یہ ایسی آواز تھی۔ جسے قریباً سات سو برس سے ہندوستان کے لوگوں نے سُنا نہیں تھا۔ اور جسے امیر اور جاگیردار اب سُننا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ یہ ان کے مفاد کے خلاف تھی۔

اس کے باوجود گورو مہاراج اپنی طرف سے کوشش کر رہے تھے اپنی طاقت کو بڑھا رہے تھے۔ کہ اگر کبھی یہ پہاڑی راجہ یا ملک کے دُوسرے لوگ ظلم کے خلاف سر اُٹھانے کا تہیہ کریں تو ایک تیار بر تیار فوج اُنہیں مل سکے۔ ایک بنی بنائی طاقت ان کی مدد کر سکے۔

جگہ جگہ خالصہ تیار ہو رہا تھا
جگہ جگہ خالصہ تیار ہو رہا تھا
جگہ جگہ خالصہ مسلح ہو رہا تھا

کئی بار غلامی اور ظلم کے ایجنٹوں سے اُس کے ٹکراؤ بھی ہوئے تھے۔

ایک دن گورو مہاراج کچھ سکھوں کے ہمراہ دہرہ دُون کے علاقہ میں شکار کھیل رہے تھے۔ دو چھوٹے پہاڑی جاگیردار بلیا چند اور عالم چند بھی اُس جنگل میں تھے۔ اُن کے بہت سے سپاہی بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ بلیا چند اور عالم چند کو گورو مہاراج کے متعلق اطلاع ملی تو اُن کے مَن میں پاپ جاگ اُٹھا۔ دونوں نے سوچا۔ اگر ہم گورو کو پکڑ لیں یا جان سے مار ڈالیں تو مغل شہنشاہ ہمیں بہت انعام دے گا۔ شاید کسی بہت بڑے زجبیہ کا مالک بنا دے گا۔ دونوں نے یہ بھی سوچا کہ اس وقت جب کہ گورو مہاراج کے ساتھ صرف مٹھی بھر آدمی ہیں ایسا کرنا غیر ممکن نہیں۔

چنانچہ دونوں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ دونوں نے گورو جی کے اُن ساتھیوں پر حملہ کر دیا جو جنگ کے لئے نہیں شکار کے لئے تیار ہو کر آئے تھے۔

حملہ کرنے والے کو ابتدا میں قدرتی طور پر سبقت ملتی ہے۔ ان لوگوں کو بھی ملی۔ گورو جی کے کچھ ساتھی زخمی ہُوئے۔ ان میں سے دو آدمی دوڑے دوڑے گورو جی کے پاس پہنچے۔ گورو جی نے ساری بات سُنی تو ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر مخالف سپاہیوں پر تیروں کی بارش کرنے لگے۔ ان تیروں کی وجہ سے پہاڑی سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ تبھی ایک سکھ نے بلیا چند کا بازو کاٹ دیا۔ وُہ اپنا کٹا ہُوا بازو لے کر بھاگا۔ ایک اور سکھ نے عالم چند کا سر دھڑ سے الگ

کر دیا تو پہاڑی سپاہی اِس طرح بھاگ گئے جیسے تیز ہوا چلنے پر بادل بھاگ جاتے ہیں۔

اِس جگہ پھر مَیں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہُوں متعدد مورخین نے لکھا ہے کہ متذکرہ بالا واقعہ کے بعد پہاڑی راجاؤں نے بادشاہ اورنگ زیب کو ایک خط لکھا اور کہا کہ ——— "گورو گوبند سنگھ کے خلاف ہماری مدد کیجئے۔ گورو ہمیں آپ کے خلاف بغاوت کرنے اور گورو تیغ بہادر کا بدلہ آپ سے لینے کو کہتا رہا۔ ہم مانے نہیں۔ اِس لئے اُس نے ہم پر حملے شروع کر دیئے ہیں۔"

انہی مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ——— اورنگ زیب اُس وقت دکن میں تھا۔ اِس لئے اِس خط کا جواب دِلّی کے صوبے دار نے دیا اور کہا کہ "دِلّی کی حکومت اپنی فوج آپ کی مدد کے لئے اِس شرط پر بھیجنے کو تیار ہے کہ اُس کا خرچہ آپ دیں" ——— پہاڑی راجاؤں نے یہ بات مان لی۔ اِس کے بعد دِلّی کی فوج آنند پور کی طرف بڑھی۔"

مَیں سمجھتا ہُوں کہ خط لکھنے کی یہ ساری کہانی سراسر غلط ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ سکھوں نے پہاڑی راجاؤں پر نہیں، بلکہ پہاڑی جاگیرداروں نے گورو مہاراج کے آدمیوں پر حملے کئے۔ اِن حملوں کے متعلق یہ بات کہ "گورو ہم سے بدلہ لینے کی کوشش کر رہا ہے"۔ پہاڑی راجہ بھی کہہ نہیں سکتے۔

دُوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ پہاڑی راجہ باجگذاری کے پچھلے روپے نہیں دے سکتے تھے جن کی وجہ سے جمّوں کے صوبے دار نے اِن پر حملہ کیا تو اِس پوزیشن میں کیسے ہو گئے کہ گورو مہاراج پر حملہ کرنے والی شاہی فوج کا خرچ ادا کر سکیں۔

ایسی ہی کچھ اور باتیں بھی ہیں جن کی بنا پر مَیں سمجھتا ہُوں کہ خط لکھنے کی یہ کہانی سراسر غلط ہے۔ میرے خیال میں اصلیت یہ ہے کہ اِن پہاڑی راجاؤں کے ہاں مُغل حکومت کے جو ایجنٹ تھے انہوں نے گورو مہاراج کے ساتھیوں پر اِکّا دُکّا حملے کرائے تاکہ وُہ غصّے میں آکر پہاڑی راجاؤں پر حملہ کر دیں اور پہاڑی راجے اپنی حفاظت کے لئے متحد ہو جائیں۔ یہ کوشش ناکام ہوئی تو انہوں نے دو تین پہاڑی راجاؤں کو (جو اُن کے زیادہ زیرِ اثر تھے) ترغیب دی کہ وُہ متذکرہ بالا

قسم کا خط لکھیں تاکہ شاہی فوج کو آنند پور پر حملہ کرنے کا بہانہ نہ مل سکے —
یہ چال اِس لئے بھی چلی گئی کہ مغل حکومت کو سکھوں کی پوری طاقت کا صحیح علم نہ تھا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ اُسے خود گورو جی پر حملہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ "مظلوم پہاڑی راجاؤں" کی مدد کرنی چاہیئے۔ اِس کے بعد اگر گورو جی ہار جائیں تو شاہی فوج کی فتح ہو گی۔ نہ ہاریں تو یہ پہاڑی راجاؤں کی شکست ہو گی۔ شاہی فوج کی عزت بچی رہے گی۔

لیکن کسی بھی طرح ہو۔ یہ حملہ ہوا۔ دِلی کے صوبے دار نے شاہی فوج کے دو[۲] کمانڈر پینڈا خاں اور دین بیگ پنجاب میں بھیجے کہ وہ "پہاڑی راجاؤں کی مدد" کر سکیں۔ دونوں کے ساتھ پانچ پانچ ہزار سپاہی تھے۔ روپڑ کے نزدیک پہاڑی راجاؤں کی فوجیں شاہی فوج سے ملیں۔ سبھی اتحادی آنندپور کی طرف آگے بڑھنے لگے۔ روپڑ اور آنندپور کے درمیان کیرت پور ہے وہاں سے کچھ سکھ بھاگے بھاگے آنندپور پہنچے اُنہوں نے گورو مہاراج کو خبر دی کہ "ایک عظیم فوج آپ پر حملہ کرنے کے لئے بڑھی آتی ہے۔ اُس میں پہاڑی سپاہیوں کے علاوہ مغل فوجی بھی ہیں"۔

گورو مہاراج نے اِس بات کو سنتے ہی سکھوں کو تیار رہنے کا حکم دیا۔ ہتھیار بانٹ دیئے گئے۔ چھوٹے اور بڑے بڑے جتھے مقرر کر دیئے گئے۔ کِس جگہ، کِس جتھے کو، کِس طرح لڑنا ہو گا۔ یہ احکام دیدیئے گئے۔

"میکالیف نے لکھا ہے کہ جن پانچ پیاروں کو گورو جی نے سب سے پہلے امرت پلایا اور خالصہ بنایا تھا۔ اُنہیں سکھ فوج کا جرنیل بنا دیا گیا۔ کسی دوسرے مورخ نے یہ بات لکھی ہو ایسا میں نے دیکھا نہیں۔

لیکن اِن پانچ پیاروں نے سکھ فوج کی رہنمائی کی ہو یا خود گورو مہاراج نے، جس طریقہ سے یہ بہادر سکھ لڑے۔ اسے دیکھ کر دہلی کی شاہی فوج کے کمانڈر حیران رہ گئے۔ ہر طرف، ہر محاذ پر انہوں نے شاہی فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔ پہاڑی راجے تو اُن سے پہلے ہی خوفزدہ تھے جنرل پینڈا خاں نے یہ حالت دیکھی تو اپنے سپاہیوں کو للکار کے کہا —— "بھاگو مت بزدلو — یہ جنگ نہیں جہاد ہے — ہم کافروں کو ختم کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں — آگے بڑھو — گرج کے جواب دو۔ — نعرۂ تکبیر —" اور اُس کے سپاہیوں نے آسمان کو چیرتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اللہ اکبر" —— اور شاہی فوج پاگل ہو کر سکھوں پر ٹوٹ پڑی۔

تبھی گورو مہاراج کے پاس کھڑے ایک سکھ نے کرپان کو ہوا میں ہلاتے ہوئے کہا ——
—— "جو بولے سو نہال" —— سکھوں نے اس طرف دیکھا۔ گورو مہاراج کی اُس منموہنی صورت کی طرف جو اس وقت بھی مسکرا رہی تھی۔ اور اس طرح گرجتے ہوئے جیسے بَن میں زلزلہ آگیا ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا —— "ست سری اکال ——"

اور ایسے معلوم ہوا کہ دُور کھڑے پہاڑ بھی اسی آواز کو دوہرا رہے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ہی گورو مہاراج کے تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔

ایک بار پھر شاہی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ پینڈا خاں نے اس بھگدڑ کو دیکھا۔ گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہاں گیا جہاں گورو گوبند سنگھ جی کھڑے تھے۔ دُور سے انہیں للکار کے بولا —— "دُوسروں کو کیوں مرواتے ہو —— آؤ —— میرے ساتھ لڑائی کرو۔ ہماری ہار جیت سے جنگ کی ہار جیت کا فیصلہ ہو ——"

گورو جی اپنے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے اُس کے کچھ قریب آئے۔ ہنستے ہوئے بولے —— "مجھے منظور ہے پینڈا خاں! افسوس صرف یہ ہے کہ تمہارے مر جانے کے بعد تمہارے وعدے کو پورا کرنے والا کوئی ہوگا نہیں۔"

پینڈا خاں نے گرج کر کہا —— "باتیں نہیں کرو حملہ کرو مجھ پر"

گورو جی پھر بولے —— "مَیں کبھی کسی پر حملہ کرنے کی پہل نہیں کرتا پٹھان۔ مَیں ہتھیار اُٹھاتا ہوں تو حملے کو روکنے اور ظالم کو ختم کرنے کے لئے۔ تم پہل کرو تاکہ تمہیں یہ حسرت نہ رہ جائے کہ تم سکھوں کے گورو پر وار نہیں کر سکے۔"

پینڈا خاں گھوڑے سے پینترا بدلتا ہوا گورو مہاراج کے چاروں طرف اس مقصد سے جانے لگا کہ انہیں تھکائے، اُس وقت ان پر حملہ کرے جبکہ وُہ اس کیلئے تیار نہ ہوں۔

اپنے خیال کے مطابق ایسا وقت آتے ہی اُس نے اپنی کمان پہ تیر رکھا۔ پُوری طاقت سے چلا دیا۔ گورو مہاراج اس کے لئے تیار تھے۔ تیر اُن کے سر کے پاس سے سنسناتا ہوا نکل گیا۔ گورو جی نے للکار کے کہا —— "ایک تیر اَور چلاؤ پینڈا خاں۔ تمہارے دل میں کوئی حسرت رہ نہ جائے۔ مَیں اَب بھی جواب نہیں دُوں گا۔"

پینڈا خاں نے جب دیکھا کہ اس کی اپنی فوج کے سامنے ہی اُس کی تذلیل ہوئی ہے تو غصے سے جلتے ہوئے ایک اور تیر گورو جی پر چلایا —— لیکن یہ تیر بھی گورو جی

کو نہیں لگا۔ پینڈا خاں شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگا تو گورو مہاراج نے للکار کے کہا ——— اب بھاگو نہیں پینڈا خاں۔ تم نے ۲ دو تیر چلائے ہیں۔ میں صرف ایک چلاؤں گا۔ آؤ تمہیں سکھاؤں کہ تیر کیسے چلایا جاتا ہے؟"

پینڈا خاں سر سے پاؤں تک زرہ بکتر سے ڈھکا تھا۔ صرف اس کے کان خالی تھے۔ گورو جی نے اس کے کان کو نشانہ بناتے ہوئے تیر چھوڑا۔ اور یہ سنہری تیر پینڈا خاں کے سر میں جا گھسا۔ وہ گھوڑے سے گرا۔ پھر کبھی اٹھا نہیں۔

دین بیگ نے اس بات کو دیکھا تو چلا اٹھا۔ پوری شاہی فوج کو حکم دیا ——— "حملہ کرو ختم کر دو کافروں کو۔"

لیکن شاہی فوج کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ دین بیگ نے جب دیکھا کہ پہاڑی راجے بھی تماشہ دیکھ رہے ہیں، لڑنے کو تیار نہیں تو اس نے فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دے دیا۔ روپڑ تک سکھ فوج نے حملہ آوروں کا پیچھا کیا۔ آنند پور سے روپڑ تک جگہ جگہ لاشیں سسک اٹھیں گورو مہاراج نے روپڑ میں اپنے آدمی بھیج کر سکھوں کو واپس بلایا۔ حکم دیا ——— اب اور نہیں لڑو۔ اتنا ہی کافی ہے۔"

اور واپس آتے ہی سکھ بہادروں نے دیکھا۔ جگہ جگہ لاشیں پڑی ہیں۔ کوے، چیلیں، گدھ اور کتے ان کو نوچ رہے ہیں۔

یہ ہے اس جنگ کا حال جس کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس میں مدد دینے کے لئے پہاڑی راجاؤں نے مغل حکومت کو لکھا۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ جنگ اصل میں پہاڑی راجاؤں کی جنگ تھی تو وہ جنگ کے وقت محض تماشہ کیوں دیکھ رہے تھے؟ ——— اگر یہ پہاڑی راجاؤں کی جنگ تھی (جو سب کے سب پورانک، بت پرست، سناتن دھرمی ہندو تھے) تو پینڈا خاں نے یہ کیوں کہا کہ ——— "یہ کافروں کے خلاف جہاد ہے؟ ——— " یہ دونوں باتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان پہاڑی راجاؤں کو بار بار بہانہ بنایا جا رہا تھا۔ اصل میں یہ اورنگ زیب اور مغل حکومت کی جنگ تھی ایک ایسے مہاپرش کے خلاف جو اس

ملک کے دبے پسے ہوئے لوگوں کو نیا جیون دے کر آزادی اور رواداری کے راستہ پر چلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بزدل، کمزور اور دبے ہوئے پہاڑی راجاؤں کو یہ حکومت کبھی ایک طریقہ سے استعمال کرتی تھی اور کبھی دوسرے طریقہ سے ـــــ لیکن ہر بار یہ لڑائی ایک ظالم حکومت اور حریت پسند باغی کی لڑائی تھی جس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ظلم و ناانصافی و غلامی کے سامنے سر نہیں جھکائے گا۔

۸

بھنگانی کی جنگ ۱۶۸۷ء میں ہوئی۔ اسی سال گورو مہاراج پاؤنٹا سے آنند پور واپس آ گئے۔ خالصہ کا جنم ۱۶۹۹ء میں ہوا۔ ۱۷۰۰ء میں وہ جنگ ہوئی جس کا ذکر آپ نے پچھلے باب میں ملاحظہ فرمایا۔ لیکن ۱۷۰۰ء کی یہ جنگ آخری جنگ تو نہیں تھی۔ اس کا نتیجہ مغل حکومت کی مرضی کے خلاف ہوا۔ شاہی فوج ذلیل و خوار ہو کر پسپا ہوئی۔ عملی طور پر یہ دہلی کے منہ پر ایک چپت پڑی۔ دہلی کی حکومت بلبلا اٹھی۔ شاید اس خفت کو مٹانے کیلئے ہی یہ مشہور کیا گیا کہ ـــ "شاہی فوج صرف پہاڑی راجاؤں کی مدد کے لئے گئی تھی۔ یہ پہاڑی راجاؤں کی شکست ہے۔ شاہی فوج کی نہیں۔"

لیکن ظاہراً کچھ بھی کہا جائے۔ اصلیت کو تو دہلی میں بیٹھے حکمران بھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے اور اصلیت یہ تھی کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج ظلم، ناانصافی اور غلامی کے خلاف جہاد کر رہے تھے۔ صدیوں کے بعد اس ملک کے لوگوں میں نیا جیون، نیا جوش جگا کر انہیں بے خوفی اور حریت پرستی کی راہ پر چلا رہے تھے ــــ اور روز بروز اُن کی طاقت بڑھ رہی تھی۔ آئے دن اس ملک میں جو صدیوں سے غلام پڑا تھا۔ آزادی کی روشنی جاگ رہی تھی ــــ ظاہر ہے کہ یہ صورت حال مغل سرکار کو پسند نہیں تھی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ۱۷۰۰ء میں ہونے والی جنگ نے مسئلہ حل کرنے کی بجائے زیادہ پیچیدہ بنا دیا۔ اُس وقت اورنگ زیب دکن میں ایک طرف بہمنی بادشاہوں، دوسری طرف مرہٹوں کو دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاہی فوج کا بہت بڑا حصہ اُس کے ساتھ تھا۔ خود دہلی کی حفاظت کے لئے بھی فوج کی ضرورت تھی۔ اِس لئے مغل حکومت نے فیصلہ کیا کہ ایک بار پھر پہاڑی راجاؤں کو اُکسایا جائے۔ انہیں کہا جائے کہ وہ شاہی فوج نہیں، بلکہ اپنی اپنی فوج لے کر "گورو" پر حملہ کریں۔

اس پلان کے مطابق ایک بار پھر پہاڑی راجاؤں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔

تیرہ برس پہلے جس طرح "کلہور" کے راجہ بھیم چند نے مغل حکومت کے دلال کا کام کیا تھا

اُسی طرح اب اُس کا جانشین اجمیر چند کرنے لگا۔ پہاڑی راجاؤں کا ایک اجلاس بُلایا گیا۔ جموں، نورپور، منڈی، کُلّو، کوٹھل، گولیر، چمبہ، سری نگر، بھوٹان[۱] دگڑھوال، اور ڈھڈوال کے راجا اپنی اپنی فوج کے ساتھ اِس میں شامل ہوئے۔ لمبی چوڑی بات چیت کے بعد راجہ اجمیر چند کی طرف سے گورو جی کو ایک خط لکھا گیا جس کا مطلب کچھ اِس طرح تھا۔

"آنند پور کی زمین ہماری ہے۔ ہم نے تمہارے پتاجی کو یہاں رہنے کی اجازت دی اور وُہ ہمیں اِس زمین کا باقاعدہ کرایہ دیتے تھے۔ لیکن جب سے تم نے اِس زمین پر قبضہ کیا ہے، تم نے ایک کوڑی بھی ہمیں نہیں دی ــــ کرایہ دینے کی بجائے تم ایک نیا مذہب جاری کر بیٹھے ہو اور سارا علاقہ تم نے برباد کر دیا ہے۔ آج تک ہم نے یہ سب کچھ برداشت کیا ہے۔ لیکن اب برداشت نہیں کر سکتے۔ اِس لئے ہم سب راجہ لوگ اپنی فوجوں کے ساتھ یہاں آئے ہیں تاکہ تمہارے شہر کو گھیرے میں لے کر تمہیں اور تمہارے سِکھوں کو تباہ کر دیا جائے۔ یہ وقت ہے جب تم پچھلا اور موجودہ کرایہ ادا کر سکتے ہو۔ اگر یہ کرایہ ادا نہیں ہو سکتا اور تم یہ وعدہ نہیں کر سکتے کہ آئندہ ہر سال اِس کرایہ کو باقاعدگی سے ادا کرو گے تو سیدھا سا راستہ یہ ہے کہ آنند پور کو چھوڑ کر چلے جاؤ ــــ اگر یہ بھی نہیں ہوا تو نتائج کی ذمہ داری تم پر ہو گی ــــ"

گورو مہاراج نے اِس خط کو پڑھا۔ یہ بھی دیکھا کہ راجاؤں کی فوج آنند پور کے قریب آ پہنچی ہے اور چاروں طرف سے آنند پور کو گھیرنے کا جتن ہو رہا ہے تو اُنہوں نے جواب دیا۔

"راجہ اجمیر چند ــــ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آنند پور کی یہ زمین میرے پُوجیہ پتاجی نے راجہ بھیم چند سے خریدی تھی۔ کرائے پر نہیں لی تھی۔ اُس وقت اِس کی پُوری قیمت انہوں نے ادا کی۔ اب اگر تمہیں مزید قیمت کی ضرورت ہے تو اُسے میری تلوار دے گی۔ اگر تم مجھ سے آنند پور واپس لے

---

[۱] بھوٹان کے راجہ کا اِس کانفرنس میں شامل ہونا اِس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کانفرنس مغل حکومت کے ایما پر بُلائی گئی۔ ورنہ بھوٹان کے راجہ کو آنند پور میں بیٹھے گورو جی سے خطرہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سکتے ہو تو آگے بڑھو۔ آنند پور ملے یا نہ ملے سنسناتی ہوئی گولیاں تمہیں ملیں گی ضرور ــــــ ایسا کرنے کی بجائے اگر تم میری شرن میں آؤ تو اس دنیا اور آنے والی دنیا میں تمہیں سکھ ملیگا۔ یاد رکھو۔ خالصہ اب بھی تمہاری رکشا کر سکتا ہے[1]۔ غرور چھوڑ دو۔ ہوش سے کام لو۔ یہ گورو کا گھر ہے۔ یہاں ہر آدمی کو رکشا ملتی ہے۔ سکھ ملتا ہے۔ پیار ملتا ہے۔ میں خالصے کے ساتھ تمہاری صلح کرا سکتا ہوں۔ تم دونوں کو ملا کر تمہارے لئے بہت بڑی طاقت پیدا کر سکتا ہوں۔"

گورو جی نے یہ جواب دیا تو یہ جانتے ہوئے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ چنانچہ ادھر خط بھیجا گیا۔ ادھر آنند پور کی حفاظت کا انتظام شروع کر دیا گیا۔ گورو جی نے اپنے ساتھیوں اور سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ــــــ "خالصہ جی! ایک بار پھر ہمارا امتحان ہونے والا ہے۔ یاد رکھو۔ اگر جیت جاؤ تو دھرتی کا راج ملیگا۔ اگر شہید ہو جاؤ تو سورگ ملیگا۔ تمہارے دونوں ہاتھوں میں لڈو ہیں۔ ــــــ"

اسی روز ماجھا کے پانچ سو سکھ دُنی چند کی جتھیداری میں وہاں پہنچے۔ کچھ دوسری جگہوں سے بھی لوگ آئے۔ گورو مہاراج نے سب لوگوں کو ہتھیاروں سے مسلح کیا۔ جو ہتھیار سکھوں کو دیئے گئے ان کے نام یہ ہیں:- ۱۔ تیر کمان ۲۔ تیغ ۳۔ کٹار ۴۔ جیم دھر (دو دھاری تلوار) ۵۔ سروہی (لچکنے والی تلوار) ٦۔ سانگ (نیزے) ۷۔ بچھوا (خنجر) ۸۔ جمبوا (بڑا خنجر)۔ ۹۔ کھوکھری ۱۰۔ سیلا (چھوٹے نیزے) ۱۱۔ پستول ۱۲۔ بندوق اور ۱۳۔ ڈھال۔

اسی جنگ میں گورو مہاراج کے فرزند شہزادہ اجیت سنگھ جی پہلی بار ہتھیار لے کر میدان میں اُترے۔ خود وہ اپنے پتا جی سے پرارتھنا کر نہیں سکے۔ بھائی اُودے سنگھ جی سے کہا کہ وہ ان کی طرف سے گورو مہاراج کو عرض کر دیں۔ گورو جی نے یہ بات سُنی۔ خوش ہوئے۔ اجیت سنگھ جی کو سو سپاہیوں کا سردار بنا کر انہوں نے کہا ــــــ "جاؤ دشمن کا مقابلہ کرو۔

---

[1] گورو مہاراج کا یہ کہنا کہ ــــــ "خالصہ اب بھی تمہاری رکشا کر سکتا ہے" ــــــ اس بات کا ثبوت ہے کہ انہیں ان راجاؤں کی بے بسی کا علم تھا۔ یہ بھی پتہ تھا کہ وہ اپنی مرضی سے نہیں، بلکہ اس خطرے کی وجہ سے وہاں آئے ہیں کہ مغل حکومت اُن کی ریاستیں چھین لے گی۔

لیکن ابھی تجربہ نہیں تمہیں۔ اس لئے پیچھے رہ کر لڑو۔"

تبھی راجاؤں کی فوج نے آنند پور کو ہر طرف سے گھیر کر اس طرح آگے بڑھنا شروع کیا جیسے برسات کے موسم میں بادل بڑھتے آتے ہوں۔ اس طرح وہ حملہ آور ہوئی جیسے ٹڈی دَل نے حملہ کر دیا ہو۔ راجاؤں کی فوج میں بہت بڑی تعداد اُن "رنگھڑ" لوگوں کی تھی جو سکھوں کے کٹر مخالف تھے کیونکہ یہ لوگ چوری کرتے اور ڈاکے ڈالتے تھے۔ سکھوں نے اِن کے لئے ایسا کرنا محال کر دیا تھا۔

حملہ ہوا تو گورو جی کی ہدائیت کے مُطابق سکھ حفاظتی جنگ کرنے لگے۔ لیکن اس حفاظتی جنگ کرنے لگے۔ لیکن اس حفاظتی جنگ میں بھی اُنہوں نے اس طرح تیر چلائے، اس طرح بندوقیں چلائیں کہ دشمن کے سپاہی تلملا اُٹھے۔ "رنگھڑ" اس طرح مرے اور گرے جیسے گندم کے کھیت میں کتنے ہی کسان کٹائی کرتے ہوں۔ اور گندم کے پودے ڈھیر کے ڈھیر گرے جاتے ہوں۔ رنگھڑ بھاگنے لگے تو راجہ اجمیر چند نے اُن کے لیڈر "جگت اللہ" کو حوصلہ دیا۔ جگت اللہ ایک بار پھر آگے بڑھا لیکن شہزادہ اجیت سنگھ جی کے ساتھی صاحب سنگھ کی گولی اُس کے سینے پر لگی تو جگت اللہ اس جگت سے چلا گیا۔ صرف اس کی لاش رہ گئی۔ اس لاش کے لئے بھی جنگ ہوئی ایک سکھ مان سنگھ نے لاش کے پاس گورو جی کا جھنڈا کھڑا کر دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سکھ فوج اس لاش کو دے گی نہیں اس جگہ سے پیچھے ہٹے گی نہیں۔ ایسا ہی ہوا۔ گورو جی کی فوج تیروں اور گولیوں کی بارش کے باوجود ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹی۔ رات ہو گئی۔ لڑائی بند ہوئی تو رات کی خاموشی میں پہاڑی راجاؤں نے آپس میں مشورہ کیا۔ سب نے کہا ——— ہم حملہ کرنے آئے تھے لیکن یہ گورو تو ہمیں تباہ کئے دیتا ہے ———" بہت سے راجاؤں کی رائے یہ تھی کہ ——— "ہمیں واپس جانا چاہیئے۔"

"ہنڈور" کے راجہ کیسری چند نے کہا ——— "ہمت نہ ہارو۔ کل میں ایسے لڑوں گا کہ سکھوں کی فوج کے چھکے چھوٹ جائیں گے۔"

لیکن دُوسرے دِن پھر یہی کچھ ہُوا۔ تیسرے، چوتھے اور پانچویں دِن بھی۔ دو مہینے تک یہ محاصرہ رہا۔ دو مہینوں میں کسی بھی روز "اتحادی فوج" کو فتح نہیں ملی۔ کیسری چند کی رائے سے ایک روز ایک مست ہاتھی کو لوہے کی چادروں سے ڈھک کر آنند پور کے قلعے کا دروازہ توڑنے کے لئے بھیجا گیا۔

ایک سکھ وچتر سنگھ نے گورو مہاراج کے پاس آ کر کہا ——— "سچے پادشاہ! مجھے اجازت دیجئے

مَیں کیسری چند کے اِس ہاتھی پر حملہ کر دوں۔"

گورو مہاراج نے حکم دیا "ضرور کرو۔ تمہیں کامیابی ملے گی۔ لیکن کیا ایسا سکھ نہیں جو کیسری چند کا سر کاٹ سکے؟"

اُودے سنگھ نے آگے بڑھ کے کہا —— "مَیں یہ کام کروں گا سچے بادشاہ۔"

اَور واقعی اُس روز وچتر سنگھ نے آگے بڑھ کر مست ہاتھی کے ماتھے پر اپنا بھالا مار کر اُسے واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ واپس جاتے ہوئے مست ہاتھی نے راجاؤں کی فوج کے کتنے ہی آدمیوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا —— اور اُسی روز صاحب سنگھ کی تلوار نے کیسری چند کا سر کاٹ دیا۔ صاحب سنگھ قلعے میں واپس آیا تو کیسری چند کے سر کو اِس طرح اپنی تلوار کی نوک پر لے کر جیسے ایک خربوزہ لئے آتا ہو۔

اِس طرح یہ محاصرہ چلتا رہا۔

اور آخر —— اِس لئے کہ یہ محاصرہ مغل حکومت کی ایما پر کیا گیا تھا، اجمیر چند نے سرہند کے صوبے دار کو اطلاع دی کہ —— "ہم جو کچھ کر سکتے تھے، کر چکے۔ اب ہم سے زیادہ دیر لڑا نہیں جائے گا۔ آپ اپنی فوج بھیجئے۔"

سرہند کے صوبے دار نے یہ خط بادشاہ اورنگ زیب کے پاس دکن میں بھیج دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا —— "گورو پر پُوری طاقت سے حملہ کیا جائے۔"

گورو مہاراج کو جب اطلاع ملی کہ شاہی فوج سرہند کے صوبے دار "وزیر خاں" کی رہنمائی میں اُن پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہی ہے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ وُہ آنند پور سے آگے جا کر اِس فوج کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ وُہ "کیرت پور" سے ایک میل آگے "بزموہ" نام کے گاؤں میں پہنچے۔ وہیں اپنے مورچے بنا دیئے۔ پہاڑی راجاؤں کو اِس بات کی اطلاع ملی تو وُہ خوش ہوئے کہ اب وُہ "گورو" پر آسانی سے حملہ کر سکیں گے۔ ایک مسلمان توپچی کو اُنہوں نے کہا —— "گورو اپنے قلعے سے باہر اُس ٹیلے پر ہے۔ تم اگر اُسے اپنی توپ کا نشانہ بنا سکو تو ہم تمہیں پانچ ہزار روپیہ دیں گے اور ایک گاؤں کی جاگیر بھی۔"

توپچی نے کوشش کی۔ نشانہ باندھ کر اُس نے توپ چلائی۔ لیکن گولہ گورو جی کو لگنے کی بجائے اُس سیوادار کو لگا جو اُن کے اُوپر چنور جُھلا رہا تھا۔ یہ سیوادار وہیں ہلاک ہو گیا۔ گورو جی نے اُسی وقت کمان اُٹھائی۔ اُس پر تیر رکھا۔ چلایا اَور وُہ توپچی تیر کا نشانہ بن کر ہمیشہ کی

ملیند سو گیا۔ توپچی کے بھائی نے توپ میں پھر سے گولہ بھرنے کی کوشش کی ــــ لیکن اس سے پہلے، کہ وہ کچھ کر سکتا۔ گورو مہاراج کے دوسرے تیر نے اُس کا بھی خاتمہ کر دیا۔

دونوں کی لاشیں دیکھ کر پہاڑی فوج نے اپنا سر پیٹ لیا۔

تبھی دوسری طرف سے سرہند کی شاہی فوج آگئی۔

گورو مہاراج دو فوجوں کے درمیان گھر گئے۔ اُن کی پوری فوج اُن کے ساتھ نہیں تھی پھر بھی اُن کے بہادر سکھ اس دو طرفہ حملے کا اِس طرح مقابلہ کرنے لگے کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔

گورو مہاراج لڑتے ہوئے ستلج کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ستلج کو پار کر کے وہ اپنی فوج کے ساتھ "بسالی" کے راج میں پہنچ گئے۔ جس کے راجہ نے اُن سے پرارتھنا کی تھی کہ "میرے راجیہ میں آنے کی کرپا بھی کیجئے ــــ"

گورو جی "بسالی" میں پہنچے تو راجہ نے اُن کے چرن دھوئے۔ اُن کے آرام کو پورا انتظام کر دیا۔

حملہ کرنے والی پہاڑی اور شاہی فوج اس بات سے مطمئن ہو کر واپس چلی گئی کہ گورو ستلج کے پار چلا گیا ہے۔ گورو جی کچھ دیر بسالی میں رہے۔ پھر "بھبھور" کے راجہ کی دعوت پر وہاں چلے گئے ـــ راجہ اجمیر چند نے بھی (کم سے کم ظاہرہ طور پر) گورو جی کے ساتھ صلح کر لی۔ انہیں اپنے پروہت کے ہاتھ تحفے بھیجے۔ کئی دوسرے راجاؤں نے بھی ایسا کیا۔

یہ سب کچھ اِس بات کا ثبوت ہے کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج ناحق اپنا یا دوسروں کا خون بہانے کو بے تاب نہیں تھے۔ بطور ایک فوجی رہبر کے وہ بہت ٹھنڈے دل سے سوچتے۔ بہت دور تک دیکھتے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ان کے مخالف تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور زیادہ بہتر پوزیشن میں ہیں تو لڑتے ہوئے ایک ایسے علاقہ میں پہنچ گئے جہاں اُن کا پہنچنا آسان نہیں تھا۔ اس طرح لڑائی بند کر کے عملی طور پر انہوں نے اپنی طاقت کو بڑھانے اور اپنے سپاہیوں کو آرام دینے کا موقع حاصل کر لیا۔ ایسی حالت انہوں نے پیدا کر دی کہ جو لوگ انہیں قتل کرانے کیلئے توپچی کو پانچ ہزار روپیہ دینے کو تیار تھے، وہی انہیں تحفے بھیجنے لگے۔

لیکن گورو جی اِن تحفوں کی اصلیت کو جانتے تھے۔

وہ خاموشی سے اپنی طاقت بڑھا رہے تھے۔

۹

گورو مہاراج کے مخالفوں کی حالت اُس بھینسے جیسی تھی جو بار بار کسی دیوار سے ٹکراتا ہے۔ ہر بار لہولہان ہو کر پیچھے ہٹتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد، تھوڑا سا سانس لے کر پھر ٹکر مارنے چل پڑتا ہے۔

بھینسے کی رُوح تھی۔ "اورنگ زیب کی حکومت"

بھینسے کا جسم تھا۔ "پہاڑی راجے اور مغل صُوبے دار"

بھینسے کے سینگ تھے وُہ سبھی لوگ جو حقیر خود غرضی کے لئے لڑنے مارنے کو تیار رہتے تھے۔ ایسے لوگ چونکہ کسی اصُول یا آدرش کے لئے نہیں لڑتے۔ اس لئے ہر بار یہ بھینسا بھاگ کھڑا ہوتا تھا۔ اورنگ زیبی امپیریلزم اسے لعنت ملامت کرتا تو کچھ دیر کے لئے پھر آگے بڑھتا —— پھر ٹکراتا —— پھر چِلّا اُٹھتا۔

لیکن شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کی عظمت یہ تھی کہ جیسے ہی یہ بھینسا پیچھے ہٹتا، ہی وُہ نفرت، دشمنی اور مخالفت —— سب کو بھول جاتے۔ اُن کا سارا انتظام ویسے ہی چلنے لگتا جیسے پہلے چلتا تھا۔ وہی گورو کا لنگر، گورو کا دربار، گوربانی کا کیرتن۔ وہی امرت کی اٹھلاتی ہوئی ندی، امرت کے جھومتے ہوئے اشجار۔ امرت کے مُسکراتے ہوئے پھُول۔

حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے وُہ ہر وقت تیار رہتے تھے۔ لیکن اس طرح جیسے پانی میں کنول پانی میں رہتا ہے۔ پانی میں بھیگتا نہیں۔

اور اِس درمیانی عرصہ میں (جب حملہ نہ ہو اور حملے کا جواب نہ دینا ہو) وہی باتیں ہونے لگتیں جو پہلے ہوتی تھیں۔ گورو پریم، دھرم پریم اور انیشور پریم کی نئی مشعلیں روشن ہوتیں —— نئی روشنی دینے لگتیں۔

گورو مہاراج آنندپور میں تھے۔ جب ایک سکھ دیوی اُن کے پاس فریاد لے کر آئی۔

مہاراج نے پُوچھا ——— "کیا چاہتی ہو مائی جی؟"

دیوی نے ہاتھ جوڑ کے کہا ——— "ستگورو مہاراج۔ مَیں بہت خوش نصیب تھی اَب تک ——— اَب میرا نصیب بگڑا جاتا ہے۔ مِہر کر کے اُسے اچھا کر دیجیے۔"

مہاراج بولے ——— "ہُوا کیا؟"

دیوی نے کہا ——— سچّے بادشاہ! ہم سِکھ ہیں۔ میرا پتی آپ کے حُکم پر لڑتا لڑتا شہید ہُوا۔ میرے دو بیٹے بھی گورو کے دُشمنوں سے لڑتے لڑتے اپنی جانیں دے کر سورگ کو چلے گئے ——— لیکن میرا نصیب بگڑ گیا ہے حضور! اَب ایک ہی بیٹا ہے۔ وُہ اتنا بیمار ہے کہ بستر سے اُٹھ نہیں سکتا۔ مَیں چاہتی ہوں کہ وُہ اپنے گورو کے لئے لڑتا ہُوا جان دے۔ اگر وُہ بستر پر مر گیا تو میرے پریوار کو کلنک لگ جائے گا مہاراج۔ مَیں آپ سے مانگنے آئی ہُوں کہ اُس پر مِہر کیجیے۔ آشیرواد دیجیے اُسے کہ وُہ اپنے گورو کے لئے، اپنے دیش اور دھرم کی رکشا کے لئے لڑتا ہُوا مرے۔"

گورو مہاراج نے اُس بزرگ دیوی کی طرف دیکھا۔ تھوڑی دیر دیکھتے رہے۔ تب پیار سے بولے ——— "دھنیہ ہو ماں۔ لیکن اَب چنتا چھوڑ دو۔ مَیں آشیرواد دیتا ہوں کہ جیسا تم چاہتی ہو، ویسا ہی ہوگا۔"

شاید اپنے ایسے ہی سِکھوں کے لئے گورو مہاراج نے کہا تھا۔

"جُدھ ۔ جِتے ۔ اِن ہی کے ۔ پرساد

اِن ہی کے ۔ پرساد ۔ سُو دان ۔ کرے

اگھ اَوگھ ۔ ٹرے ۔ اِن ہی کے ۔ پرساد

اِن ہی کی کرپا ۔ پھُن ۔ دھام ۔ بھرے

اِن ہی کے ۔ پرساد ۔ سُو وِدّیا ۔ لئی

اِن ہی کی کرپا ۔ سب ۔ سترُو ۔ مرے

"اِن ہی کی کرپا۔ کے۔ سجے۔ ہم ہیں
نہیں۔موں یسوں۔گریب۔کرور۔پرے"

اِنہی کی مہربانی سے مَیں نے جنگیں جیتی ہیں۔
اِنہی کی طاقت سے اچھے دان کیے۔
اِن کی مدد سے میری مُصیبتیں اور تکلیفیں دُور ہوئیں۔
اِنہی کی وجہ سے میرا گھر دولت سے بھرپور ہے۔
اِنہی کی نوازش سے بہت کچھ سیکھا ہے مَیں نے
اِنہی کی طاقت سے میرے دُشمن موت کا شکار ہوئے ہیں
اِنہی کی مدد سے مَیں وُہ ہُوں جو دکھائی دیتا ہُوں۔
نہیں تو مجھ سے کروڑوں غریب پڑے ہیں ——"

ظاہر ہے کہ یہ عظیم انکساری گورو مہاراج کی اُس لاثانی عظمت کا ایک ثبوت ہے، جسے بیان کرنے کے لئے دُرست الفاظ نہیں ملتے۔ معمولی سادھارن لوگوں کو (جن میں کتنے ہی ایسے تھے جن سے اونچی ذات والے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے) انہوں نے اُوپر اُٹھایا جنہیں سماج کے پاؤں کہا جاتا تھا، اُن کو اُنہوں نے "سردار" بنا دیا۔ اور پھر کہا —— "اِن ہی کرپا تے سجے ہم ہیں ——"

گورو ہونے کے ناطے انہوں نے اپنے سِکھّوں کو امرت پلایا۔ تب انہی سِکھّوں کے سامنے ہاتھ جوڑ، سر جُھکا کر کھڑے ہو گئے کہ —— اب مُجھے بھی اسی آبِ حیات سے سرشار کرو۔ مُجھے بھی خالصہ بناؤ ——"

گورو ہونے کے ناطے وُہ سب کے حاکم تھے۔ اُن کا حکم آخری حکم تھا۔ لیکن اُنہوں نے

ع۱ روایت ہے کہ گورو مہاراج نے یہ "سوّیا"۔ اور اس سے پہلے اور بعد کے دونوں "سویئے" اُس کیشو پنڈت کو مخاطب کرکے کہے تھے جس نے چنڈی یگیہ کیا اور جس نے اس بات پر اعتراض کیا کہ گورو مہاراج ہمنوں سے پہلے سِکھّوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

کہا ـــــ "میرا نہیں۔ پانچ پیاروں کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہو گا۔ ان کا حکم سارے پنتھ پر عائد ہو گا مجھ پر بھی عائد ہو گا۔"

ایسی انکساری یقیناً کبھی کسی نے دیکھی نہیں کہ شری گورو گرنتھ صاحب کو صحیح معنوں میں انہوں نے وُہ روپ دیا جو آج ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے ہی کہا ـــــ "یہ گرنتھ ہی گورو ہے۔ ابھی سے روشنی حاصل کرو ـــــ" اس مقدس گرنتھ میں اپنے سے پہلے کے ۹ گورو صاحبان کی بانی دی۔ کتنے ہی بھگتوں کی بانی بھی دی جو گورو نہیں تھے ـــــ لیکن اپنی بانی کا ایک شبد بھی نہیں دیا۔

اِس عظمت کا یقیناً کوئی مقابلہ نہیں۔

گورو مہاراج کے دربار میں ایک سکھ نوجوان تھا۔ بھائی جوگا سنگھ۔ بہت اچھا سپاہی بھی تھا اور چونکہ گورو مہاراج کو دیش کی جنگِ آزادی کے لئے ایسے لوگوں کی ہر وقت ضرورت تھی اس لئے وُہ کافی دیر سے اپنے گھر نہیں گیا۔ اُس کے گاؤں میں ماں باپ نے اُس کی سگائی کر دی اور شادی کی تاریخ مقرر کر دی۔ وُہ گیا نہیں۔ اُس کے ماتا پتا نے گورو مہاراج کے پاس آکر پرارتھنا کی۔ "اِسے صرف شادی کی چھٹی دے دیجئے مہاراج۔ شادی ہو جائے تو واپس آ جائے گا۔"

گورو جی نے کہا ـــ "یہ دیش اور دھرم کیلئے سنکٹ کا وقت ہے۔ پھر بھی جوگا سنگھ چاہے تو اِس شرط پر جا سکتا ہے کہ جب بھی مَیں اسے بلاؤں، تبھی اسے آنا ہو گا۔"

جوگا سنگھ نے گورو جی کے چرنوں میں سر جھکایا۔ وعدہ کیا۔ چلا گیا۔

اور شادی ہو رہی تھی۔ ابھی دو پھیرے ہونے باقی رہتے تھے جب گورو جی کا حکم پہنچا۔ "واپس آؤ ـــــ"

جوگا سنگھ شادی کی رسم کو ادھورا چھوڑ کر چل پڑا۔ کئی لوگوں نے کہا ـــــ شادی تو ہو جانے دو ـــــ"

جوگا سنگھ بولا ـ "اب نہیں۔ مَیں گورو مہاراج کو وچن دے کر آیا تھا کہ جب بھی وُہ بلائیں گے تبھی آؤں گا۔ اِس لئے شادی اب بعد میں ہو گی۔ مَیں جا رہا ہُوں۔"

راستے میں اُسے ابھیمان ہوا کہ گورو مہاراج کا مجھ سے بڑا بھگت کون ہو گا؟۔ اُن کا حُکم ملتے ہی میں شادی چھوڑ کر چلا آیا۔"

لیکن راستے میں تھا ہوشیار پور کا نگر۔ رات اُسے وہاں رہنا تھا من میں پاپ پیدا ہوا کہ شادی تو ہوئی نہیں۔ ایک رات کسی بازاری عورت کے پاس گزار لوں۔ کسی کو اس کا پتہ نہیں چلے گا۔ اندھیرے میں چھپ چھپا کر وُہ ایک ایسی عورت کے ہاں پہنچا۔ لیکن دیکھا کہ اُس کے دروازے پر ایک بہت بارعب آدمی کھڑا ہے۔ جوگا سنگھ اُس سے آنکھ ملانے کی جرأت نہ کر سکا۔ جلدی سے واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وُہ اِک اور بازاری عورت کے ہاں گیا۔ لیکن اُسے حیرت ہوئی کہ وُہ بارعب آدمی وہاں بھی تھا۔ تیزی سے وُہ پیچھے لوٹا۔ کافی دیر کے بعد ایک اور گھر پہ پہنچا۔ وہاں بھی وہی آدمی۔ رات میں کئی بار اُس نے کوشش کی۔ لیکن جہاں بھی وُہ گیا اس آدمی نے اس کی چمکتی آنکھوں نے اور پُرجلال چہرے نے اُس کا راستہ روک لیا۔

صُبح کے وقت وُہ ہوشیار پور سے چلا۔ دُوسرے روز آنند پور پہنچا۔ گورو جہاراج نے اُسے دیکھا مسکراتے ہوئے کہا —— "آ گئے جوگا سنگھ۔ اَب کبھی اگر اپنے گھر سے آؤ تو ہوشیار پور کے راستے مت آنا —— "

انہی دِنوں گورو جہاراج "ریوال سر" کے میلے پر گئے کہ پہاڑی راجاؤں کو دیش بھگتی اور آزادی کے راستے پر چلنے کی ترغیب دے سکیں۔ لیکن ان راجاؤں میں قریباً سب کے سب یا تو مغل حکومت کے پروردہ کار تھے یا اُس سے خوفزدہ لوگ —— دیش اور اُس کی آزادی کے لئے نہیں، گورو جہاراج کو مغلوب کرنے کی بات وُہ سوچ رہے تھے۔

گورو جہاراج کا دَربار لگا تھا کئی پہاڑی راجے بھی وہاں موجود تھے۔

ایک سکھ نے ایک دو نالی بندوق گورو جی کو لا کر دی۔ بولا —— ستگورو! آپ کو ہتھیار و سے پیار ہے۔ یہ بندوق مَیں نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اِسے قبول کرنے کا کرم فرمائیے۔"

گورو جہاراج نے کہا "لیکن اِس کی گولی سے آدمی مَر بھی سکتا ہے؟"

سکھ بولا —— "ضرور مر سکتا ہے سچے پادشاہ۔"

گورو جی نے بھرے دربار میں کہا —— تو کوئی آدمی سامنے آؤ۔ مَیں اُسے نشانہ بنا کر دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ بندوق کہاں تک مار کرتی ہے۔"

تیزی سے ایک دو نہیں کتنے ہی سکھ کھڑے ہو گئے۔ سر جھکا کر بولے —— گولی چلائیے سچے پادشاہ۔"

گورو مہاراج نے کہا ــــــ "اِس طرح نہیں۔ قطار بنا کر کھڑے ہو جاؤ۔ مَیں دیکھتا ہُوں کہ یہ گولی کتنے لوگوں کو پار کر سکتی ہے۔"

اور کتنے ہی لوگ اُس قطار میں کھڑے ہو گئے۔

گورو مہاراج نے گھوڑا دبایا۔ سنسناتی ہوئی گولی سب کے اُوپر سے ہو کر دُور جا گری۔ کوئی بھی مرا نہیں۔

لیکن پہاڑی حکمران آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے ــــــ "جس کے سکھ اِس طرح اُس کے حکم پر مرنے کو تیار ہیں۔ اُسے شکست کون دے سکتا ہے؟"

اِنہی دِنوں ایک اور بات ہوئی۔ ہوشیار پور کا ایک برہمن گورو مہاراج کے دربار میں روتا ہُوا حاضر ہُوا۔ گورو جی نے کارن پوچھا۔ معلوم ہُوا کہ برہمن اپنی شادی کرانے کے بعد اپنے شہر واپس جا رہا تھا جب "بسی" نام کے ایک قصبہ کے پاس پہنچا تو اُس قصبہ کے پٹھان زمیندار نے اُس کی بیوی چھین لی۔ اُسے لے کر وُہ "بسی" کو بھاگ گیا ہے۔ آس پاس کا کوئی بھی آدمی برہمن کی مدد کرنے کو تیار نہیں قریب کا کوئی پہاڑی راجہ بھی اِس کے لئے تیار نہیں۔ سب کو خطرہ ہے کہ ایسا کرنے سے حکومت ناراض ہو جائے گی۔

گورو جی نے گرج کے کہا ــــــ "یہ حکومت نہیں، لعنت ہے۔"

اور تبھی اُنہوں نے شہزادہ اجیت سنگھ جی کو حکم دیا ــــــ "اِس برہمن کے ساتھ جائیے اور اِس کی مدد کیجیے ــــــ"

شہزادہ اجیت سنگھ جی اُس کے ساتھ گئے۔ بسی پر حملہ کر کے اُنہوں نے زمیندار کو گرفتار کر لیا برہمن کی بیوی کو قید سے نکالا اور برہمن کے حوالے کر دی۔ زمیندار کو لے کر وُہ گورو مہاراج کے پاس پہنچے۔ گورو مہاراج نے اُسے ٹھوکر مار کے کہا ــــــ "اب چلے جاؤ یہاں سے۔ آئندہ ایسی حرکت کی تو یاد رکھو۔ گوبند سنگھ کے سکھ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔"

لیکن سبھی لوگ تو ایک جیسے نہیں ہوتے۔

شری آنندپور صاحب کے جس محاصرے کا ذکر مَیں نے پچھلے باب میں کیا، اُسی کے سلسلہ میں یہ بھی لکھا کہ محاصرہ شروع ہونے سے پہلے ماجھا کے پانچ سو سکھوں کا ایک جتھہ دُنی چند کی

جتھیداری میں وہاں پہنچا۔ محاصرہ شروع ہوا تو گورو مہاراج نے اُن پر بھروسہ کیا۔ محاصرہ لمبا ہوا تو دُنی چند گھبرایا۔ اپنے ساتھیوں کو اُس نے کہا ——— "یہ گورو جی تو ٹھیک نہیں۔ لڑتے ہی جاتے ہیں۔ اِس سے تو اچھا ہے ہم دھیرمل کو گورو بنالیں۔ آنندپور میں تو رہنا بھی نہیں چاہیئے۔ یہاں تو ہر وقت زندگی خطرے میں ہے"——— دوسرے دن گورو مہاراج دُنی چند اور ان پانچ سو مجھیلوں کو ایک نئے مورچے پر تعینات کرنا چاہتے تھے۔ لیکن دِن نکلنے سے پہلے ہی رات کے اندھیرے میں یہ لوگ سیڑھی لگا کر دیوار پر پہنچے اور وہاں سے باہر کود گئے۔ کودتے وقت دُنی چند کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ بہت مشکل سے کئی دِن کے بعد وُہ امرت سر پہنچا۔

آنندپور میں گورو مہاراج کو دُنی چند کے اِس فرار کا پتہ لگا تو اُنہوں نے کہا ——— "یہ بیوقوف موت سے ڈر کے بھاگ گیا ہے۔ اور اسے معلوم نہیں کہ موت امرت سر میں بھی آتی ہے۔ صِرف آنندپور میں نہیں آتی"۔

امرت سر میں دُنی چند کے رشتہ داروں کو پتہ لگا کہ یہ گورو جی سے غداری کر کے آیا ہے تو اُنہوں نے سماجی بائیکاٹ کر دیا۔ دُنی چند شرمندہ ہو گھر میں چھُپا بیٹھا تھا کہ ایک رات اُسے سانپ نے کاٹ لیا۔ چیختا، چلاتا اور روتا ہوا اِس دنیا سے چلا گیا۔ موت سے بھاگا تھا۔ موت اُس کے گھر میں اُس کا انتظار کر رہی تھی۔

ایک دِن گورو مہاراج کی دھرم پتنی جیتو نے (جن کا دُوسرا نام سُندری تھا) مہاراج کے پاس آکر کہا ——— "سچے پادشاہ۔ آپ سب لوگوں کو نام دان دیتے ہیں۔ واہگورو سے ملنے کا راستہ بتاتے ہیں۔ دھیان کی بخشش دیتے ہیں۔ مجھے بھی یہ سب کچھ دیجئے"۔

گورو جی بولے ——— "واہگورو کا نام لو دیوی! صِرف زبان سے نہیں۔ دِل سے اُس کا نام لو۔ نام لیتے وقت اُس کے سوائے کسی کا دھیان نہیں کرو۔ تمہارے من کی اچھا پوری ہو جائے گی ———"

ماتا جی نے ایسا ہی کیا۔ اتنے برسوں سے گورو مہاراج کی سنگت، اُن کی سیوا۔ پھر اُن کے پوتر مُکھ سے نام دان ——— کچھ ہی دِنوں میں ماتا سُندری کو مستقبل میں ہونے والے واقعات اِس طرح دکھائی دینے لگے جیسے اُن کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہوں۔ اور ——— وُہ گھبرا کر گورو مہاراج کے پاس آئیں۔ بولیں ——— "ستگورو جی۔ بہت بھیانک بات میں نے دیکھی۔ یہ

کہ آپ میرے ...... اپنے چاروں بیٹوں کو قربان کر دینا چاہتے ہیں۔ انہیں بچا لیجئے مہاراج! اُنہیں شہید نہ ہونے دیجئے۔ میں ماں ہوں۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔"

گورو جی نے ذرا سختی سے کہا ـــــ "اِس لئے تم نے نام دان لیا تھا دیوی! ـــ واہگورو کا نام لینے کے بعد تمہیں موہ ممتا سے اُوپر اُٹھنا چاہیئے تھا۔ تم نے اس کی وجہ سے بھگوت کو دیکھنے کی شکتی تو حاصل کی۔ موہ سے نجات نہیں پائی۔ لیکن تمہارے موہ کی وجہ سے میں اِن بچّوں کا وُہ عظیم رُتبہ نہیں چھین سکتا جو انہیں یقینی طور پر ملیگا۔ مَوت کے لئے چِنتا کی ضرورت نہیں۔ چار دِن پہلے آئے یا چار دن بعد۔ ہر آدمی کے لئے وُہ آتی ضرور ہے ـــ جاؤ۔ دھیان میں چِت لگاؤ۔ موہ کو تیاگ دو۔"

ماتا جی نے سَر جُھکا کے آنسو بھری آواز میں کہا ـــ "لیکن مَیں ماں ہُوں سرکار!"

گورو جی دُور پرے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولے ـــ "مَیں جانتا ہُوں دیوی! ـــ دُنیا میں مائیں بہت ہیں۔ لیکن شہیدوں کی ماں کبھی کبھی پَیدا ہوتی ہے۔ مَیں تمہیں چار شہیدوں کی ماں بنا دُوں گا ـــ دُنیا تمہارا نام لے کر عقیدت سے سَر جُھکا دے گی۔"

ماتا جی نے دونوں ہاتھوں سے مُنہ کو ڈھک کے ایک بار کہا ـــ "مہاراج ......"

اِس سے زیادہ وُہ بول نہیں سکیں۔

سر جُھکایا، ہاتھ جوڑے۔ باہر چلی گئیں۔

یہ تھی آنند پور کی دُنیا۔ لیکن ظلم، مغلائی اور نا انصافی کی دُنیا میں تو چین نہیں تھا۔ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کی لگاتار بڑھتی ہوئی عزّت، مقبولیت اور طاقت اسے اپنے لئے مَوت کا پیغام معلوم ہوتی تھی۔ اس کیلئے وُہ اس طرح تھی جیسے پاؤں تلے انگارے آ گئے ہوں۔ ہر وقت سازشیں۔ ہر وقت چِنتائیں۔ ہر وقت چالیں۔

گورو مہاراج کورو کشیتر کے میلے پر گئے۔ واپس آتے وقت صرف ایک سو سپاہی اُن کے ساتھ تھے۔ اِسی وقت دو مسلمان جرنیل۔ سید بیگ اور الف خاں بھی دہلی سے لاہور کی طرف جا رہے تھے۔ دونوں کے پاس پانچ پانچ ہزار سپاہی تھے۔ دونوں کو پہاڑی راجاؤں کے ساتھ ملنے والے شاہی جاسوسوں نے اطلاع دی کہ پنجاب میں بادشاہ اورنگ زیب کا سب سے بڑا دشمن گورو گوبند سنگھ صرف سو آدمیوں کے ساتھ جا رہا ہے۔ اُسے پکڑ لو یا ختم کر دو تو بادشاہ سے بہت بڑا انعام

ملیگا۔ ____" اس اطلاع کے ملتے ہی دونوں نے اپنی فوجوں کو ترتیب دی اور آگے بڑھ کر گورو مہاراج پر حملہ کر دیا۔

لیکن حملہ کرنا جتنا آسان تھا۔ اُسے کامیاب بنانا تو اُتنا آسان نہیں تھا۔ ایک طرف دس ہزار سپاہی تھے۔ دُوسری طرف صرف ایک سَو۔ لیکن اِن دس ہزار سپاہیوں کے کمانڈر بھُول گئے کہ یہ ایک سو آدمی صرف سپاہی نہیں، سِکھ بھی ہیں اور ان کے مقدس گورو مہاراج ان کے ساتھ ہیں۔

حملہ ہوتے ہی یہ ایک سو آدمی اس طرح لڑے کہ خود شاہی جرنیل بھی حیران رہ گئے۔ ایسی جنگ انہوں نے کبھی دیکھی نہیں۔ اس طرح لڑتے ہوئے کبھی کسی کو دیکھا نہیں۔ عملی طور پر ہر سکھ سپاہی کا مقابلہ بادشاہ کے سَو سپاہیوں سے تھا لیکن ہر سکھ اس طرح لڑ رہا تھا جیسے اُس کے سامنے کھڑے ایک سَو سپاہی نہیں بلکہ گاجر مولی ہیں۔

اس منظر کا سب سے زیادہ اثر ہوا صیاد بیگ پر۔ اس نے آج تک گورو جی کے متعلق اور اُن کے سِکھوں کے متعلق جو باتیں سُنی تھیں آج اُنہیں آنکھوں کے سامنے دیکھا تو اُسے لڑنا بھُول گیا۔ حیرت زدہ ہو کر وُہ اس بے خوف بہادری کو دیکھتا رہا جو پیچھے ہٹنا، ہارنا اور تھکنا نہیں جانتی جس کے لئے زندگی اور موت برابر ہیں ____ اور معاً اُس نے فیصلہ کیا کہ وُہ اِن بے رحم حملہ آوروں کا نہیں۔ اِن بہادر لیکن مظلوم لوگوں کا ساتھ دے گا جن کا اِس کے سوائے کوئی قصور نہیں کہ اُن کا گورو ایک خدا کی عبادت سکھاتا ہے ____ اور دیوانہ وار وُہ اپنے ہی ساتھیوں پر ٹوٹ پڑا۔ چِلّا کر اس نے کہا ____ "ایک سو آدمیوں پر دس ہزار حملہ کریں۔ یہ ظلم ہے۔ ہٹو یہاں سے۔ نہیں تو صیاد بیگ کی تلوار تمہیں تباہ کر دے گی۔" اُس کے کچھ قریبی دوستوں نے اس کا ساتھ دیا باقی اس کے مخالف بن گئے۔ الف خاں پہلے ہی زخمی ہو گیا تھا۔ صیاد بیگ کی اس تبدیلی کو دیکھ کر شاہی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ جس کا جس طرف سینگ سمایا اُسی طرف وُہ بھاگ نکلا۔

۱۰

صیاد بیگ اور الف خاں کے ناکام حملے کے بعد ایک عجیب بات ہوئی۔ پہاڑی راجاؤں نے اپنی فوج وہاں منگالی۔ الف خاں کی فوج پھر سے منظم ہوئی (کیونکہ صیاد بیگ گورو جی سے مل گیا تھا)۔ اور دہلی سے صیاد خاں اور رمضان خاں کی قیادت میں ایک نئی فوج ان لوگوں کی مدد کیلئے بھیج دی گئی۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ اب کے کسی نے "ہزار روپے روزانہ" کی بات نہیں کی جو اب سے پہلے اُس وقت کے متعلق کہی جاتی تھی جب صیاد بیگ اور الف خاں نے گورو مہاراج پر حملہ کیا (اُس وقت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پہاڑی راجاؤں نے انہیں ہزار روپیہ روزانہ دے کر حملہ کرنے کے لئے کہا) الف خاں بھول گیا کہ اُسے لاہور جانا ہے! اور اس کہانی کو کہنے والے بھول گئے کہ صیاد بیگ اور الف خاں "ہزار روپیہ روزانہ" کے لالچ میں راستہ میں ٹھہر گئے تھے۔ ورنہ ان کی اصل منزلِ مقصود لاہور تھی۔

لیکن مجھے یقین ہے کہ اصل کہانی کا "ہزار روپیہ روزانہ" یا "پہاڑی راجاؤں کی دشمنی" سے کوئی تعلق نہیں اصل کہانی صرف یہ ہے کہ مغل سامراج کے جاسوسوں نے جب دیکھا کہ گورو مہاراج گورو کشیتر کے میلہ سے واپس جا رہے ہیں اور اُن کے ساتھ صرف ایک سو سکھ ہیں تو انہوں نے شاہی فوج کے دو جرنیلوں کو اطلاع دی جو پانچ پانچ ہزار سپاہیوں کو لے کر دہلی سے لاہور جا رہے تھے۔ اِن جرنیلوں نے ایک طرف گورو جی پر حملہ کیا دُوسری طرف دہلی میں اطلاع بھیجی کہ گورو جی کا مقابلہ بہت سخت ہے، مزید فوج بھیجی جائے۔ دہلی سرکار نے اِس نئی فوج کو صیاد خاں اور رمضان خاں

کی قیادت میں بھیجا اور اس کے ساتھ ہی پہاڑی راجاؤں کو حکم دیا کہ تم بھی اپنی فوج لے کر گورو جی پر حملہ کرو ـــــ اس طرح یہ دُوسرا حملہ ہُوا جب کہ گورو مہاراج ابھی آنند پور کے راستہ میں تھے۔

اس حملہ کے وقت گورو جی کے ساتھ صرف ایک سو نہیں بلکہ پانچ سو سپاہی تھے چار سو سپاہی آنند پور سے یہ خبر ملنے پر وہاں پہنچے کہ گورو جی پر حملہ ہو گیا ہے۔ ایک طرف یہ پانچ سو۔ دُوسری طرف پہلی شاہی فوج کے پانچہزار سے اوپر سپاہی نئی شاہی فوج کے دس ہزار سپاہی۔ اور پہاڑی راجاؤں کے کئی ہزار سپاہی۔ اس نابرابر جنگ میں بھی گورو جی نے اور اُن کے بہادر ساتھیوں نے حملہ آوروں کے چھکے چھڑا دیئے۔ ایک بار پھر لاشوں پہ لاشیں گریں۔ ایک بار پھر خون کے فوارے اُچھلے۔ تلواروں سے تلواریں ٹکرائیں۔ تیروں اور گولیوں کا سنگیت گونج اُٹھا۔

اس منظر نے سب سے زیادہ اثر کیا شاہی فوج کے جرنیل صیاد خاں پر ـــــ ایک طرف اُس نے دیکھا کہ صیاد بیگ اور میمون خاں جیسے مسلمان بھی گورو جی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ یہ بھی دیکھا کہ صیاد بیگ "گورو جی کی جے" کہتا ہُوا شہید ہو گیا ہے۔ اور پھر یہ بھی دیکھا۔ کہ مٹھی بھر سِکھ اس طرح لڑتے ہیں جیسے انہیں زندگی کا رتی بھر موہ نہ ہو تو اُس کے دل میں ایک روشنی جاگ اٹھی۔

اور تبھی اس نے گورو مہاراج کو دیکھا۔ اس طرح تیروں کی بارش کرتے ہوئے کہ جس طرف وُہ کمان کرتے اُدھر پرے کے پرے صاف ہونے لگتے۔

صیاد خاں پیر بُدھو شاہ کی بیوی کا بھائی تھا۔ پیر صاحب سے اور اپنی بہن سے اُس نے گورو مہاراج کی روحانی عظمت کے متعلق کتنی ہی باتیں سُنی تھیں۔ آج اس عظمت کو اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اتنے بڑے حملے اور اتنی خونخوار جنگ کے باوجود گورو جی کا وُہ شانت، مُسکراتا ہُوا چہرہ۔ وُہ مستی بھرا جلال۔ وُہ سُورج کی طرح چمکتا ہُوا نُور ـــــ

اور جیسے اُس پر جادُو ہو گیا ہو ـــــ اس طرح وُہ گورو جی کی طرف بڑھا۔ گورو مہاراج نے اُسے نزدیک آتا دیکھا تو پکار کے کہا ـــــ "وار کرو صیاد خاں۔ میرے تیر بے قرار ہیں لیکن مَیں کسی پر وار کرنے میں پہل نہیں کرتا" ـــــ صیاد خاں نے اُن کی آواز کو سُنا۔ اپنے

گھوڑے کو اُن کے اور بھی قریب لے آیا۔ گورو جی نے پھر کہا —— "ارے بھائی تمہارے پاس ہتھیار ہیں، انہیں استعمال کرو۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے کیوں بیٹھے ہو؟"

صیّاد خاں اُن کے اور بھی قریب آ گیا۔ اُس کی آنکھیں میدانِ جنگ کو نہیں۔ لڑتے سپاہیوں کو نہیں۔ سامنے گھوڑے پر بیٹھے گورو جی کو بھی نہیں۔ صرف ان کی آنکھوں کو دیکھ رہی تھیں جن سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے امرت برستا ہو۔ زندگی برستی ہو۔ روشنی برستی ہو۔ تیزی کے ساتھ وہ گھوڑے سے اُترا۔ گورو جی کے پاؤں کے ساتھ اپنا سر لگا دیا۔ آنسو بھری آواز میں بولا —— "میں آپ کی شرن میں آیا ہُوں۔ یہ لیجئے تیر کمان۔ تلوار۔ بندوق —— اب کچھ نہیں چاہیئے مجھے۔ صرف آپ کا پیار چاہیئے ——"

گورو مہاراج نے گھوڑے سے اُتر کر اسے سینے سے لگا لیا۔ اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کے بولے —— "واہگورو تم پر مہر کریں گے صیّاد خاں۔ اللہ نے تمہاری رُوح کو بیدار کر دیا۔ جاؤ۔ اُسی اللہ کی شرن میں جاؤ۔ تمہاری سبھی خواہشیں پُوری ہوں گی۔"

اور صیّاد خاں سر جھکا کر چلا گیا۔

کہتے ہیں کہ یہاں سے وہ سیدھا کانگڑہ کے علاقہ میں پہنچا۔ ایک پہاڑی گُفا کے اندر رہنے لگا۔ وہیں اُس نے اپنی ساری زندگی بتا دی۔

—— × ——

لیکن صیّاد خاں ساری شاہی فوج تو نہیں تھا۔ شاہی فوج کا دُوسرا کمانڈر تھا۔ رمضان خاں —— اُس نے یہ حالت دیکھی تو ساری فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے کر پُوری شدّت سے حملہ کر دیا۔

سکھ سپاہی دیوانہ وار لڑ رہے تھے۔ لیکن ایک طرف صرف پانچ سو۔ دُوسری طرف تیس ہزار —— یہ مُقابلہ کیا تھا؟ کتنے ہی سکھ شہید ہُوئے۔ کتنے ہی زخمی۔ اب تک وہ آنندپور کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اِس کوشش میں تھے کہ دشمن کو آنندپور کی طرف بڑھنے نہ دیں۔ لیکن ایسا کرنا بتدریج مشکل ہُوا جاتا تھا۔

تبھی شاہی فوج کا ایک حصّہ آنندپور میں داخل ہو گیا۔ سکھ فوج آنندپور کی مدد نہیں کر سکی۔ شاہی فوج نے گورو کی اس نگری کو لُوٹنا شروع کر دیا۔ ایک کافی بڑے حِصّے کو وہ لُوٹ کر باہر آئی تو رات ہو رہی تھی۔ لڑائی بند ہو گئی —— لیکن سکھ اپنی اس

شکست کو دیکھ کر تلملا اُٹھے ______ آنندپور ان کے سامنے لُوٹا گیا۔ وُہ آنندپور میں پہنچ نہیں سکے۔ دشمن وہاں پہنچ گیا۔ اَب وُہ اپنی شکست سے بے چین تھے۔ اُن کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی! اور تھوڑی ہی دُوری پر دشمن اپنی فتح کا جشن منا رہا تھا۔ دعوت ہو رہی تھی۔ محفلیں گرم تھیں قہقہوں سے آسمان گونج رہا تھا۔

قریباً آدھی رات تک شاہی فوج رنگ رلیوں میں محو رہی ______ تب اِس طرح سوگئی جیسے جنگ ختم ہو چکی ہو کسی نے پہرہ دینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔

لیکن سکھوں کے دِل میں تو خوشی نہیں تھی۔ اُن کے دِل دُکھی تھے اِن کی آنکھوں میں خُون کے آنسو تھے۔ آدھی رات کے وقت جب اُنہوں نے دیکھا کہ شاہی فوج محوِ خواب ہے تو انہوں نے گوروجی سے پرارتھنا کی ــ سچے بادشاہ ــ اجازت دیجیئے کہ ہم اپنی شکست کا بدلہ لے لیں۔"

گوروجی نے اجازت دی۔

سکھ بہادر رات کے اندھیرے میں آگے بڑھے اَور دشمن کی پُوری فوج پر انہوں نے اِس طرح حملہ کر دیا کہ شاہی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ سوتے ہُوئے لوگ پُوری طرح جاگنے سے پہلے ہلاک کر دیئے گئے۔ کئی ترک ایک دُوسرے پر حملہ کر کے مر گئے۔ ہر طرف چیخیں جاگ اُٹھیں۔ چِلاہٹ جاگ اُٹھی اندھیرے میں اِس طرح قتلِ عام ہُوا کہ صبح کی روشنی ہونے تک شاہی فوج کے بہت بڑے حِصّے کا صفایا ہو چکا تھا۔ باقی فوج روپڑ کی طرف بھاگی جاتی تھی۔

سِکھوں نے نہ صِرف وُہ سَب کا سَب سامان واپس لے لیا جو ترک سپاہیوں نے آنندپور سے لُوٹا تھا بلکہ شاہی فوج کے ڈھیروں ہتھیار اور ڈھیروں دُوسرا سامان بھی اپنے قبضے میں لے لیا ______ جن بہادر سکھوں نے یہ عظیم کارنامہ کیا۔ اُن کے کمانڈر اور رہنما شہزادہ اجیت سنگھ تھے جن کی عمر اُس وقت صِرف سترہ برس تھی۔

اجیت سنگھ جی کا جنم ۱۶۸۷ء کی جنوری میں ہُوا۔ یہ جنگ ۱۷۰۴ء کے آغاز میں ہوئی۔ اجیت سنگھ جی کی عمر اُس وقت سترہ برس سے صِرف چند روز زیادہ تھی ______ لیکن سترہ برس کے اِس شیر نے مغل فوج کو اِس طرح تباہ کر دیا جیسے جنگل کے بادشاہ کی گرج سُن کر ہزاروں گیدڑ بھاگ گئے ہوں۔

اجیت سنگھ جی جب ترکوں کا صفایا کر رہے تھے۔ تبھی شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج آنند پور میں داخل ہوئے۔ ایک بار پھر آنند کی نگری پر آنند کے مالک کا قبضہ ہو گیا۔ آنند پور کی چھتوں سے، کھڑکیوں سے، دروازوں سے، گلیوں اور کوچوں میں آسمان کو پہنچتی ہوئی ایک آواز گونج اٹھی۔

"ست سری اکال"

۱۱

اورنگ زیب اب بھی دکن میں تھا۔ اُس کا جسم بوڑھا ہو گیا۔ سامراج بوڑھا ہو گیا۔ دونوں کی جڑیں کھوکھلی ہو گئیں تھیں۔

اُس کے پاس شاہی فوج کی شکست کی خبر پہنچی تو چلّا کر اُس نے کہا —— "صرف پانچ سو آدمیوں سے شاہی فوج کے تیس ہزار سپاہی ہار گئے۔ اُن کے مقابلہ سے بھاگ کر چلے آئے۔ اور وُہ بے وقوف ضیا دخاں ہتھیار چھوڑ کر تارک الدنیا ہو گیا! یہ تماشہ آخر کیا ہے؟ کیسا آدمی ہے یہ گوبند سنگھ؟"

اطلاع دینے والوں نے بتایا کہ "گوبند سنگھ ۳۸ برس کے ایک بے حد خوبصورت اور بے حد بہادر آدمی ہیں۔ اُن کی آنکھوں میں چمکتا نور ہے۔ چہرے پر روحانی جلال۔ پہلے وہ کسی پر حملہ کرتے نہیں۔ کوئی کرے تو اس طرح اُس کا جواب دیتے ہیں کہ حملہ آور چلّا اُٹھتا ہے۔

اورنگ زیب نے سوچتے ہوئے کہا —— ہماری ہر چال ناکام ہو چکی۔ وُہ بیوقوف پہاڑی راجے کسی کام کے نہیں۔ باتیں بہت کرتے ہیں۔ لیکن بائیس راجے مل کر بھی ایک آدمی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مختلف صیلوں اور بہانوں سے بھیجی گئی شاہی فوج بھی کام نہیں آئی۔ ہم اپنے جرنیل بھیجتے ہیں کہ اِس باغی کو گرفتار کر کے ہمارے حضور میں حاضر کریں —— وُہ احمق اُس کے قدموں میں جا جُھکتے ہیں۔ ایسی حالت میں کرنا کیا ہوگا؟

شاہی قاضی نے راستہ بتایا —— "عالم پناہ۔ ایسے آدمی کو اپنا ساتھی بنانا اچھا ہے۔ اور کوشش ہونی چاہیئے کہ وُہ یہاں آئے۔ یہاں اُسے سمجھایا جا سکتا ہے۔"

اِس مشورے کے مطابق اورنگ زیب نے خط لکھا۔

"شہنشاہ صرف ایک ہے۔ تہارا اور ہمارا مذہب ایک ہے۔ تم خوشی سے ہمیں ملنے آؤ۔ نہیں آئے تو ہم ناراض ہوں گے۔ خود آئیں گے۔ اگر تم آؤ

تو تمہارے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو بادشاہ لوگ مقدس لوگوں سے کرتے ہیں۔ مجھے بادشاہت خدا نے دی۔ ہوش سے کام لو۔ میری خواہش کی مخالفت نہ کرو ________"

گورو مہاراج نے خط پڑھا۔ مسکرائے۔ شاید یہ سوچ کر کہ جو آدمی "خدا سے بادشاہت لینے" کا دعویٰ کرتا ہے اُسے یاد نہیں کہ اُس نے اپنے باپ کو قید کیا۔ اپنے بھائیوں کو بیدردی سے مروا ڈالا ________ اور شاید اس لئے بھی کہ ہر آدمی جو خدا سے بادشاہت لینے کا دعویٰ کرتا ہے یہ نہیں جانتا کہ یہ سب انسان جنہیں وُہ تعصّب کی آگ جلا کر بھُونے دیتا ہے خدا کے پیدا کئے ہوتے ہیں۔ "خدا سے بادشاہت لے کر" وُہ خدا کی مخلوق کو اِس لئے تباہ کئے دیتا ہے کہ اُس بادشاہت کو محفوظ رکھ سکے جو آج نہیں تو کل ضرور ختم ہوگی۔

مُسکراتے ہوئے اُنہوں نے جواب لکھوایا۔

میرے بھائی ___ جس مالک نے تمہیں شہنشاہ بنایا اُسی نے مجھے دُنیا میں بھیجا کہ دنیا کو انصاف دے سکوں۔ تم کو بھی اُس نے اسی لئے بھیجا تھا۔ لیکن تم بناوٹ۔ دکھاوٹ اور مکّاری میں محو ہو گئے۔ ایسی حالت میں تمہارے ساتھ میری دوستی کیسے ہو سکتی ہے۔ جبکہ تم اندھی منافرت کا سہارا لے کر ہندوؤں کو تباہ کرنا اپنا شیوہ بنا بیٹھے ہو۔ تم بھُول گئے کہ مخلوق خدا کی ہے بادشاہ کی نہیں۔ اپنے فرض کو بھُول کر تم لوگوں سے ان کا دھرم چھیننے پر اُتارو ہو گئے۔ تب مجھ سے تمہاری صلح کیسے ہوگی؟ ________ [۱]"

ظاہر ہے کہ گورو گوبند سنگھ جی اُس نتیجہ سے آگاہ تھے جو اِس "جواب" سے پیدا ہونیوالا تھا۔ اِس لئے انہوں نے جواب بھیجتے وقت جہاں بادشاہ کے پیامبر کو "ہمر دیا" دے کر اپنی شاہانہ عظمت کا ثبوت دیا۔ وہاں پُوری طاقت سے اِس جنگ کی تیاری بھی شُروع کر دی جو لازمی طور سے ہوگی۔

مالوہ اور ماجھا سے گورو جی کے سکھ آنے لگے۔ کئی دُوسرے علاقوں سے بھی بہادر

---

[۱] یہ دونوں خط بادشاہ اورنگ زیب کا اور شری گورو گوبند سنگھ جی کا ___ جوں کے توں مسٹر میکالف کی کتاب سے لئے گئے ہیں۔

سکھوں کے جتھے آنند پور کی طرف روانہ ہو پڑے۔ گورو مہاراج نے خود ہر علاقہ میں سندیسہ بھیجا۔ کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں نوجوان، تندرست اور توانا سکھ ہتھیاروں سے لیس ہو کر آنند پور میں آئیں۔

آنند پور میں دیوالی کا دیوان سجا تو اتنی رونق تھی جیسے آنند پور محض ایک قصبہ نہیں، بلکہ ایک عظیم فوجی چھاؤنی ہو۔ ہر طرف گورو کے لنگر۔ ہر طرف چھپاتے ہتھیار۔ ہر طرف مسلح سپاہی۔

لیکن عجیب قسم کے سپاہی تھے وہ۔ گورو جی سے تنخواہ لینے کی بجائے اپنی اپنی بساط کے مطابق وہ تحفے دیتے ہیں۔ گورو جی سے کپڑا لینے کی بجائے خود انہیں ہر قسم کے کپڑے بھینٹ کرتے ہیں۔ گورو جی سے کھانا لینے کی بجائے اُن کے لنگر میں ہر چیز مہیا کرتے ہیں اور پھر ہتھیاروں سے مسلح ہونے اور ہتھیار چلانے کا ابھیاس کرنے کے باوجود اُن کا زیادہ تر وقت گزرتا ہے گورو بانی کو سننے اور اُس کا کیرتن کرنے میں، روحانیت کی باتیں کرنے اور واہگورو کا نام لینے میں۔ آنند کی اس نگری کے اندر ایک عجیب فضا تھی اُن دنوں ــــ آنکھوں دیکھے تو یوں لگتا تھا جیسے ایک عظیم فوجی چھاؤنی تھی۔ جس میں ہر آدمی جنگ وجدل کے لئے تیار ہے، ہر آدمی دشمن کے لئے موت کا پیامبر ــــ کانوں سُنیئے تو ایسے لگتا تھا کہ وہ سنتوں، سادھوؤں، مہاتماؤں کا ایک آشرم ہے جہاں ہر وقت روحانیت کی چرچا ہوتی ہے۔ ہر وقت مالک کے نام کا امرت برستا ہے۔

یہ تھا آج سے دو سو باسٹھ برس پہلے شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے سنت سپاہیوں کا آنند پور۔

دوسری طرف گورو جی کے مخالف بھی خاموش نہیں تھے۔ ایک طرف پہاڑی راجہ لوگ (بلاسپور کا اجمیر چند۔ کانگڑہ کا گھمنڈ چند۔ جسوال کا بیر سنگھ ــــ اور ان کے علاوہ راجہ صاحب کلو، منڈی، کیونتھل، جموں، نور پور، چمبہ، گلیر، ہنڈور، بجھروال، دھروٹی اور ڈھڈوال) مغل حکومت سے جھاڑ اور ترغیب ملنے کے بعد ایک بار پھر "کانفرنس" کر رہے تھے۔ اپنی فوجیں جمع کر رہے تھے۔ دوسری طرف سکھوں کے پُرانے مخالف "رنگھڑ" اور "گوجر" (جن کے لئے سکھوں کی وجہ سے چوری کرنا اور ڈاکے ڈالنا کٹھن ہو گیا تھا) تیاری کر رہے تھے۔ دہلی سے بھیجے گئے ہتھیار ان میں تقسیم ہو رہے تھے۔ اور تیسری طرف بادشاہ اورنگ زیب کے جرنیل وزیر خاں اور زبردست خاں ایک عظیم شاہی فوج کو سرہند میں کیل کانٹے سے لیس کر رہے تھے۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ دہلی، سرہند اور لاہور

کے صوبے دار اس حملے میں حصّہ لیں۔ دہلی کے صوبے دار نے بادشاہ کو لکھا کہ میرے جانے سے دہلی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس لئے سرہند کا صوبے دار وزیر خاں اور لاہور کا صوبے دار زبردست خاں اپنی ساری فوج کو لے کر اور شاہی فوج کے جرنیل بن کر حملے کی تیاری کرنے لگے۔

اور تب ۱۷۰۴ء کی گرمیوں میں وزیر خاں اور زبردست خاں کی فوج سرہند سے اس طرح آگے بڑھی جیسے ایک اٹھلاتا ہوا سمندر آگے بڑھتا ہے۔ روپڑ میں پہنچنے پر پہاڑی راجاؤں کی فوج اور رنگھڑ و گوجر سپاہی بھی شاہی فوج کے ساتھ مل گئے۔ روپڑ میں ملنے والے یہ سپاہی کئی ہزار تھے مگر شاہی فوج اِن سے کئی گنا زیادہ تھی۔

گورو جی نے دیوالی سے پہلے آنند پور کے قلعہ کو زیادہ مضبوط بنا لیا تھا۔ جہاں کہیں بھی اُس کی دیواریں کمزور تھیں انہیں مضبوط بنانے کا جتن کیا تھا۔ دیواروں پر بنے بُرجوں پر انہوں نے توپیں بھی چڑھادی تھیں۔ قلعے میں کھانے کا جتنا سامان وُہ جمع کر سکتے تھے وُہ جمع کر دیا گیا تھا۔ اور ایک دن جب گورو مہاراج نے بھرے دیوان میں اپنا لکھا ہُوا یہ شبد سُنایا کہ۔

”دھنیہ جیو۔ تیہہ کو۔ جگ میں
مُکھ تے ہری چِت میں جُدھ وچارے
دیہہ انت۔ نہ نِت رہے
جسُو ناو۔ چڑھے بھو ساگر۔ تارے
دھیرج دھام۔ بنائی۔ اِہے تن
بُدھی۔ سُو دیپک۔ جیو۔ اجیارے
گیان ہی۔ کی۔ بڑھنی۔ مَن ہو
ہاتھ۔ لے۔ کاترتا۔ کتوار۔ بُہارے“

..اُس آدمی کی زندگی مبارک ہے جس کے مُنہ میں پربھو کا نام ہے،

. لیکن جو دل میں (نا انصافی کے خلاف) جنگ وجدل کی بات سوچتا ہے ۔ یہ جسم تو فانی ہے ۔ ہمیشہ رہے گا نہیں ۔ دُنیا کے سمندر کو وہی پار کرے گا جو عزت وشہرت کی کشتی میں بیٹھتا ہے ۔ اس جسم کو صبر وقناعت کا گھر بنا دو ۔ اس کے اندر عقل کا چراغ جلاؤ ۔ آتم گیان کا جھاڑو ہاتھ میں لے کر خوف وبزدلی کو نکال کے باہر پھینک دو ـــــــــــ [1]

ور جب اسی قسم کے دُوسرے اُپدیش میں انہوں نے بتایا کہ ـــــــــ

" یہ جسم ہر وقت مرتا ہے ۔ اسے کبھی کوئی بچا نہیں سکا ۔ اور اس جسم کے اندر بیٹھی ہوئی آتما ہمیشہ زندہ رہتی ہے ۔ اسے کبھی کوئی مار نہیں سکتا ۔ کاٹ نہیں سکتا ۔ جلا نہیں سکتا ۔ سکھا نہیں سکتا ۔ دبا نہیں سکتا ـــــــــــ "

تو سکھوں میں ایک لا پناہ جذبہ جاگ اُٹھا ۔ دیش کے لئے ، دھرم کے لئے اور انصاف کے لئے شہید ہونے کا ایسا جذبہ جو واقعی " چڑیوں " کو " باز " بنا دیتا ہے " سوا لاکھ سے ایک " کو لڑا دیتا ہے ـــــــ اور جیسے ہی شاہی لشکر کا یہ جمِ غفیر آنند پور کے قریب آیا ویسے ہی لوگوں نے دیکھا کہ گورو گوبند سنگھ جی صرف ایک عظیم روحانی مہا پرش اور صدیوں تپ کرنے والے جہا یوگی نہیں ، صرف ایک عظیم سپاہی اور ایک عظیم کوی نہیں ، صرف ایک عظیم مدبر وسیاست دان نہیں ۔ بلکہ ایک فوجی کمانڈر بھی ہیں ۔ جن کا ثانی کبھی پیدا نہیں ہوا ۔ شاہی فوج کے نزدیک آتے ہی انہوں نے اپنے برق اندازوں کو حکم دیا ـــــــ " تیزی سے پوری طاقت سے اپنے گولے وہاں برساؤ جہاں بہت زیادہ بھیڑ ہے ۔ توپ چلانے والوں نے ایسا ہی کیا ۔ شاہی فوج ٹھٹک کے رہ گئی ۔ ایسے استقبال کی اسے امید نہیں تھی ۔ پہلے ہی وار میں متعدد لوگ مرے ۔ دل ہلا دینے والا ہاہا کار جاگ اُٹھا ۔

وزیر خاں نے تڑپ کے کہا ۔ " آگے بڑھو ۔ اِن توپوں پر قبضہ کر لو ۔ "

---

[1] . گورو جہاراج کا لکھا ہوا یہ شبد اُس " کرشن اوتار " میں ہے جو اُن کے گرنتھ " چوبیس اوتار " کا حصہ ہے

لیکن اُسے کیا معلوم کہ اُس کا مقابلہ کس سے ہے۔

گورو جی کو معلوم تھا کہ توپوں پر قبضہ کرنے کی کوشش ہوگی۔ انہوں نے اس کا انتظام کر رکھا تھا۔ جیسے ہی مغل لشکر آگے بڑھا۔ ایک طرف کھڑے ہوئے سکھ گھوڑ سوار تیزی سے اُس کے سامنے آئے۔ اس طرح اُس فوج پر جھپٹ پڑے جیسے چڑیوں کے جھنڈ پر باز جھپٹ پڑے ہوں۔ جیسے ہرنوں کے جھنڈ پر تھوڑے سے شیروں نے ہلہ بول دیا ہو۔ ان کی بندوقوں نے، تیروں نے اور تلواروں نے شاہی فوج میں وناش جگا دیا ——— ہر طرف "مارو۔ کاٹو" کی آوازیں جاگ اُٹھیں۔ لاشوں کے انبار لگ گئے۔

گورو جی کے دو(۲) بہادر جرنیل تھے اُدے سنگھ اور دیا سنگھ ——— دونوں کو اُنہوں نے حکم دیا ——— "اب وقت ہے۔ آگے بڑھ کر اس شاہی فوج کو تھوڑا مزہ چکھاؤ" ——— اور واقعی اُنہوں نے اس طرح "مزہ چکھایا" کہ شاہی فوج کے جرنیل ششدر رہ گئے۔ سرہند کے صوبیدار وزیر خاں نے لاہور کے صوبیدار زبردست خاں کو کہا ——— "زبردست۔ یہ لوگ۔ اس طرح لڑیں گے۔ یہ تو ہم نے سوچا نہیں تھا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان نہیں، جن یا بھوت ہیں۔ اس طرح کوئی انسان تو لڑ نہیں سکتا ——— کتنے ہی دوسرے لوگوں نے بھی سمجھا کہ یہ اس دُنیا کے نہیں۔ دُنیا سے اُوپر کے لوگ ہیں۔" کتنے ہی دور کھڑے لوگوں نے کہا ——— "یہ سب اُس گورو کا جادو ہے۔ خاموشی سے کھڑا وہ منتر پڑھے جاتا ہے اور ہمارے آدمی مرے جاتے ہیں" ——— لیکن گورو مہاراج کا جادو تو صرف نام کا جادو تھا۔ بھگوان پر بھروسہ کرنے اور ظلم سے "جوجھ" پڑنے کی جو شکتی انہوں نے لوگوں کو دی تھی وہ اب عملی طور پر سب کے سامنے تھی۔ تین گھنٹے آدمی سے آدمی، گھوڑے سے گھوڑا اور تلوار سے تلوار ٹکرائی تین گھنٹوں میں ہی اتنا خون بہا کہ شاہی فوج پسپا ہونے پر مجبور ہو گئی۔ سکھ فوج آنندپور کے ٹیلے پر تھی یا قلعے کے اندر۔ اُس پر آسانی سے حملہ نہیں ہو سکتا تھا۔ شاہی فوج سامنے میدان میں تھی۔ جہاں بچاؤ کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔

شاہی جرنیلوں نے فیصلہ کیا۔ اس وقت پیچھے ہٹنا چاہیئے۔ کل توپوں سے قلعے کو مسمار کیا جائے گا۔

گنتی کی گئی۔ معلوم ہوا کہ شاہی فوج کے ۹۰۰ سپاہی ہلاک ہو گئے ہیں۔ زخمیوں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔

یہ تھا کہ گورو جی اپنے قلعے میں بیٹھے بیٹھے بھی اُن کے دِلوں کے اندر جاگنے والے خیالات کو جان سکتے ہیں ـــــ اور اِس کا یہ بھی مطلب تھا کہ گورو مہاراج اتنی دُوری سے بھی انہیں اپنے تیروں کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اپنی عظیم انسانیت کی وجہ سے۔

ایک اور دن کی بات ہے۔ شاہی فوج کا کافی بڑا حصہ آنندپور کے بہت قریب آگیا۔ رات ہو گئی۔ وہیں اُس نے ڈیرے ڈال دیئے۔ زیادہ رات ہوئی تو سب سو گئے ـــــ یہ سب کچھ شیر سنگھ اور ناہر سنگھ آنندپور کی بلندی سے دیکھ رہے تھے۔ دونوں نے باہم مشورہ کیا۔ رات کے اندھیرے میں انہوں نے اپنی فوج کو جگایا۔ ہتھیار تقسیم کئے۔ آنندپور سے باہر نکل کر سوئی ہوئی شاہی فوج پر حملہ کر دیا۔ اندھیرے اور حملے کی وجہ سے شاہی فوج کے ہڑبڑائے ہوئے سپاہی جاگے تو تلواریں اُن کے سینوں پر تھیں کسی کو کچھ پتہ نہیں لگا کہ کیا ہو رہا ہے۔ سب نے اپنی اپنی تلواریں پکڑیں۔ مارکاٹ مچا دی۔ شاہی فوج کے زیادہ تر سپاہی ایک دوسرے کو کاٹ کے مر گئے۔ سکھ فوج ایک حملہ کر کے قلعے میں واپس چلی گئی۔ صبح ہوئی تو قلعے کے باہر لاشوں کے انبار لگے تھے۔ ہر طرف تباہی کا منظر موجود تھا۔

شاہی جرنیلوں کو اِس بات کا پتہ لگا تو وہ پریشان ہو اُٹھے۔

بار بار انہیں خیال آتا۔ گورو نے بھوت اور پریت بس میں کر رکھے ہیں۔ اُن کا کام ہے یہ ـــــ اِنسان کبھی اِس طرح لڑ نہیں سکتے۔"

ایک لمبی چوڑی کانفرنس ہوئی۔

فیصلہ ہُوا کہ آج نہیں۔ کل پوری طاقت سے قلعے پر حملہ کر دیا جائے۔ اُس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔

دُوسرے دِن ایسا ہی ہُوا۔ جوار بھاٹے کے وقت سمندر کی لہر جس طرح آگے بڑھتی ہے اسی طرح شاہی فوج آگے بڑھی ـــــ لیکن ......

گورو مہاراج کے پاس دو بڑی توپیں تھیں۔ ایک کا نام تھا "باگھن" (شیرنی)۔ اور دُوسری کا تھا "گھوش" ـــــ دونوں نے آگ برسانا شروع کیا تو شاہی فوج کے خیمے جل گئے گھوڑے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اِنسانوں کے پرخچے اُڑ گئے۔ ایسے معلوم ہُوا کہ موت کے سمندر میں جوار بھاٹا آگیا ہے! اور وہ سارے شاہی لشکر کو دبائے دیتا ہے۔ وزیر خاں اور زبردست خاں نے یہ حالت دیکھی تو چلّا کر کہا ـــــ "پیچھے ہٹو۔ سب لوگ پیچھے ہٹو۔"

اور شاہی فوج ایک بار پھر بھاگ کھڑی ہوئی۔

آنند پور والوں نے اُس روز فتح کا جشن منایا۔ لیکن یہ فتح سستی تو نہیں، بہت مہنگی تھی سکھ فوج کے کئی بہادر شہید ہو چکے تھے۔ کھانے پینے کا سامان دن بدن کم ہو رہا تھا۔ حالت یہ تھی کہ آنند پور کی دوکانوں پر آٹا دو روپے سیر فروخت ہونے لگا تھا۔ شاہی فوج نے اُس پہاڑی نالے کا رُخ بھی پلٹ دیا۔ جو آنند پور سے ہو کر بہتا تھا۔ نالہ سُوکھ گیا۔ پینے کا پانی ستلج سے لینا پڑا جو کافی فاصلے پر تھا ــــ گورو جی کی ماتا دیوی گوجری نے یہ حالت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر کے بولیں ـــــ "اس طرح کب تک چلے گا بیٹے۔ تمہارے سپاہیوں کو پاؤ بھر کی کھانے کو ملتی ہے۔ وہ بھی کم ہوتی جاتی ہے۔"

گورو جی نے دُور پرے شاہی فوج کو دیکھتے ہوئے کہا ـــــ "گھبراؤ نہیں ماں۔ تپ ہی انسان کا جیون ہے۔ تپ سے سورگ ملتا ہے۔ تپ سے راج ملتا ہے۔ میرا خالصہ تپ کرے گا تو اُس کے لئے عظمت کے دروازے کھُل جائیں گے۔"

۱۲

سرہند اور لاہور کے صوبے داروں نے سمجھا کہ گورو گوبند سنگھ لوگوں پر جادو کر دیتے ہیں۔ انہوں نے بھوت اور پریت بس میں کر رکھے ہیں۔ اس لئے اُن کے سپاہی اس طرح لڑتے ہیں جیسے زندگی یا موت کسی کی کوئی وقعت نہ ہو۔ لیکن اصلیت تو یہ نہیں تھی۔ شری گورو گوبند سنگھ جی بہت بڑے یوگی تھے۔ جس "سرب کال" کو انہوں نے پتا کہا جس "دیوی کالکا" کو اپنی ماتا کہا (دونوں کا مطلب ایشور اور ایشور کی شکتی ہے۔ یعنی دونوں ایشور کے نام ہیں) وہی جانتے ہیں کتنی صدیوں تک وُہ گھور کٹھور تپسیا میں محو رہے۔ یقیناً اس سے ایک عظیم روحانی شکتی اُن میں جاگ اُٹھی۔ اس شکتی کے بعد کسی "جادو ٹونے" کی انہیں ضرورت نہیں تھی۔ لیکن انہوں نے جب کہا کہ ——

چڑیوں سے مَیں باز تڑاؤں
سَوا لاکھ سے ایک لڑاؤں
تبھی گوبند سنگھ نام دھراؤں

تو محض شاعری کے لئے نہیں کہا۔ بلکہ ایک واضح پلان اُن کے سامنے تھا جس پر عمل کر کے وُہ اس خواب کو اصلیت بنانا چاہتے تھے۔ یہ پلان اور اس پلان کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ان تھک کوشش ہی اُن کا اصل "جادو" تھا —— اس پلان سے انہوں نے لوگوں کا رہن سہن بدل دیا۔ لباس بدل دیا۔ صورت بدل دی۔ کھان پان بدل دیا۔ پرانی بوسیدہ بنیادوں کو ہٹا کر ان کے سماج کو نئی بنیادوں پر کھڑا کر دیا۔ اُس پراچین آریہ دھرم کو جسے بھول کر لوگ دکھاوٹ، بناوٹ اور توہمات کو دھرم سمجھنے لگے تھے) انہوں نے پھر سے زندہ کیا۔ لوگوں میں آتم وشواس جگایا۔ عام طور پر وُہ "داس" تھے دگنیش داس۔ دھرم داس

کرشن داس، شیو داس، چنڈی داس وغیرہ) ۔ اُنہوں نے سب کو "سنگھ" کہنا شروع کر دیا۔ ہر سکھ کے لئے کرپان رکھنا۔ کرپان اور دوسرے ہتھیاروں کو استعمال کرنے کی تربیت حاصل کرنا لازمی بنا دیا ——— یہ سب کچھ اُن کے "جادو" کا ایک حصّہ تھا۔ اِسی کا دُوسرا حصّہ تھا اُن کی وہ کویتا جس کی ہندی یا پنجابی ساہتیہ میں مثال نہیں ملتی۔ ظاہر ہے کہ وہ بہت اُونچی قسم کے شاعر تھے محض مہاکوی نہیں، یگ کوی تھے۔ لیکن وہ کویتا لکھتے تو اِس لئے نہیں کہ اپنا یا دُوسروں کا من بہلا دا کر لیں ۔ کچھ میٹھی، مدھُر، نہ سمجھ آنے والی جذباتی اور فلسفیانہ باتیں کہہ کے اپنا جیون گزار دیں ۔ وہ تلسی داس، سُور داس یا بہاری داس نہیں تھے ـــ ایک واضح مقصد ان کے سامنے تھا اُس کے لئے وہ کویتا کہتے تھے۔ اور وہ مقصد روپیہ کمانا، شہرت کمانا، کسی کی خوشنودی حاصل کرنا یا کسی کا دِل بہلانا نہیں بلکہ "تعمیرِ وطن" ۔ "تعمیرِ قوم" ۔ اور "تعمیرِ انسان" تھا ۔ اِس مقصد کو سامنے رکھ کر انہوں نے خود کویتا لکھی۔ دُوسرے گرنتھوں کا کویتا میں ترجمہ کیا اور اپنے باون شاعروں سے کئی برس تک ایسی کویتائیں لکھاتے رہے جو لوگوں میں جرأت و شجاعت کی آگ جگا دیں، آتم وشواس اور پربھو وشواس کی آہنی چٹانیں بنا دیں اور ظلم و ستم کے لئے ایسی تلواریں بنا دیں جو کبھی کُند نہ ہوں ۔ اِن باون کویوں کے نام یہ تھے

۱۔ اُدے رائے ۔ ۲۔ رتی رائے ۔ ۳۔ امرت رائے ۔ ۴۔ اَلّو ۔ ۵۔ آسا سنگھ

۶۔ بالم ۔ ۷۔ ایشور داس ۔ ۸۔ سُکھ دیو ۔ ۹۔ سُکھا سنگھ ۔ ۱۰۔ سُکھیا ۔ ۱۱۔ سُداما

۱۲۔ سینا پت ۔ ۱۳۔ سیام ۔ ۱۴۔ ہیر ۔ ۱۵۔ حسین علی ۔ ۱۶۔ ہنس رائے ۔ ۱۷۔ کلّو

۱۸۔ کُبرلش ۔ ۱۹۔ خان چند ۔ ۲۰۔ گنیا ۔ ۲۱۔ گوردا س ۔ ۲۲۔ گوپال ۔ ۲۳۔ چندن

۲۴۔ چندا ۔ ۲۵۔ جمال ۔ ۲۶۔ دُھنن ۔ ۲۷۔ دھرم سنگھ ۔ ۲۸۔ دھنا سنگھ ۔ ۲۹۔

دھیان سنگھ ۔ ۳۰۔ نانُو ۔ ۳۱۔ نہچل داس ۔ ۳۲۔ نہال چند ۔ ۳۳۔ نند سنگھ

۳۴۔ نند لال ۔ ۳۵۔ نپڈی داس ۔ ۳۶۔ دلبھ ۔ ۳۷۔ بُٹو ۔ ۳۸۔ بُدھی چند

۳۹۔ بلند ۔ ۴۰۔ برکھ ۔ ۴۱۔ برج لال ۔ ۴۲۔ متھرا ۔ ۴۳۔ مدن سنگھ ۔ ۴۴۔

مدن گر ۔ ۴۵۔ مُلّو ۔ ۴۶۔ مان داس ۔ ۴۷۔ مَلّا سنگھ ۔ ۴۸۔ منگل ۔ ۴۹۔ رام

۵۰۔ راول ۔ ۵۱۔ روشن سنگھ ۔ ۵۲۔ مکھن ۔

اِن سب لوگوں نے جلتی ہوئی، اُبلتی ہوئی، کھولتی ہوئی جو کویتا لکھی اُس کا بہت بڑا حصّہ اب ملتا نہیں۔ گورو مہاراج نے یہ ساری کویتا ایک ضخیم کتاب میں لکھوائی۔ جس کا

نام اُنہوں نے "ودیا دھر" رکھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ضخیم کتاب اُس وقت ستلج میں ڈوب گئی تھی جب گورو مہاراج آنندپور کو چھوڑ کر جاتے وقت اِس دریا کو پار کر رہے تھے لیکن اِس جگہ اِن ۵۲ کویوں کی کویتا کا ذکر نہیں بلکہ خود گورو مہاراج کی اُس کویتا کا ذکر کرنا چاہتا ہُوں جس سے زیادہ جیون دینے والی کویتا شاید آج تک لکھی نہیں گئی۔

گورو مہاراج اپنی یہ کویتا عام طور پر صُبح کے وقت سُورج نکلنے کے بعد لکھتے تھے۔ "آسا دی وار" کے بعد وُہ اپنی جائے رہائش سے دُور چلے جاتے تین میل، چار میل، کبھی اِس سے بھی زیادہ دُور۔ اور تب کسی تنہا دلکش جگہ پر بیٹھ کر اِس طرح یہ کویتا لکھوانا شروع کر دیتے جیسے ایک دریا رواں ہو گیا ہو۔ رکنا بھول گیا ہو۔

لیکن یہاں میں اُن کی پُوری کویتا نہیں، صِرف اُس کویتا کی بات کہنا چاہتا ہوں جس کا تعلق "ویر رس" سے ہے اور جو اِس لئے لکھی گئی کہ لوگوں کے دِلوں میں حُبِ وطن، حُبِ قوم، بے خوفی، جرأت، شجاعت اور جذبۂ قربانی کی آگ روشن کر دے۔

اُنہوں نے اگر کہا ——

"دیہہ۔ شِوا۔ بر۔ موہی۔ اِہے
شُبھ۔ کرمن۔ تے کِب ہُوں۔ نہ۔ ٹروں
نہ ڈرُوں۔ اری سوں جب جائے لڑوں
نشچے کر اپنی۔ جیت۔ کروں
اَور سِکھ۔ ہوں۔ اپنے ہی۔ مَن کو
ایہہ۔ لالچ۔ گُن۔ تو۔ اُچروں
جب۔ آو کی اودھ۔ نِدان بنے
ات ہی۔ رَن میں تب جُوجھ مروں" ۔ عا۔ عا۔ ع۳

عا گورو مہاراج نے یہ ناقابلِ فراموش "سویّا" چنڈی چرتر (نمبر۱) کے آخر

تو محض کہنے کے لئے نہیں کہا کسی سے "واہ وا" سُننے کے لئے نہیں کہا۔ بلکہ اِس لئے کہا کہ وُہ لوگوں میں واقعی وہ آگ بھر دینا چاہتے تھے۔

رام اوتار، کرشن اوتار، چنڈی چرتر اور کتنے ہی دوسرے گرنتھ انہوں نے لکھے۔ اِس لئے نہیں کہ وُہ لوگوں کو کہانیاں سُنانا چاہتے تھے بلکہ اِس لئے کہ وہ لوگوں کو اُن کے بزرگوں کی ہمّت وشجاعت کی یاد دلانا چاہتے تھے۔ اور اُن کے دِلوں سے خوف وہراس کو ختم کرکے "دھرم یُدھ" کے لئے ایک اَمِٹ جوش پیدا کر دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ "کرشن اوتار" کے آخر میں واضح طور پر اُنہوں نے کہا

دشم کتھا بھاگوت کی۔ بھاکھا کری۔ بنائی
اَور باسنا۔ نہیں۔ پربھو۔ دھرم جدھ کو چائی"

بھاگوت پُوران کے دسویں سکندھ کی کتھا کو مَیں نے لوگوں کی بھاشا میں لکھ دیا۔ لیکن اِس کے سِوائے میری کوئی خواہش نہیں پربھُو کہ لوگوں کے اندر دھرم یُدھ کا چاؤ پیدا ہو جائے۔

میں لکھا۔ اِس کے معنی مَیں پہلے عرض کر چکا ہوں۔

۲؎ یہی بات شری گورو مہاراج نے کرشن اوتار" میں بھی دو جگہ کہی ہے۔ ایک شبد نمبر ۱۹۰۱ میں۔ دوسرے شبد نمبر ۲۴۸۹ میں۔ پہلے شبد میں وُہ کہتے ہیں۔

"جو۔ کچھو۔ اِچھ۔ کرو۔ دھن کی۔
تو۔ چلیو۔ دھن۔ دیسن۔ دیس تے۔ آوے
و۔ سب۔ رِدھن۔ سِدھن۔ پہ
ہمرو۔ نہیں۔ نکیو۔ ہیا۔ للچاوے
اَور۔ سُنو۔ کچھوُ۔ جوگ دِکھے۔ کہی
کون۔ اِتو۔ تپ کے۔ تنوُ۔ تارے

اِس مقصد کو لے کر وُہ کو تیا لِکھ رہے تھے۔ اور کیسی کو تیا تھی وُہ؟ آج تین سو برس گزر جانے کے بعد بھی کوئی اُسے پڑھے تو بازو پھڑکنے لگتے ہیں۔ خون میں نئی حرارت آ جاتی ہے۔ رُوح میں نئی زندگی ——————

مہا کوی تلسی داس کے متعلق ایک روایت ہے کہ ایک بار وُہ برندابن گئے۔ وہاں بھگوان کرشن کی مُورتی کو دیکھا۔ ہاتھ جوڑنے اور ماتھا جُھکانے کی بجائے اُنہوں نے کہا۔

کر مُرلی کٹی کاچھنی۔ بھلے بنے ہو ناتھ
تلسی مستک تب جُھکے جب دھنش بان ہو ہاتھ

ہاتھ میں بانسری۔ کمر میں کاچھنی۔ بہت خوبصورت لگتے ہو مہاراج۔ لیکن تلسی کا ماتھا تو اُس وقت جُھکے گا جب ہاتھ میں تیر کمان لے لو۔

لیکن گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے اپنے پربھو سے تیر کمان اُٹھانے کی پرارتھنا نہیں کی۔ پرارتھنا کئے بغیر وشواس کیا کہ ہر قسم کے ہتھیار اُن کے پاس ہیں۔ پُورے وشواس کے ساتھ انہوں نے کہا۔

بُوجھ۔ مرؤں۔ رَن میں۔ تجی بھجے
تُم۔ تے۔ پَربھو۔ سیام۔ رہے۔ بَرپائے"

مَیں دھن دولت کی خواہش کروں تو فائدہ کیا ہے۔
دھن دولت تو دیش دیش سے چلے آتے ہَیں
اور اگر تم "رِدھی سِدھی" کی بات کہتے ہو
تو میرے دِل میں اُن کیلئے کوئی لالچ نہیں۔
اور سُنو۔ یوگ اور تپ کی بات میں جانتا ہُوں۔
لیکن کون اِس وقت تن کو تپائے گا۔
تُم ایک ہی کرپا کرو پربھو کہ
تمہارا "شیام" خوف کو تیاگ کر۔

"نمو شستر پائے نمو استر پائے
نمو پرم گیاتا ۔ نمو لوک ماتا۔"

نمسکار ہے تجھے جس کے ہاتھ میں تلوار، خنجر،
بھالے اور کھنڈے وغیرہ ہیں ـــــ تیر کمان،
بندوق اور پستول وغیرہ ہیں ـــ تو ہی سب کو جاننے
والا ہے ۔ تو ہی سب کی ماں ہے ۔

یہ ہی نہیں، انہوں نے ایشور کے لئے کتنے ہی نئے نام ایجاد کر دیئے ۔ جن میں ہر نام کا تعلق جنگی ہتھیاروں سے ہے یا جنگ وجدل سے ۔ یہ ہیں کچھ نام ۔

"اسی پان" (تلوار دھاری) ۔ "اسی دھج" (شمشیر نشان)
"اسی دھاری" ۔ "اسی کیتو" ۔ "کھڈگ کیتو" ۔ "چھترم چھتری"
(کھشتریوں کا کھشتری) ۔ "شسترم پرناشی" ۔ "دھنر پانی"
(تیر کمان دھاری) ۔ وغیرہ

اس سے آگے بڑھ کر انہوں نے جنگی ہتھیاروں کو قابلِ احترام اور قابلِ عزت کہا ۔ ان

جنگ میں جوجھ کر مر جائے ۔

"شیام" گورو جی کا ایک تخلص ہے

دوسرے شبد میں ۔ انہوں نے کہا ـــــــ

"چھتری کو پوت ہوں ۔ بامن کو ناہیں
کے ۔ تپ ۔ آوت ۔ ہے ۔ جو ۔ کروں
ارد ۔ اور ۔ جنجار ۔ جتو ۔ گرہ کو ۔
تو ہے تیاگ ۔ کہا ۔ چت تا میں دھروں
اب ریجھ کے دیہو ۔ وہے ۔ ہم کو ۔
جوڑ ۔ ہم ۔ بنتی ۔ کر جور ۔ کروں
جب ۔ آو ۔ کی ۔ اودھ ۔ ندان بنے

سے پرارتھنا بھی کی۔

"نمسکار ہیری۔کھڈگ کو۔کرو سُو بہت چیت لائے
پُورن کرو گرنتھ ایہہ تُم ہوہی۔کو ہُو سہائے"

نمسکار ہے اِس چمکتی تلوار کو۔پُوری توجہ سے مَیں پرارتھنا کرتا ہُوں کہ — تم میری مدد کرو تاکہ یہ گرنتھ مکمّل ہو جائے —

یہ ان کی سوانح حیات "بچتر ناٹک" کا آغاز ہے۔اِس کے فوراً بعد اُنہوں نے تلوار کو مخاطب کر کے کہا۔

"کھگ کھنڈ۔وی ہنڈم کھل دل کھنڈم
اتی رن۔منڈم۔بر۔بنڈم
بھج دنڈ۔اکھنڈم۔تیج پر چنڈم
جیوتی امنڈم۔بھانو۔پر بھم

اِت ہی۔رن میں۔تب۔جُوجھ مروں"

میں کھشتری کا بیٹا ہوں مالک۔برہمن کا نہیں۔
مجُھے تپ کرنا نہیں آتا کہ تپ شروع کر دوں۔
اور یہ گھر کا جنجال۔نہیں مالک۔آپ کو،
چھوڑ کے اِس میں میرا دِل نہیں لگے گا۔
مجھ پر کرپا کرو مہاراج! — تو اُس
وردان کو دو جو مَیں ہاتھ جوڑ کے مانگتا ہُوں
ایسی کرپا کرو۔اکال پُرش! ۔کہ جب
آخری وقت آئے تب مَیں جنگ میں
جُوجھ کے مَر جاؤں۔ ————

سکھ سنتاں کرنم دُرمتی ۔ دَرمنم
کل وکھ ہرنم ۔ اسی یسر نم
جے جے جگ کارن بِرشٹ اُبا رن
مم پرتی پارن ۔ جے تیگم"

اس سے بھی آگے بڑھ کر انہوں نے کہا ـــــــ

سانگ ۔ سروہی ۔ سیف ۔ اَس
تیر ۔ تُپک تلوار
ستّانتک ۔ کو چانتی کر
کرسیئے رچھّ ۔ ہمار"
اسی ۔ کرپان ۔ کھنڈا ۔ کھڑگ
تُبک ۔ تبر ۔ ارُو ۔ تیر
سیف ۔ سروہی ۔ سے ہتھی
یہی ہمارے ۔ پیر"

اے میری برچھی ! ۔ میری چمکتی سروہی !
میری لمبی تلوار ۔ میری چھوٹی تلوار ۔ !
اے میرے تیر ۔ میری چھوٹی توپ ۔ میری دودھاری تلوار ۔ !
اے میرے دشمنوں کا خاتمہ کرنے والی ۔
اُن کے زرہ بکتر کا انت کرنے والی ۔
تم ہماری رکشا کرو ۔

میرا خنجر - میری کرپان -
میرا کھنڈا - میری تلوار -
میری چھوٹی توپ - میرا کلہاڑا - میرے تیر
میری لمبی تلوار - میری لچکتی سروہی - میری چمچاتی برچھی -
یہی ہمارے پیر ہیں - ہمارے لئے عزّت و احترام کے مرکز -
اپنی سوانح حیات "بچتر ناٹک" میں انہوں نے فرمایا

"نمسکار سیم - مور - تیرم تفنگم
نمو کھگ وگم - ابھے اَم - ابھنگم
گدا ییم - گرسٹم - نمو سے ہتھی اَم
جتے - تلی اَم - بیر بیہو - نہ بی اَم
نمو - تیر - توپم - جنے ستر وگھوپم
نمو دھوپ ہٹم - جنے دُسٹ دٹم
جتے سستر نامم - نمسکار تامم
جتے اسُر بھے اَم - نمسکار تے اَم"

نمسکار ہے میرے تیر کو - تفنگ کو -
بے داغ تلوار کو جو ڈرتی نہیں - ٹوٹتی نہیں -
نمسکار ہے گرُج کو - نیزے کو - جن کا کوئی مقابلہ نہیں -
اور نمسکار ہے تیر کو - توپ کو
جو دشمن کے لئے تباہی جگا دیتے ہیں -
تلوار کو اور سروہی کو جو گناہ کو پیس کے دُکھ دیتی ہے -
جتنے بھی ہاتھ میں پکڑنے والے ہتھیار ہیں

اُنہیں نمسکار ہے۔
جتنے بھی دُور پھینکنے والے ہتھیار ہیں۔
اُنہیں بھی نمسکار ہے۔

ایسی تھی وہ کویتا جو گورو مہاراج اپنے سِکھوں کو سُناتے تھے اور جس کے لیئے وُہ اتہاس، پُران اور کتنے ہی دُوسرے گرنتھوں کا سہارا لیتے تھے۔ رام اور راکشسوں کی جنگ کیسے ہوئی۔ رام اور راون کی جنگ کے وقت کیا ہوا؟ کرشن اور کنس کی جنگ۔ کرشن اور جراسندھ کا یُدھ۔ پرشورام کا کھشتریوں کے خِلاف جہاد۔ چنڈی کی شمبھ نشمبھ چنڈ۔ چمنڈ اور دُوسرے راکششوں کے خلاف جدوجہد ـــــ خود اُن کے اپنے سپاہیوں کا "ترکوں" اور "پٹھانوں" سے ٹکراؤ۔ ہر ایسی بات کو وُہ کویتا کے رُوپ میں پیش کرتے تھے تاکہ لوہار، ترکھان، مستری، مزدور، دوکاندار، تاجر، سادھو، سنت، مہاتما ـــــ سَب کو معلوم ہو کہ جنگ کیسے ہوتی ہے۔ سب کو معلوم ہو کہ جنگ میں جو موت آتی ہے اُس سے بہتر کوئی موت نہیں۔ خوف بے معنی ہے۔ بزدلی پاپ ہے۔ جیون کا موہ پاپ ہے۔ ظلم کے خلاف لڑنا ہی دھرم ہے۔ لڑکر جیتنا ہی دھرم ہے۔ جیت نہ سکے تو لڑتے ہوئے مرجانا۔ دیش اور دھرم کے لیئے اپنی جان دے دینا ہی دُنیا کا سب سے بڑا اپنیہ ہے۔ اِس سے بڑا اور کوئی ثواب نہیں۔ اس سے بڑی اور کوئی نیکی نہیں۔

اِس کویتا کو پُراثر بنانے کے لیئے کتنے ہی طریقے، کتنے ہی چھند اور النکار وُہ اپناتے تھے۔ اُن سے پہلے پنجابی بھاشا میں "وار" (رزمیہ نظم) کا بہت رواج تھا۔ پنجابی کویتا میں رومانی افسانے لکھے جاتے تھے۔ یا پربھو بھگتی کے روحانی اور صوفیانہ شبد۔ گورو جی نے "چنڈی دی وار" لکھ کر "ویررس" کی کویتا کو ایک نئے دھارے پر چلا دیا۔ اسی "وار" کا ایک حِصّہ ملاحظہ فرمائیے۔

جنگ مُصافہ وَجّیا۔ رَن دُھرے نگارے چاولے
جھولن نیزے۔ بیرکاں۔ نیسان لسنی ـــ لسادلے
ڈھول نگارے پَون دے۔ اونگھن جان جٹادلے

دُرگا۔ دانو۔ ڈہے رن ناد۔ وجّن کھیت بھیا وڈلے
بیر۔ پروتے۔ برچھی ایں۔ جن۔ ڈال۔ جھُٹّے آولے
اِک وڈھے تیگی تڑپھی ان۔ مدپیتے۔ لوٹن باولے

جنگ کا دمامہ بج اُٹھا۔ سپاہیوں نے بہت چاؤ سے نقارے بجانے شروع کر دیئے۔ چھاؤنیوں میں نیزے جھول اُٹھے۔ جھنڈے اوپر اُٹھنے اور چمکنے لگے۔ ہوا اِس طرح چل اُٹھی جیسے ڈھول گرجتے ہوں۔ داڑھیوں اور جٹاؤں والے سپاہی خواب سے جاگ اُٹھے۔ ایک طرف درگا۔ دوسری طرف راکشس۔ دونوں میدانِ جنگ میں کود پڑے۔ خوفناک آوازوں سے کان پھٹنے لگے۔ بہادر مرنے لگے۔ کئی آدمی برچھیوں پر اِس طرح پروئے گئے جیسے درخت کی شاخ پر آنولے لگے ہوں۔ کچھ اور لوگ تلواروں سے کٹے ہوئے اِس طرح تڑپ رہے ہیں جیسے شراب پی کر بدمست ہو گئے ہوں ——————

مجھے افسوس ہے کہ اِس خوبصورت "وار" کے زیادہ نمونے پیش نہیں کر سکا لیکن گورو مہاراج نے صرف اِس "وار" کے اِس رزمیہ طرزِ بیان کو نہیں اپنایا بلکہ کویتا کے ذریعہ جنگ کی فضا پیدا کرنے کے لئے ہندی اور برج بھاشا میں ایسے نئے چھند بھی رائج کر دیئے جو پہلے موجود نہیں تھے۔ اِن میں سے ایک چھند کو وہ "سر کھنڈی" کہتے ہیں۔ اس کے یہ دو نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

جُٹّے۔ ویر۔ جُوجھارے۔ دھگّاں وجیاں
وجّے۔ ناد کرارے۔ دلاں مُساہدا۔
لُجھّے۔ کار نیارے۔ سنگھر سُورمے
بُھٹّے۔ جان ڈرارے۔ گھنی ار کیبری

لڑا کے بہادر باہم بھڑ گئے ۔جنگ کے دمامے بج اُٹھے ۔
اتنا اُونچا شور ہوا کہ مخالف چلّا اُٹھے ۔جنگ کے شوقین
بہادر محوِ پیکار ہو گئے ۔ ایسے لگا جیسے پھَن اُٹھا کر سانپوں
کی بھیڑ بڑھی جاتی ہو ۔ ——————

اُوپر کا " سرکھنڈی چھند " رام اوتار میں ہے ۔ اِسی طرح " نِشکلنکی اوتار " میں بھی وُہ کہتے ہیں ——

وِجّے ناد سُورنگی ۔ دھگاں گھُوریاں
نچّے جان فرنگی ۔ وجّے گھنگرُو
گداتر سُول نکھنگی ۔ جھُولن بیر کھاں
ساون جان اُمنگی ۔ گھٹا ڈراوُنی

لیکن یہیں تک نہیں ،جنگ کی فضا اور " ویر رس " کی بھاوَنا پیدا کرنے کیلئے وُہ ضرورت پڑنے پر زبان بدل دیتے تھے ۔الفاظ بدل دیتے تھے ۔صحیح معنوں میں بھاشا اُن کی غلام تھی ۔الفاظ اُن کے غلام تھے ۔بھاشا کی بانگی دیکھیئے ۔

ہری جگ ناتھ ۔کمان لے ہاتھ
پرماتھن سنگ ۔ ہرجیو جب جُدھمّ
گاہت سین ۔ سِنگھارت سُور
بکبتی سِنگھ ۔بھرمیو ۔رن ۔ کرُدھمّ
کوح ہی بھید ۔ ابھید ت انگ
مُرنگ اُتنگ ییوسو بھت سدھمّ

مانوبسال ۔ بڑوانل جوال

سمندر کے مدّھی ۔ براجت اُدّھم

مختصر مطلب یہ ہے ــــ "جگ ناتھ ہاتھ میں کمان لے
کر مخالفوں سے جنگ کرنے لگے ۔ فوج کو گاہتے ہوئے
بہادروں کو مارتے ہوئے، غصّے میں بھرے ہوئے شیر کی
طرح دھاڑتے ہوئے وُہ میدانِ جنگ میں گھومنے لگے۔
کسی کے ہتھیار نے اُن کا زرہ بکتر پھاڑ دیا۔ اُس کے اندر
اُن کا سُرخ جسم چمک اُٹھا۔ نیلا زرہ بکتر ۔ سُرخ جسم۔
ایسے معلوم ہُوا کہ سمندر میں آگ جاگ اُٹھی ہے ــــ"

لیکن مطلب سے زیادہ اہم ہے اِس کویتا کی بھاشا۔ "جدّھم"۔ "سدّھم"۔ "کردھم"۔
"اُدھم" ــــ سنسکرت میں استعمال ہو سکتے ہیں۔ ہندی یا برج بھاشا میں نہیں۔ لیکن
گورو مہاراج کو جس فضا کی ضرورت تھی اُس کیلئے یہ الفاظ ضروری تھے۔ اِس لئے وُہ عملی طور پر
ایک نئی بھاشا پیدا کرتے چلے گئے۔

یہی بات وُہ الفاظ کے معاملہ میں بھی کرتے ہیں۔ اُنہیں نیا رُوپ دیتے ہیں۔ نئی
صُورت۔ کئی جگہ اُن کے معنی رہتے نہیں ــــ اُن کی آواز نئے معنی پیدا کرتی ہے اُس
فضا کو جگاتی ہے جسے گورو مہاراج جگانا چاہتے ہیں۔

کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

پری کُٹ کٹّم ــــ رُلے تچھ مُچھّم
کہوں مُنڈ تُنڈم ــــ کہوں مانو مُچھّم

ٹکا ٹک تویم ۔ ڈھکا ڈھک ڈھالم
تچھا مُچھ تیگم ــــ بکے بکّرالم

اور اب یہ دیکھئے۔ اگر کوئی اچھا پڑھنے والا ہو تو آپ کو ایسے لگے گا کہ واقعی جنگ ہو رہی ہے تلوار سے تلوار، بھالے سے بھالا ٹکراتا ہے۔ گُرج کو گُرج توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ توپیں توپوں کو تباہ کئے دیتی ہیں اور رن بانکرے سورما لڑے جاتے ہیں۔ جیون کا موہ چھوڑ کر رن چنڈی کا "آواہن" کر رہے ہیں۔

کاگڑونگ۔ کاتی کٹاری۔ کڑاکم
تاگڑونگ تیرم۔ تپُکم۔ تڑاکم
جھاگڑونگ۔ ناگڑونگ۔ باگڑونگ باجے
گاگڑونگ گاجی دہتا گنج۔ گلجے
ساگڑونگ سُورم۔ کاگڑونگ کویم
پاگڑونگ پرمم۔ رنم۔ پاو۔ اویم

اور یہ بھی دیکھیے

تت تت تیرم۔ بب بب بیرم
ڈھڈ ڈھڈ ڈھالم۔ جج جج۔ جوالم
تت تت تاجی۔ گگ گگ گاجی
مم مم مارے۔ تت تت تارے

ان کویتاؤں کے معنی لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ان میں زیادہ اہمیت الفاظ کی اور آواز کی ہے معنی کی نہیں۔ صرف ایک نمونہ اور ملاحظہ فرمایئے جہاں گورو مہاراج نے اُس چھند کو استعمال کیا ہے جسے وہ عجبا (عجیب) چھند کہتے ہیں۔

جُبتے بیرم۔ چھٹے تیرم۔ ڈھکی ڈھالم۔ کرڑھے کالم

ڈھکے ڈھولم ۔ بنکے بولم ۔ کچھے شترم ۔ اچھے استرم

کر دھم گلیتم ۔ بودھم ولیتم ۔ گجے بیرم ۔ تجے تیرم

رتے نینم ۔ متے بنیم ۔۔۔ بجے سورم ۔ سجے سورم

لگے تیرم ۔ بھگے بیرم ۔ نادسم رجھے ۔ استرم جھجے ۔"

یہ "رام اوتار" میں رام اور راون کی جنگ کے حال کا ایک چھوٹا سا حصّہ ہے تخیّل کی آنکھوں سے میں اُس زمانہ کے آنندپور کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ خود گورو مہاراج اپنی امرت بھری لیکن گرجتی آواز میں اِس جنگ کا اور اِس قسم کی کئی جنگوں کا حال سُنا رہے ہیں ۔ ہر روز ایسی کہانیاں وُہ سُناتے ہیں اِس جیتی، جاگتی، جگاتی جلتی ہوئی کویتا میں ۔ جو ظلم کیلئے گرجتا ہوا چیلنج ہے مظلوم کیلئے مضبوط سہارا ۔

حیرت کے ساتھ میں سوچتا ہوں کہ اُس وقت کیا حالت ہوتی ہو گی سُننے والوں کی ؟ کس طرح اُن کے بازو پھڑک اُٹھتے ہوں گے ؟ اُن کا خون اُبل اُٹھتا ہو گا :۔۔۔۔ مُبارک تھے یہ سُننے والے ۔ مُبارک تھا وُہ سُنانے والا ۔۔۔۔ ایسی کویتاؤں کے بعد بھی وُہ لوگ کسی پر حملہ کرنے میں پہل نہیں کرتے تھے ۔ لیکن اگر ظلم کے بادل اُمڈ آئیں ۔ جبر و تشدد کی بجلیاں چمک اُٹھیں، اور ناانصافی کی گھٹائیں گرج اُٹھیں ۔ تب "واہگورو ۔۔ واہگورو ۔۔ واہگورو" کہنے والے یہ سیدھے سادے لوگ زخمی شیروں کی طرح گرج اُٹھتے تھے ۔ تب وُہ اِس طرح لڑتے تھے کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے تھے ۔۔۔۔ اور گورو مہاراج کی پوتر بانی گا اُٹھتی تھی ۔

"جُدھ بھیو ۔ اِہ ۔ بھانتِ اپارا

تُرکن کو ۔ ماریو ۔ ہمبر دارا"

اِس طرح بے حد لڑائی ہوئی اور سرداروں نے ترکوں کو مار مار کے اُن کا کچومر نکال دیا ۔

۱۳

گورو مہاراج کی عظیم تعلیم کے کارن، اُن کے دُور اندیشانہ تدبر کی وجہ سے، اُن کی ہمیشہ کویتا کے سبب اور سب سے زیادہ اُن کی مہان روحانی طاقت کی بنا پر ——— آنندپور کی بہادر فوج کئی مہینے لڑتی رہی۔ شاہی فوج کو اتنا نقصان اُنہوں نے پہنچایا کہ اِس فوج کے جرنیل چیخ اُٹھے ——— لیکن یہ مقابلہ آخر کیا تھا؟ ——— ایک طرف (آنندپور کے اندر) مشکل سے پانچ یا چھ ہزار سکھ ——— دُوسری طرف (آنندپور کے باہر اُس کا محاصرہ کیے ہوئے) قریباً اڑھائی لاکھ سپاہی ——— اور پھر باہر بیٹھے لوگ اپنے عظیم نقصان کے باوجود اِس پوزیشن میں تھے کہ دہلی، سرہند، لاہور اور دوسرے علاقوں سے ملنے والی امداد سے اپنے نقصان کو پُورا کر سکیں۔ سپاہی مرتے تو نئے آجاتے ہتھیار تباہ ہوتے تو نئے آجاتے۔ کھانے پینے کا سامان ختم ہوتا تو اور آجاتا ——— دوسری طرف قلعے کے اندر باہر سے کوئی آدمی نہیں جا سکتا۔ نہ ہتھیار، نہ کھانے کی چیز۔ آنندپور میں آنے والے پہاڑی نالے کا رُخ بھی شاہی فوج نے بدل دیا تو پانی کی قلت بھی جاگ اُٹھی۔ گورو مہاراج کی فوج کا جو بہادر سپاہی شہید ہوا، اُس کی جگہ لینے والا باہر سے کوئی آیا نہیں ——— دھیرے دھیرے یہ حالت ہوگئی کہ آنندپور میں ہر طرف ویرانی نظر آنے لگی۔ گورو مہاراج کے بہادر سپاہیوں کا بہت بڑا حصہ ختم ہو چکا تھا۔ اور آنندپور کے غیر فوجی لوگ کھانے پینے کی قلت کے کارن بھاگے جا رہے تھے۔ دوکانیں بند تھیں۔ گلیاں سنسان۔

گورو مہاراج کا وُہ ہاتھی جو آسام کے راجہ رتن رائے نے اُنہیں دیا اور جسے وُہ "پرشادی" کہتے تھے۔ بھُوک کی وجہ سے مر گیا تھا۔ اُن کی وُہ نیلی گھوڑی مر گئی جسے گوروجی کے بھگت آج بھی یاد کرتے ہیں۔

کئی دُوسرے جانور ختم ہو گئے۔

سِکھ سپاہیوں کے لئے اس کے سوائے کوئی راستہ نہیں تھا کہ اپنی بھوک مٹانے کے لئے شاہی فوج کا کھانا لُوٹ لائیں۔ جب بھی اُنہیں موقع ملتا وُہ ایسا ہی کرتے لیکن یہ کوئی مستقل طریقہ تو تھا نہیں۔ شاہی فوج نے اپنے کھانے پینے کا سامان مزید پیچھے کر دیا۔ ایک دن سِکھوں کا ایک جتھہ بھُوک سے بیاکل ہو کر آنندپور سے باہر آیا۔ شاہی فوج میں اُس طرف آگے بڑھا جدھر اناج اور دوسری چیزیں پڑی تھیں۔ کافی سامان اُنہوں نے لُوٹ لیا۔ کِسی نے نہیں روکا نہیں۔ لیکن جب وُہ آنندپور میں داخل ہونے کے لئے آنندپور کی پہاڑی کے پاس آئے تو اُنہوں نے دیکھا کہ بادشاہ کے کئی ہزار سپاہیوں نے اُن کا رستہ روک لیا۔ یہ مُٹھی بھر بہادر آخری سانس تک لڑتے رہے ——— اور سب کے سب وہیں شہید ہو گئے۔

یہ تھی آنندپور کی حالت۔

اور یہ حالت شاہی فوج کے سرداروں و رہبروں سے پوشیدہ نہیں تھی۔ وزیر خاں اور زبردست خاں کے کہنے پر راجہ اجمیر چند نے ایک بار پھر گورو مہاراج کو دھوکا دینے کی کوشش کی۔ اجمیر چند نے اپنا "راج پروہت" گورو مہاراج کے پاس بھیجا کہ ——— "اب اس جنگ میں تمہارے جیتنے کی اُمید نہیں۔ جان بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آنندپور سے چلے جاؤ۔ شاہی فوج کِسی کو کچھ کہے گی نہیں"۔ ——— یہ پروہت صاحب شری گورو جی مہاراج کو کئی بار ملے۔ گورو جی نے ان کی بات سُنی۔ سُن کر ٹال دی۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ دھوکا ہے۔

تب اِن پروہت صاحب نے ایک اور طریقہ اختیار کیا۔ سِکھوں کے بہت ہمدرد بن کر ایک دن اُنہوں نے راجہ اجمیر چند کا خط گورو مہاراج کے بھرے دربار میں پڑھنا شروع کر دیا۔ اس میں وہی آنندپور سے چلے جانے کی بات لکھی تھی۔ یہ بھی لکھا تھا ——— "یہ دھوکا نہیں، ایک ایماندارانہ پیش کش ہے۔ اسے قبول نہ کیا گیا تو آنندپور میں رہنے والے سبھی لوگ بھُوک سے مر جائیں گے۔"

گورو مہاراج نے اس بات کو سُنا۔ جواب دیا ——— "ہمیں آنندپور سے جانا منظور نہیں ———"

لیکن کُچھ سِکھوں نے ماتا گوجری کے پاس جا کر پرارتھنا کی ——— "آپ گورو جی کو

یہاں سے چلنے کے لئے کہیں۔ یہاں تو اب جینا بھی ممکن نہیں ہے۔ اور پھر جب وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ کہیں گے نہیں تو یہاں سے چلے جانے میں حرج کیا ہے؟"

ماتا جی کو یہ بات سمجھ آ گئی۔ انہوں نے بھی گورو جی سے کہا "آنند پور کو چھوڑ دینا چاہیئے۔"

گورو جی بولے ——— "آپ جانتی نہیں ماں جی۔ یہ لوگ ہمیں دھوکا دینا چاہتے ہیں قلعے سے باہر نکلتے ہی یہ ہم پر حملہ کر دیں گے۔"

اجمیر چند کے پروہت نے کہا ——— "نہیں، گورو جی۔ ایسا کوئی حملہ نہیں ہو گا۔"

گورو جی سوچتے ہوئے بولے ——— "اچھی بات ہے۔ شاہی جرنیلوں کو بولو کہ پہلے ہم اپنا کچھ سامان باہر بھیجیں گے۔ اس کیلئے ہمیں کچھ بیل اور گدھے بھیجیں۔ سامان چلا جائے تو بعد میں ہم بھی چلے جائیں گے۔"

یہ بیل اور گدھے آ گئے۔

گورو جی نے خفیہ طور پر حکم دیا ——— "ٹوٹے جوتے۔ پھٹے کپڑے۔ بوسیدہ برتن۔ ایسی ہر ردی چیز کو بوروں میں ڈال کر انہیں گدھوں اور بیلوں پر لاد دو۔ اوپر ریشمی چادریں ڈال دو۔ اور انہیں قلعے سے باہر لے جاؤ۔"

ایسا ہی کیا گیا۔ یہ بیل اور گدھے باہر جا رہے تھے تو گورو جی نے سب سے کہا "اب دیکھتے رہو کیا ہوتا ہے۔"

اور لوگوں نے دیکھا کہ جیسے ہی یہ سامان آنند پور کی پہاڑی کے نیچے پہنچا ویسے ہی مغل فوج نے اسے لوٹنا شروع کر دیا۔ لوٹنے کے بعد اسے جو خفت ہوئی وہ دیکھنے کے قابل تھی لیکن گورو جی نے کہا ——— "اگر ہم اصل سامان بھیجتے تو اس کی بھی یہی حالت ہوتی۔ یہ لوگ بے ایمان ہیں۔ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ وعدوں کا کوئی اعتبار نہیں۔"

لیکن اس کے کچھ ہی روز بعد بادشاہ اورنگ زیب کا ایک خط آ پہنچا۔ اس میں بھی لکھا تھا ——— "میں قرآن کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ اگر میں ایسا کروں تو خدا کے دربار میں مجھے جگہ نہ ملے۔ جنگ کو بند کر کے میرے پاس آؤ۔ اگر آپ میرے پاس آنا نہیں چاہتے تو آنند پور کو چھوڑ کر کہیں بھی چلے جاؤ۔"

خط لانے والے شاہی پیامبر نے بھی کہا ——— "شہنشاہ اورنگ زیب کے پاس جانے والا ہر آدمی آپ کی تعریف کرتا ہے گورو جی۔ اس لئے انہوں نے قسم کھائی ہے کہ آپ کو

نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ پہاڑی راجاؤں نے بھی قسم کھائی ہے۔ آپ کے بیل لُوٹے گئے تو کسی کے حکم سے نہیں۔ کچھ بے ایمان سپاہیوں کی وجہ سے۔ اُنہیں اچھی طرح سزا دے دی گئی ہے۔ اب اگر آپ قلعے سے باہر جائیں تو کوئی آپ پر ہاتھ بھی نہیں اُٹھائے گا۔

گورو جی سنجیدگی سے بولے ـــــــ "تم سب لوگ جھوٹے ہو۔ سامراج تمہارا مذہب۔ دولت تمہارا دین ـــــ بے ایمانی تمہارا ایمان ہے ـــــ دھوکا تمہارا دھرم ـــــ بادشاہ کو کہو۔ اگر وہ صلح چاہتا ہے تو اپنی فوج کو آنند پور سے ہٹا لے۔ دوسری کوئی بات مجھے منظور نہیں ـــــ"

ظاہر ہے کہ شاہی فوج کو یہ بات منظور نہیں تھی۔ اس لئے کچھ بھی ہوا نہیں۔
لیکن آنند پور میں ایک کشمکش جاگ اُٹھی۔ ایک طرف گورو جی تھے اور وہ لوگ جو اُن پر مکمّل یقین رکھتے تھے۔ دوسری طرف ماتا گوجری تھیں اور وہ بہت سے لوگ جو اِس محاصرے سے تنگ آ گئے تھے۔ اجمیر چند کے پروہت صاحب اور شاہی فوج کی طرف سے بھیجے گئے دو(۲) سیّد صاحبان بھی اپنا کام کر رہے تھے۔

آخر ایک دِن ماتا گوجری جی گورو مہاراج کے چھوٹے شہزادوں جوجھار سنگھ اور فتح سنگھ کو لے کر قلعے سے باہر چلی گئیں۔

ماتا جی کو جاتے دیکھ کر باقی سِکھوں کے حوصلے بھی پست ہو گئے۔
اُنہوں نے بھی کہا ـــــ "گورو مہاراج ہم جانا چاہتے ہیں۔"
گورو جی بولے ـــــ جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔ لیکن پہلے مجھے لکھ کر دے جاؤ کہ مَیں تمہارا گورو نہیں۔"

گھبرائے ہوئے لوگوں نے کاغذ قلم منگوائے "بے دعوے" لکھ کر دے دیا ـــــ
روائیت یہ ہے کہ ایسا کرنے والے صرف چالیس آدمی تھے۔ اُن کے چلے جانے سے گورو جی کی فوجی طاقت بہت کم ہو گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ "چالیس" کی یہ تعداد غلط ہے۔ جنگ شروع ہوئی تو گورو مہاراج کی فوج میں پانچ اور چھ ہزار کے درمیان سجن تھے۔ جنگ کا آغاز ۱۷۰۴ء کی گرمیوں میں ہوا۔ یہ "بے دعوے" دسمبر ۱۷۰۴ء میں لکھا گیا۔ تب ہو سکتا ہے کہ گورو مہاراج کی فوج کے آدھے سپاہی شہید

ہو گئے ہوں۔ تب بھی اڑھائی یا تین ہزار میں سے اگر چالیس کم ہو جائیں تو "فوجی طاقت بہت کم" نہیں ہو جاتی ـــــ معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے "بے دعوے" لکھا وہ چالیس سے بہت زیادہ تھے۔ اُن کے چلے جانے سے گورو مہاراج کی فوجی طاقت واقعی بہت کم ہو گئی ـــــ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ چالیس آدمی وُہ ہوں جنہوں نے گورو جی پر مکمل اعتماد کیا اور "بے دعوے" پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔

اور تب گورو مہاراج نے بھی ساتھیوں سے کہا ـــــ "ہم بھی چلے جائیں گے۔ یہاں رہنے کا اب فائدہ ہے نہیں۔"

اور کتنی ہی چیزوں کو اُنہوں نے آگ لگا دی۔ کتنی ہی چیزوں کو زمین میں دبا دیا۔ ضروری چیزوں اور ہتھیاروں کو اپنے ساتھیوں میں بانٹ دیا کہ انہیں ساتھ لے جائیں۔

اپنے بیشتر ساتھیوں سے انہوں نے کہا ـــــ "رات کے اندھیرے میں مکمل خاموشی کے ساتھ آنند پور سے باہر جانا ہوگا ـــــ تُم لوگ مشرق کی طرف بڑھتے جانا ـــــ جب تک پاؤں چلیں تب تک چلتے جانا۔ رُکنا نہیں۔ شاہی فوج حملہ کرنے کی کوشش کرے گی اِس سے بچ کے رہنا۔"

تب وُہ اپنے پُوجیہ پتا شری گورو تیغ بہادر جی کی سمادھی پر گئے۔ اُس جگہ جہاں اُن کا دہلی سے لائے گئے کٹے ہُوئے سیس کا آخری سنسکار ہُوا تھا۔ اُس پوتر ستھان کو گوربخش سنگھ اُداسی کی نگہبانی میں دے کر، سر جھکا کر وُہ چلے آئے۔

اور پھر ـــــ خاموش اندھیری رات میں ـــــ تاروں کی چھایا کے نیچے ـــــ وُہ اپنے تھوڑے سے ساتھیوں کے ہمراہ آنند پور سے باہر نکلے۔ دیا سنگھ اور اُدے سنگھ اُن کے آگے تھے۔ "پانچ مکتے" اُن کے بائیں طرف تھے۔ بھائی حکم سنگھ اور بھائی صاحب سنگھ جی اُن کے دائیں طرف۔ شہزادہ اجیت سنگھ اور شہزادہ زور آور سنگھ اُن کے پیچھے تھے اپنے تیر کمان لئے ـــــ اُن کے پیچھے بھائی ہمت سنگھ، گلاب رائے اور شام سنگھ تھے۔ بندوقیں اور بارُود لئے ـــــ

اِس طرح یہ قافلہ آگے بڑھا۔

یہ ۲۰ دسمبر ۱۷۰۴ء کی رات کا واقعہ ہے۔

اِس سے پہلے ماتا گوجری دیوی جی آنندپور سے گئیں تو جوجھار سنگھ اور فتح سنگھ کے علاوہ ماتا سُندری اور ماتا صاحب کور بھی اُن کے ساتھ تھیں۔

۱۴

گوروجی کی آنکھیں وقت کی دیواروں کے اُس پار دیکھتی تھیں۔ فاصلے اُن کیلئے بے معنی تھے۔ ماضی اور مستقبل سب برابر۔ سکھوں نے اُن کی بات مانی نہیں۔ ماتا گوجری جی نے نہیں مانی۔ سب اُنہیں چھوڑ کے چل پڑے۔ گوروجی کہتے رہے ـــــ "گھبراؤ نہیں۔ سکھ ایک بیماری ہے۔ دُکھ ہی اُس کا علاج ہے۔ بھوک اور پیاس کو برداشت کرنا تپ ہے۔ نیک کام کے لئے تپ کرنا سورگ کے دروازے کھول دیتا ہے ـــــ اور یہ سامراج وادی مغل ـــ اور اُن کے غلام یہ پہاڑی راجے سب دھوکے باز ہیں۔ آنندپور میں رہنے سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔ (آج نہیں تو کل یہاں مدد بھی پہنچے گی۔) ان مکار سامراج وادیوں پر اعتبار کر کے باہر جاؤ گے تو یقیناً یہ حملہ کریں گے ـــــ پھر کون بچے گا اور کون نہیں بچے گا۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا۔"

اس طرح سمجھانے کا جتن اُنہوں نے کیا۔ اُنہیں معلوم تھا کہ مالوہ کے سکھ آنندپور کی مدد کے لئے آرہے ہیں (آخر یہ لوگ آئے۔ اُس وقت جب گوروجہاراج آنندپور سے جا چکے تھے) اُنہیں معلوم تھا کہ اورنگ زیب کے سپاہی اور سردار قرآن کی قسم کھائیں یا گائے کی۔ یہ سب جھوٹی ہیں۔ آنندپور کی حفاظتی دیواروں سے باہر نکلتے ہی اُن پر حملہ ہوگا۔

یہ سب کچھ اُنہوں نے رُوحانیت کی آنکھوں سے دیکھا۔

اور اسی روحانیت کی طاقت سے یہ بھی سمجھا کہ کچھ باتیں ہوتی ہیں جنہیں ٹالا نہیں جا سکتا۔ اُنہوں نے خود ہی ایک بار کہا تھا۔

"جو کچھو لیکھ لکھیو بدھنا سوئی پائیو....."

نصیب میں جو لکھا ہوتا ہے، وہ بھوگنا پڑتا ہے ـــــ

اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی اُنہوں نے سر جھکا دیا۔ آنندپور سے وہ کیرت پور

پہنچے۔ وہاں سے "نرموہ" چلے گئے۔ نرموہ سے روپڑ کی طرف چل پڑے۔ اُس وقت شاہی فوج نے اِن لوگوں پر حملہ کیا جن کی تعداد انگلیوں پر گِنی جا سکتی تھی۔ اِن تھوڑے سے لوگوں پر بھی سامنے سے نہیں۔ پیچھے سے بزدلوں کی طرح حملہ کیا۔ گورو جی آگے جا چکے تھے۔ اجیت سنگھ جی ان کے پیچھے آ رہے تھے تبھی اجیت سنگھ جی پر یہ حملہ ہوا۔ اُدے سنگھ جی نے یہ پیچھے کا شور سُنا۔ تو گورو مہاراج کے سامنے سر جھکا کے کہا ـــــ "اجازت دیجئے۔ مَیں اپنے شہزادے کی مدد کروں"۔

گورو جی نے پیار بھری آنکھوں سے اُدے سنگھ کو دیکھا۔

دھیمے سے بولے ـــــ "ضرور جاؤ گے اُدے سنگھ ؟"

اُدے سنگھ نے کہا ـــــ "اجیت سنگھ جی گھر گئے ہیں مہاراج۔ اجازت دیجئے"۔

گورو جی اَب بھی دھیمے سے بولے ـــــ جانے والے کو کبھی کوئی روک نہیں سکا۔ جاؤ۔ بہت دُور شہنائیاں بجتی ہیں۔ دروازے کھُل رہے ہیں"۔

اُدے سنگھ جی اِس کا مطلب سمجھے بغیر اُن کے چرنوں میں جھکے تو گورو جی نے اُن کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دِل ہی دِل میں کہا "جب آو کی اودھ ندان بنے ......"

اور اُدے سنگھ کو ایسے لگا کہ اِس ہاتھ کی انگلیاں اُس کے مضبوط شانوں کو بیحد پیار سے دبائے دیتی ہیں۔ ایسے لگا جیسے کہ ایک بجلی اُن سے نکل کر اُس کے سارے جسم میں سرائیت کئے جاتی ہے۔

اور تیزی سے وہ گھوڑے پر بیٹھا۔ تیزی سے وہاں پہنچا جہاں اجیت سنگھ جی اور ان کے مٹھی بھر ساتھی ایک پوری فوج سے گھرے ہوئے لڑ رہے تھے۔ اُدے سنگھ نے گرج کے کہا ـــــ "جو بولے سو نہال"

اجیت سنگھ نے اُن کی طرف دیکھا تلوار چلاتے ہوئے جواب دیا ـــــ

"ست سری اکا.......ل"

اور اُدے سنگھ دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر شاہی فوج پر اِس طرح ٹوٹ پڑے جیسے بھوکا شیر ہرنوں کے جھنڈ پر ٹوٹ پڑا ہو۔ شاہی فوج کے سپاہیوں نے سمجھا کہ اِس طرح لڑنے والا آدمی ہی گورو ہے۔ اجیت سنگھ جی کو چھوڑ کر، پوری طاقت سے اُنہوں نے اُدے سنگھ پر حملہ کر دیا۔ ـــــ

اُدے سنگھ نے دیکھا کہ اجیت سنگھ جی گھیرے سے نکل گئے ہیں تو زور سے

ہنس اُٹھا۔ اپنے حملہ آوروں سے مخاطب ہو کے بولا ـــــ "ارے یہ کیا عورتوں کی طرح لڑتے ہو۔ پوری طرح حملہ کرو۔ دیکھو۔ مَیں تمہیں سکھاؤں۔"

اَور وہ تلواریں گھماتا ہؤا آگے بڑھا۔

تبھی اُس کا گھوڑا زخمی ہؤا۔

اُس سے کود کر وہ تلواریں گھماتا ہؤا خود گھومنے لگا۔

لیکن یہ جنگ تو نہیں تھی۔ خودکشی تھی۔

اُدے سنگھ کو معلوم تھا کہ اَب بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ وہ صِرف تب تک لڑنا چاہتا تھا جب تک اجیت سنگھ جی دُور چلے جائیں۔

جَب اُس نے دیکھا کہ اجیت سنگھ جی کافی پرے چلے گئے ہَیں تو ہنستے ہوئے کہا ـــــ اب آؤ دوستو ـــــ "دیکھو سورگ کے دَروازے کھُل رہے ہیں۔ شہنائیاں بج رہی ہیں۔"

اُس وقت اُس نے سمجھا کہ گورو مہاراج نے جو کچھ کہا۔ اُس کا مطلب کیا تھا۔

اَور تھوڑی دیر کے بعد وُہ سورگ کے دَروازے میں داخل ہو رہا تھا۔

گورو مہاراج کا ایک عظیم اور بہادر جرنیل اِس دُنیا سے اُٹھ گیا تھا۔

اُدے سنگھ جی اَور کچھ دُوسرے بہادروں کی قربانی نے گورو جی کو موقع دیا کہ وُہ روپڑ کی طرف بڑھ سکیں۔ روپڑ پہنچنے سے پہلے اُنہیں راستہ میں ماتا گوجری جی ملیں اپنے چھوٹے بچے لیے۔ دھرم پتنی بی۔ صاحب کور جی ملیں۔ سَب کو انہوں نے کہا ـــــ "آپ لوگ جلدی سے جلدی دہلی جاؤ۔ راستے میں بہت رُکو نہیں۔ رُکنے کا نتیجہ خراب بھی ہو سکتا ہے ـــــ"

یہ ہدایت اُنہوں نے روپڑ سے اِس طرف اُس جنگل میں دی جو "سرسا" ندی کے کنارے تھا۔ اِس سے پہلے جب رات کچھ باقی تھی، اسی جنگل میں اپنے مٹھی بھر سا تھیوں کو لے کر اُنہوں نے آسا دی وار کا کیرتن شروع کر دیا۔

دسمبر کا مہینہ ـــــ رات کا وقت ـــــ سرسا کی لہروں پر سنچتی ہوئی برفانی ہوا ـــــ جنگل میں ٹھٹھرتی ہوئی سردی ـــــ اِس کے باوجود۔ وُہ لوگ مالک کی یاد میں محو ہو گئے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ دشمن کی ایک عظیم فوج اُن کا پیچھا کر رہی ہے۔

صُبح کی پہلی لَو کے ساتھ لیرتن کا "بھوگ" پڑا تو شاہی فوج نے پھر حملہ کر دیا۔ گورو جی نے حُکم دیا ——— "سب لوگ جس طرف جا سکو۔ جاؤ۔"

اِس بھاگ دوڑ میں ماتا سُندری جی، ماتا صاحب کور جی اور اُن کی نوجوان بہوئیں جنگل میں ایک طرف کو بڑھیں۔ دو[۲] بہادر سکھ اُن کے ساتھ تھے۔ اُنہی کے ساتھ وُہ دہلی تک گئیں جہاں گورو بھگت سکھوں نے اُنہیں پناہ دی۔

لیکن اِسی بھاگ دوڑ میں ماتا گوجری جی اپنے چھوٹے پوتے۔ جوجھار سنگھ اور فتح سنگھ۔ کو لے کر جنگل میں ایک طرف کو چل پڑیں۔ کوئی اُن کے ساتھ نہیں تھا۔ دسمبر کی ٹھٹھرتی کاٹتی ہوا میں وُہ روپڑ کی طرف بڑھنے لگیں۔ یہاں بعد میں اُنہیں وُہ "گنگو" ملا جو کبھی آنند پور میں اُن کا باورچی تھا اور جسے اپنا پرانا سیوک سمجھ کر ماتا گوجری جی نے اُس پر بھروسہ کیا۔

اور اِسی برفانی سردی میں گورو مہاراج اپنے گھوڑے کو لے کر سرسا میں کود پڑے۔ اُن کے ساتھی بھی اُس سامان کو لے کر اُترے جو اُن کے ساتھ تھا۔ انمول کتابیں۔ وُہ عظیم "دویا دھر" جس میں ان کے باون شعراء کا کلام تھا کتنی ہی بیش قیمت چیزیں ——— اِس بھاگ دوڑ میں "سرسا" کے پانی میں بہہ گئیں۔ اِن سب کو ڈبا کر بھی گورو جی شاید "سرسا" کے پار نہ پہنچ پاتے۔ اگر شہزادہ اجیت سنگھ جی حملہ آور بادشاہی سپاہیوں کو روکنے کی کوشش نہ کرتے۔ تیر اور کمان لے کر وُہ ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ جس طرح سانپ اُڑنے لگے ہوں اِس طرح اُن کے سنسناتے تیر حملہ آوروں پر برسنے لگے۔ اُن کے دُوسرے ساتھیوں کی گولیاں بادشاہی سپاہیوں کے سروں پر گرجنے لگیں۔ بادشاہی فوج تھوڑی دیر کے لیئے رُکی۔ اجیت سنگھ جی نے جب دیکھا کہ اُن کے پُوجیہ پتا ندی کے پار چلے گئے ہیں تو اپنے ساتھیوں سے کہا۔ آؤ اب چلیں۔ اور اپنے گھوڑے کو انہوں نے سرسا کے پانی میں اُتار دیا۔

اِس طرح تھوڑی دیر کے لیئے پھر چین کا سانس ملا۔

گورو جی کو معلوم تھا کہ شاہی فوج کے سپاہی اِس وقت سرسا کو پار نہیں کریں گے۔ وُہ تنخواہ دار ملازم ——— اِس ٹھٹھرتی سردی میں اور اِس برفانی پانی میں۔ اپنے لیئے مصیبت کیوں جگائیں گے۔ لیکن اب نہ سہی۔ تھوڑی دیر کے بعد، جب سُورج اچھی طرح نکل آئے اور سردی کم ہو جائے، تب وُہ ندی کو پار کریں گے۔ اُن کا پیچھا بھی کریں گے۔

بہت لوگ اُن کے ساتھ نہیں تھے۔ وُہ رات کے وقت آنند پور سے چلے تو قریباً

چالیس آدمی تھے کے ساتھ تھے۔ سرسا کے اِس جنگل میں کچھ اور آدمی ملے جو ان سے پہلے چلے آئے تھے۔ حملے کا مقابلہ کرتے ہوئے کئی بہادر شہید ہو گئے۔ پھر بھی اپنے کچھ ساتھیوں کو انہوں نے روپڑ کے نزدیک چھوڑ دیا کہ اگر شاہی فوج ندی کو پار کر کے آگے بڑھے تو اسے روکنے کی کوشش کریں۔

یہ انتظام کر کے صرف چالیس آدمیوں کے ساتھ وُہ چمکور کی طرف چل دیئے۔

لیکن ابھی "بار د ماجرہ" میں ہی تھے جب پتہ لگا کہ شاہی فوج کے کچھ اور دستے تھوڑی ہی دُوری پر اُنہیں گرفتار کرنے کے انتظار میں کھڑے ہیں۔

گورو مہاراج تھوڑی دیر کے لیئے خاموش رہے۔

تب بولے ـــــ "ٹھیک ہے۔ ہم چمکور میں مقابلہ کریں گے۔"

لیکن چمکور کے قریب پہنچنے کے بعد چمکور میں داخل ہونے کی بجائے وُہ ایک باغ میں بیٹھ گئے۔ باغ میں ایک مکان بھی تھا۔ باغ کا مالک ایک زمیندار جو نزدیک ہی ایک اور مکان میں رہتا تھا۔ گورو جی نے کہا ـــــ "ہم تمہارے اِس مکان میں رہیں گے۔" وُہ مانا نہیں تو گورو جی نے اُسے گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔

یہ مکان اُس زمانے کے لیئے کافی بڑا تھا۔ گورو جی نے اِس پر قبضہ کیا۔ عملی طور پر اِس طرح اُس کی حفاظت کرنے لگے جیسے وُہ ایک قلعہ ہو۔

چمکور سے پرے شاہی فوج کے جو دستے تھے۔ وُہ گورو جی کو تلاش کرتے ہوتے چمکور میں آ گئے۔ سارا شہر اُنہوں نے چھان مارا۔ گورو جی ملے نہیں۔ یہ دستے آگے چلے گئے۔ گورو جی کے ساتھیوں نے سمجھا کہ مصیبت ٹل گئی لیکن تبھی شاہی فوج کا دُوسرا حصہ سرسا ندی کو پار کر کے وہاں پہنچا۔ اُس کے کچھ آدمیوں کو پتہ چل گیا کہ گورو جی زمیندار کے اِس مکان میں ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ مکان گھیر لیا گیا۔ شاہی فوج سے گھرا یہ مکان ایسے معلوم ہُوا جیسے سمندر میں ایک جزیرہ بے خوفی سے لہروں کو چیلنج کرتا ہو۔

اس وقت گورو جی نے اپنے سبھی ساتھیوں سے کہا ـــــ "دیکھیئے۔ میری بات مانی نہیں گئی۔ مَیں نے آنند پور میں کہا تھا کہ ـــ آنند پور کو چھوڑ کر باہر نہ جاؤ۔ کسی نے یہ بات سُنی مَیں نے کہا۔ ترکوں پر بھروسہ نہ کرو۔ اُن کی قسمیں بے معنی ہیں حلف مکّارانہ ـــــ کسی نے یہ بات سمجھی نہیں۔ اَب وُہ حلف ہوا ہو چکے۔ حملہ موجود ہے۔ ہم صرف چالیس آدمی ہیں۔ دوسری طرف لاکھوں آدمی۔ ہر قسم کے ہتھیار اُن کے پاس ہیں۔ تمہارے لیئے دبنگ کرنے کا ـ

نہیں ہوتا۔ صرف اپنی حفاظت کرنے کا جتن ہم کر سکتے ہیں۔ لڑتے لڑتے اس خوشی کے ساتھ اپنے پران دے سکتے ہیں کہ اس سے بہتر کوئی موت نہیں۔ ہم میں سے ہر کسی کو اس دُنیا سے آخر جانا ہے۔ آپ پہلے جائیں یا میں جاؤں۔ اب ہمارا ملاپ سورگ میں ہوگا۔ لیکن آج جو کچھ ہم کریں گے، اُسے لوگ سینکڑوں ہزاروں برسوں تک بھول نہیں پائیں گے۔"

اور تب انہوں نے اپنے "قلعے" کی حفاظت کا انتظام شروع کر دیا۔ مکان کی چار دیواریں تھیں۔ ہر دیوار کی حفاظت کے لئے دو دو آدمی لگا دیئے۔ کوٹھا سنگھ اور مدن سنگھ کو دروازے پر کھڑا کر دیا کہ اس کی رکشا کریں۔ عالم سنگھ اور مان سنگھ کو حکم دیا کہ وُہ ہر طرف نگاہ رکھیں۔ دشمن آگے بڑھے تو آواز دے کر اس کی اطلاع دیں۔ اور خود وُہ اپنے دونوں شہزادوں کو، اور دیا سنگھ اور سنت سنگھ کو لے کر مکان کی سب سے اُوپر والی منزل پر چلے گئے۔ ایک کمرے میں کمانیں اور بندوقیں لے کر بیٹھ گئے۔

اس طرح انتظام کرنے کے بعد اُنہوں نے پانچ سکھوں کو مکان سے باہر بھیجا کہ اُس فوج کو روکیں جو ایک سیلاب کی طرح آگے بڑھنے کا جتن کر رہی تھی۔ یہ پانچوں سکھ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے تو خزان سنگھ، دان سنگھ اور دھیان سنگھ جی آگے بڑھے۔ دشمن کی صفوں میں اُنہوں نے قیامت جگا دی۔ کتنے ہی بادشاہی سپاہیوں کو انہوں نے مَوت کی نیند سُلا دیا۔ وُہ شہید ہوئے تو محکم سنگھ جی آگے بڑھے۔

محکم سنگھ جی پانچ پیاروں میں سے ایک تھے۔

لیکن اس وقت وُہ لاکھوں میں ایک تھے۔ ایک طرف وُہ شاہی فوج جس میں دو لاکھ سے زیادہ آدمی تھے۔ دُوسری طرف اکیلے محکم سنگھ۔

گورو جی نے مکان کی اُوپر کی منزل سے انہیں دیکھا۔ پیار بھری آواز میں بولے ـــ "دھنیہ ہو محکم سنگھ۔ مَیں نے کہا تھا ـــ سوا لاکھ سے ایک لڑاؤں گا ـــ تم نے میری بات سچی کر دی۔"

خود وُہ تیروں کی بارش کر رہے تھے جو دشمن کے لئے موت کے سندیسے لئے ہوئے ایلچی بھیج رہے تھے ـــ محکم سنگھ جی نے دُور سے انہیں دیکھا۔ گورو جی نے اُن کو ـــ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ دونوں کے چہرے پر مسکراہٹ جاگ اُٹھی اور محکم سنگھ جی اس طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے جیسے اکیلا کسان دھان کا پورا کھیت کاٹے ڈالتا ہو۔

لیکن کب تک ؟

سینے پر تلوار کا ایک گھاؤ لگا ۔ مُکھم سنگھ لڑتے رہے ۔

دُوسرا گھاؤ لگا ۔ وُہ لڑتے رہے ۔

ایک نیزہ سینے کو چیر کے جسم سے دُوسری طرف نکل گیا ۔ وُہ گر پڑے ۔ اُٹھے نہیں ۔ اُن کی آتما اُٹھی ۔ اُس سورگ کی طرف جاتی ہوئی جہاں پھُول نئے مہمان کا سواگت کرنے کو مُسکرا رہے تھے ۔ امرت کی ندی میں پیار کا سیلاب آ گیا تھا ۔

اِس طرح وُہ ایک ایک کر کے شہید ہوئے ۔

ہمت سنگھ ۔ ایشر سنگھ ۔ دیوا سنگھ ۔ مہار سنگھ ۔ کیرت سنگھ ۔ آنند سنگھ ۔ لال سنگھ ۔ کیسر سنگھ اموُلک سنگھ ۔ ــــــــــــ

شاہی فوج کے ایک افسر ناہر خاں نے کوشش کی کہ دیوار کو پھاند کر مکان کے اندر آ جائے ۔ لیکن گورو جی کے تیروں نے دیوار کو ہی اُس کی " قضا گاہ " بنا دیا ۔ غیرت خاں نے کوشش کی تو گورو جی نے اُسے ہلاک کر دیا ۔ اِن دو آدمیوں کو مرا دیکھ کر شاہی فوج میں کسی نے کہا ــــ " ایک ایک کر کے کیوں مرتے ہو ؟ ۔ سب لوگ ایک ساتھ حملہ کرو ۔ آخر وُہ کتنے تیر چلا سکتا ہے ؟ "

اور ایک ساتھ کتنے ہی لوگ آگے بڑھے ۔

لیکن وُہ شاید بھُول گئے کہ تیر چلانے والا کون ہے ؟ ہر آدمی کیلئے اِس طرح تیر آیا ، جیسے اُس کا " اپنا ذاتی خط " آ گیا ہو ۔ جیسے گورو مہاراج صرف اُسی کو دیکھتے ہوں ، کسی دُوسرے کو نہیں ہر آدمی کو یہ محبت ملی تو شاہی فوج میں بھگدڑ جاگ اُٹھی ۔ بہت مشکل سے وُہ سنبھلی لیکن اب کسی نے دیوار پھاندنے کا جتن نہیں کیا ۔

لیکن اتنے آدمیوں کے مرنے یا زخمی ہونے سے شاہی فوج تو ختم نہیں ہوئی ۔ وُہ اب بھی سامنے تھی ۔ اَب زیادہ احتیاط سے آگے بڑھ رہی تھی ۔

تبھی گورو مہاراج کے پاس کھڑے اجیت سنگھ جی نے کہا ــــ " سچے پادشاہ ۔ میں بھیک مانگتا ہوں ۔ "

گورو جی نے اُن کی طرف دیکھا تو وُہ ہاتھ جوڑے کھڑے تھے ۔

گورو جی نے سب کچھ سمجھا ۔ پھر بھی بولے ــــ " کیا چاہتے ہو بیٹا ؟ "

جیت سنگھ نے سر جھکا کے کہا ــــ " میں صرف آپ کا بیٹا نہیں گورو جی ۔ آپ کا

سنگھ بھی ہوں۔ دوسرے سکھوں کو شہیدی ملی۔ میں بھی شہیدی کا دان مانگتا ہوں۔"

گورو جہاراج نے اب کے زیادہ دھیان سے اُن کی طرف دیکھا۔

اُن کے سینے میں بیٹھے باپ نے کہا۔ کتنا خوبصورت ہے یہ کتنی موہنی اس کی آنکھیں ہیں کتنا نور ہے اِس کے چہرے پر۔

ایک بار اُن کے جی میں آیا کہ اُسے سینے سے لگا لیں۔ اُسے چوم کے کہیں۔ میرے اجیت میرے لاڈلے۔ باپ کا دل پاگل ہو جائے گا۔"

لیکن تبھی اُس جہایوگی نے جو صدیوں تک "ہیم کنڈ" کی سات چوٹیوں "پر" جہاکال کا لگا کی آرادھنا کرتا رہا تھا ہاتھ بڑھا کے کہا ———— "جاؤ۔ اجیت سنگھ جی۔ شہید کی موت کے سامنے دُنیا کی بڑی سے بڑی زندگی ہیچ ہے۔"

اور اجیت سنگھ جی ———— عالم سنگھ، جواہر سنگھ، دھیان سنگھ، سکھا سنگھ اور بیر سنگھ کے ساتھ مکان سے باہر نکلے۔

مکان کی اُوپر والی منزل سے کسی نے گرجتی آواز میں کہا ——" جو بولے۔ سو نہال۔"

اور مکان کے اندر و باہر ایک آواز گونج اٹھی ———— "ست سری اکال"——

اور اِس کے ساتھ ہی شاہی فوج میں ایسے لگا جیسے ریگستان میں آندھی آگئی ہے۔ اور جھاڑ جھنکاڑ اُڑے جاتے ہیں بستر کنڈے سرنگوں ہوتے جاتے ہیں۔ ریت کے ٹیلے اُڑے جاتے ہیں۔

اجیت سنگھ جی اور اُن کے پانچ ساتھی اِس طرح لڑ رہے تھے جیسے اُن کے سامنے انسان نہیں مسلح سپاہی نہیں مکئی کا کھیت ہے جسے وہ کاٹے ڈالتے ہیں۔ خوفزدہ شاہی فوج میں پھر بھگدڑ جاگ اُٹھی۔ اجیت سنگھ جی تیر چلاتے رہے۔ تیر ختم ہوئے تو کمان پھینک، تلوار لے کر لڑنے لگے۔ تلوار ٹوٹی تو نیزہ لے کر آگے بڑھے۔ ایک سپاہی کے سینے میں اُنہوں نے نیزہ بھونکا۔ باہر نکالنے لگے تو وہ ٹوٹ گیا۔ اب ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ دشمن کے کتنے ہی سپاہی ایک ساتھ اُن پر ٹوٹ پڑے۔ ایک ساتھ کتنی ہی تلواریں اُوپر اُٹھیں۔ ایک ساتھ کتنی ہی تلواریں نیچے آئیں اور اجیت سنگھ جی کے چہرے پر وہ روشنی جاگ اُٹھی جو صرف شہید کے چہرے پر جاگتی ہے۔

گورو جہاراج نے اُوپر سے یہ سب کچھ دیکھا۔ دیکھا کہ نیچے اُن کا اجیت ہمیشہ کیلئے

سو گیا ہے۔

ایک بار اُنہوں نے اُوپر دیکھا۔ نیلے آکاش کی طرف۔

دل ہی دِل میں کہا ــــ "اپنی امانت سنبھالو۔ واہگورو۔ اِسی لئے تم نے اِس کو بھیجا تھا۔ اَب وُہ واپس آگیا۔"

اجیت سنگھ جی اُس وقت صرف سترہ برس کے تھے۔

لیکن تبھی چودہ برس کے زور آور سنگھ نے گورو جی کے چرن چھُو کر کہا ــــ "سچّے پادشاہ مَیں اپنے بھائی کے پاس جاؤں گا۔ وُہ میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میرے بغیر وُہ کھاتے نہیں تھے سوتے نہیں تھے۔ اُن کا راستہ ہی میرا راستہ ہے۔"

گورو جی نے اُن کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔ بہت پیار سے اُس کا کندھا دبا دیا۔

ایک لمبا سانس لے کر بولے ــــ "ٹھیک کہتے ہو زور آور۔ تمہارا بھائی واقعی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ سورگ کے دروازے پر کھڑا ہے۔ اندر نہیں جاتا ــــ جاؤ ــــ آج میں کسی کو روکوں گا نہیں۔"

اور چودہ برس کے زور آور بھی شہید ہو گئے۔

رات کا اندھیرا مشرق سے بڑھا آتا تھا۔ مکان کے اندر سے گولیوں اور تیروں کی اِس طرح باربار بوچھار آتی تھی جیسے ایک پُوری فوج اندر کھڑی ہے۔

شاہی جرنیلوں نے کہا ــــ "وُہ اندر ہیں۔ ہم باہر۔ وہ محفوظ ہیں۔ ہم نامحفوظ۔ رات ہو گئی ابھی لڑائی بند کر دو۔ کل صُبح کی روشنی میں ہم اِس مکان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اندر والے سَو ہوں یا ہزار۔ ہم اُن سے نپٹ لیں گے۔"

اِس طرح لڑائی تھمی۔

لیکن اندر سَو یا ہزار آدمی تو نہیں۔ صرف چھ سجن تھے۔ پانچ سِکھ۔ دیا سنگھ، دھرم سنگھ مان سنگھ، سنگت سنگھ، سنت سنگھ ــــ اور ایک اُن کے پرم پُوجیہ گورو کلغی دھر دشمیش شری گوبند سنگھ جی مہاراج۔

دَیا سنگھ جی نے کہا ــــ "سچّے پادشاہ۔ اَب لڑنے کا فائدہ کیا ہے؟ جیت ہم سکتے نہیں۔ مکان کے اندر رہیں تو بچ بھی نہیں سکتے۔ ایک ہی راستہ ہے کہ ہم یہاں لڑیں گے۔ آپ یہاں سے چلے جائیے۔"

گورو جی نے سُنا ۔ مسکرائیے ۔ مانے نہیں۔

رات اور زیادہ ہوئی تو دھرم سنگھ جی نے کہا ـــــ "مہاراج ۔ دیا سنگھ جی نے ٹھیک کہا تھا۔ آپ کا یہاں سے چلے جانا ہی ٹھیک ہے ۔ ہم اپنی جانیں دینے کو تیار ہیں ۔ لیکن جانیں دے کر بھی آپ کو بچا تو نہیں سکتے ۔"

گورو مہاراج نے پھر سُنا ۔ پھر خاموش ہو گئے۔

رات اور بڑھی تو دیا سنگھ، دھرم سنگھ، مان سنگھ، سنگت سنگھ، سنت سنگھ ـــــ پانچوں مل کر گورو جی کے پاس گئے ۔ بولے ـــــ "سچے پادشاہ ۔ آپ نے کہا تھا کہ پانچ سکھ مل کر جو فیصلہ کریں گے ۔ وہی 'گورمتا' (گورو کی رائے) ہوگا ۔ ہم پانچوں کی متفقہ رائے ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیے ۔ دھرم کی رکشا کے لئے آپ نے اپنے پتا کی قربانی دی ۔ اپنے بچوں کی قربانی دی ۔ اپنا گھر بار، دھن، دولت سب کچھ قربان کر دیا ۔ دھرم کے لئے ہی آج ایک قربانی کیجئے ۔ یہاں سے چلے جائیے ۔ آپ موجود رہے تو دھرم پھر زندہ ہوگا ۔ پھر ہزاروں لاکھوں سکھ جاگ اُٹھیں گے آپ اپنے آپ کو بچائیے ۔ یہی ہمارا گورمتا ہے ۔"

گورو مہاراج نے ان کی طرف دیکھا ۔ ہاتھ جوڑ دیئے ۔ سر جھکا دیا ۔ دھیمی آواز میں بولے ۔ ـــــ واہگورو جی کا خالصہ ۔ شری واہگورو جی کی فتح ـــــ خالصہ گورو ہے ۔ گورو خالصہ ہے مَیں نے غلط نہیں کہا تھا کہ پنتھ کے چُنے پانچ پیارے جو بھی فیصلہ کریں گے ۔ وہی گورمتا ہوگا ۔ اِس پنتھ گورو، کو آج مَیں یہ تاج دیتا ہُوں ۔ آج مَیں پرنام کرتا ہوں ۔"

اور اُنہوں نے اپنی پگڑی اور اُس کے اُوپر لگی ہیروں والی کلغی اُن کے سامنے رکھ دی ۔ اپنے سنہری تیروں والا ترکش بھی اُن کے سامنے رکھ دیا ۔

دیا سنگھ نے جھک کر گورو جی کے قدم چُوم لئے ۔

دھرم سنگھ نے اُن کے قدموں پر سر رکھ دیا ۔

گورو جی بولے ـــــ "اب بولو ـــــ 'پنتھ گورو' ـــــ یہ خالصہ گوبند سنگھ کیا کرے ؟"

سنت سنگھ نے کہا ـــــ "ہم اپنی گورمتا سُنا چکے ۔ جیسے بھی ہو سکے ۔ آپ یہاں سے چلے جائیے ۔ ہم لوگ ۔ جب تک سانس ہے ۔ تب تک دشمن کا مقابلہ کریں گے ۔"

گورو جی نے سنت سنگھ جی کے سر پر اپنی پگڑی رکھتے ہوئے کہا ـــــ سب نہیں ـــــ صرف دو آدمی یہاں رہیں گے ۔ سنت سنگھ اور سنگت سنگھ ۔ باقی لوگ میرے ساتھ باہر

نکلیں گے۔ لیکن میرے ساتھ چلیں گے نہیں۔ آسمان میں وُہ جو تارا دکھائی دیتا ہے اُس کی طرف وُہ آگے بڑھیں گے۔ جب صُبح ہو گی تو مَیں انہیں نزدیک ہی کسی جگہ مِل جاؤں گا۔ مَیں اُن کا انتظار کروں گا۔ اب آؤ چلیں۔ ہمیں دُور پہنچنا ہے۔"

اور دَیا سنگھ، دھَرم سنگھ اور مان سنگھ اُن کے ساتھ مکان سے باہر نکلے۔

دُوسرِں نے کہا۔ "خاموشی سے چلے چلیے۔"

گورو جی ہنسے۔ بولے۔ "مَیں گوبند سنگھ ہُوں۔ لڑ کر جاؤں گا۔"

اور دُور، جدھر مغل فوج کے خیمے لگے تھے اُدھر وُہ چل پڑے۔ اپنے ساتھیوں سے اُنہوں نے کہا۔ آپ مکان کے پچھواڑے کی طرف جاؤ۔ اُدھر فوج نہیں ہے۔ خاموشی سے بھاگ جاؤ ——"

خود مغل چھاؤنی کے پاس پہنچ کر انہوں نے اپنی کمان سنبھالی۔ تیر چڑھا۔ دُور کھڑے مشعلچی کی مشعل کو نشانہ بنایا۔ تیر نے صرف مشعل کو ہی نہیں بجھایا اُس آدمی کے سینے میں پیوست ہو کر اُس کا بھی انت کر دیا۔ دُوسرے مشعلچی نے حیرت سے اپنا مُنہ کھولا۔ اُس کے مُنہ میں آ کر گھُس گیا ایک اور تیر نے اُس کی مشعل بھی گُل کر دی۔ وُہ دونوں آدمی مرتے ہُوئے چِلّائے۔ اندھیرے میں کتنے ہی لوگ ہڑبڑا کر اُٹھے۔ ایک ہنگامہ جاگ اُٹھا۔ کتنے ہی لوگوں نے سمجھا کہ سکھّوں کی کسی نئی فوج نے حملہ کر دیا ہے۔ کتنے ہی لوگوں نے اپنی تلواریں نکال کر گھمانی شروع کر دیں۔ شاہی فوج کے کتنے ہی سپاہیوں نے اندھیرے میں اپنے ساتھیوں کو کاٹ ڈالا۔

اَور دسویں پادشاہ سر پر سادھارن سی پگڑی لئے، تیر برساتے، اندھیرے میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ کسی نے اُنہیں روکا نہیں۔ کیونکہ کسی نے اُن کی طرف توجہ نہیں دی جتنی دیر میں نئی مشعلیں روشن ہوئیں اتنی دیر میں گورو جی بہت آگے جا چکے تھے —— پرلی طرف دیا سنگھ، دھرم سنگھ، اَور مان سنگھ بھی دُور نکل گئے تھے۔ لیکن مکان کے اندر لگاتار گولیاں برس رہی تھیں۔

شاہی فوج جاگی۔

وزیر خاں نے حکم دیا —— "آگے بڑھو۔"

ایک جرنیل مردود خاں تھا۔ اُس نے مشورہ دیا۔ "مکان پر ابھی وقت حملہ کرو۔ گورو اِس کے اندر ہے۔ ہم اِس کا سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کریں گے۔"

لیکن مشورے دینے والے بہت۔

حکم دینے والے بہت۔

مرنا کون چاہتا تھا۔؟

صبح سے لوگ دُور سے تیر چلاتے رہے۔گولیاں چلاتے رہے۔

صبح کے وقت مردُود خاں نے دیکھا کہ مکان سے آنے والے تیروں کی نوک پر سونا لگا رہے۔یہ بھی دیکھا اُس نے کہ مکان کے اُوپر کی منزل میں جو کھڑکی ہے اُس سے دکھائی دینے والا آدمی سر پر تاج پہنے کھڑا ہے۔

چلّا کر اُس نے کہا ــــــ "گورو اندر ہے۔حملہ کرو۔"

ایک ساتھ سینکڑوں لوگ مکان کی دیواروں پر چڑھے۔اندر پہنچے۔سنت سنگھ اور سنگت سنگھ کو انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

تب مردُود نے دیکھا کہ جسے وُہ "گورو" سمجھ رہا تھا۔وُہ سنت سنگھ ہے۔اس کا مطلب یہ تھا کہ کئی ہزار آدمیوں کو قتل کرا کے بھی مغل فوج گورو گوبند سنگھ کو ختم نہیں کر سکی۔مردُود نے اپنا سر پیٹ لیا ــــــ

اور وزیر خاں نے جب دیکھا۔مکان میں دو[۲] کے سوائے تیسرا آدمی نہیں تو حیرت سے اُس نے کہا ــــــ "صرف یہ دو آدمی رات بھر ہم سے لڑتے رہے۔اتنی بڑی فوج کو روکے رہے۔لعنت ہے ہم پر۔"

اور صبح کے وقت شری گورو مہاراج "ماچھی واڑہ" کے جنگل میں ــــ ایک گاؤں "کھیڑی" کے قریب پہنچے تو اس قدر تھکے ہوئے کہ پاؤں اُٹھانا مشکل تھا۔زندگی بھر لاکھوں لوگ اُن کے سامنے جھکتے رہے۔ہزاروں اُن کیلئے جان دینے کو تیار تھے۔اُن کا لنگر کسی بھی وقت بند نہیں ہوتا تھا۔ہاتھی اُن کے پاس تھے، گھوڑے تھے، پالکیاں تھیں ــــ لیکن آج ــــ کئی روز سے وُہ بھوکے تھے۔کئی راتیں سوئے نہیں تھے۔پا پیادہ چلتے چلتے اُن کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے۔راستے کے کنکروں اور خاروں کے اُن کے مقدس چرنوں کو زخمی کر دیا تھا ــــــ اور پھر تیز ٹھٹھرتی ہوئی برفانی ہوا چل رہی تھی۔ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے سارا جسم تھکاوٹ اور سردی سے اکڑے جاتا ہے

تبھی کھیڑی گاؤں کے دو[۲] گوجر اُن کے سامنے آئے۔

دھیان سے اُن کی طرف دیکھا۔ حیرت سے بولے ــــــ "تم۔ تم تو سکھوں کے گورو ہو ــــــ"

گورو جی نے کہا ــــــ "ٹھیک ہے۔ لیکن کسی کو بتانا نہیں۔"

اُن میں سے ایک نے کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم زمیندار کو اطلاع دیں گے۔"

گورو جی بولے ــــــ "تمہیں سونا چاہیئے تو مَیں دے سکتا ہوں۔"

دُوسرے نے کہا۔ "نہیں صاحب۔ ہم تو زمیندار کو بولیں گے۔"

گورو جی اپنی کمان سنبھالتے ہوئے بولے۔ "اچھی بات ہے۔"

اور پھر یکے بعد دیگرے دو سنسناتے ہوئے تیروں نے اُنہیں ایسا "سونا" دے دیا جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔

لیکن یہ سمسیا کا حل تو نہیں تھا۔ اُنہیں بھوک لگی تھی۔ کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ وُہ تھک گئے تھے۔ آرام کرنے کو جگہ نہیں تھی۔ دُوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس لئے اُنہوں نے جنگل میں "آک" کے کچھ پتے کھائے۔ اور ایک جگہ اُبھری ہوئی مٹی پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ ننگی تلوار اُن کے پاس تھی۔ تلوار کی مُوٹھ پر اُن کا ہاتھ ــــــ اور کچھ ہی دیر کے بعد وُہ گہری نیند میں تھے۔ دِن بھر سوئے رہے کسی نے انہیں دیکھا نہیں۔ جاگے تو جسم میں اُٹھنے کی ہمت نہیں تھی۔ اُس وقت اپنے جیون میں پہلی بار اور آخری بار اُنہوں نے ایک گیت کہا۔ جس میں اپنے محبوب دا گورو سے تھوڑی سی شکائیت ہے۔ نہیں تو زندگی میں کسی بھی وقت، کسی بھی حالت میں اُنہوں نے کبھی کسی دُکھ کا اظہار نہیں کیا۔ کبھی کوئی شکائیت نہیں کی۔ اُن کا یہ مشہور گیت ہے۔

"مِتر پیارے نوں۔ حال مُریداں دا کہنا۔

تدھ بن روگ رجائیاں دا اوڑھن۔

ناگ نواساں دے رہنا۔

سُول صُراحی خنجر پیالہ

بنگ قصائیاں دا سہنا۔

یار ڑے دا سانوں سٹھرا چنگا۔

بھٹھ کھیڑیاں دا رہنا۔"

میرے محبوب کو جا کر اُس کے مُرید کا حال سُنا دو۔
اُسے کہو کہ — تیرے بغیر آرام دِہ لحاف ایک بیماری معلوم ہوتے ہیں۔
مکان زہریلے سانپوں کی طرح معلوم ہوتا ہے۔
صُراحی سُولی کی طرح — پیالہ خنجر کی طرح۔
پیالے کا کنارا اس طرح جیسے قصائی کی چھُری ہو۔
اُسے کہنا — کہ دوست! تیرے ساتھ مجھے افلاس میں رہنا بھی منظور ہے۔
تیرے بغیر یہ دولت و امارت بھی جہنم کی آگ معلوم ہوتے ہیں۔

کیسی شکائیت ہے یہ — گھر بار لُٹ گیا — بیوی بچے چھِن گئے — نوجوان بیٹے شہید ہو گئے — ساتھیوں کا ساتھ چھُوٹ گیا — بھُوک ہے — پیاس ہے — تھکاوٹ ہے — کسی کی شکائیت نہیں — شکائیت صرف یہ کہ "میرے محبوب! — تُو نے مجھے اپنے سے دُور کیوں کر دیا۔"

گورو گوبند سنگھ جی نے اپنے جیون میں جو لاثانی کویتا لکھی وہ اتنی زیادہ ہے کہ شاید بہت کم دُوسرے لوگ اتنے تھوڑے عرصہ میں اتنا کچھ لکھ سکے ہیں۔ اُن کی اس کویتا میں زیادہ تر بانی برج، اودھی، فارسی اور سنسکرت ہے۔ پنجابی میں بہت تھوڑی کویتا اُنہوں نے لکھی۔ اُوپر کا یہ گیت اُن کی پنجابی کویتا کا ایک خوبصُورت نمونہ ہے۔

— لیکن کویتا کے نقطہ نظر سے نہیں۔ اُس وقت، اُس ماحول اور اُس فضا کے نقطہ نظر سے اس گیت کو سُنیئے — شام ہو گئی۔ رات کا اندھیرا بڑھتا آتا ہے۔ کوئی سنگی نہیں۔ ساتھی نہیں۔ رہنے کی جگہ نہیں۔ کھانے کو ایک دانہ نہیں — اور اس گھنے جنگل میں "ہیم کنٹ" کا نواسی یہ جہایوگی — آکاش کی طرف دیکھتا ہوا کہتا ہے —

"یارڑے دا سانوں سَتھرا چنگا
بھَٹھ کھیڑیاں دا رہنا ــــــ"

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ پرم یوگی اپنے "اکال پُرکھ گورو دیو" سے پوچھتا ہے کہ۔ "ابھی اَور کب تک سات چوٹیوں والے ہیم کُنٹ سے دُور رکھو گے مالک؟ ــــــ ابھی اَور کب تک ــــ یہ 'جگت تماشہ' دیکھنا ہو گا؟"۔

۱۵

اس کے بعد جو کچھ ہوا اُس کا حال سُننے سے پہلے خود گورو مہاراج کے الفاظ میں چمکور کی اس جنگ کا حال سُنیئے جس سے زیادہ بھیانک جنگ شاید دُنیا میں کبھی ہوئی نہیں۔ اس جنگ سے سو برس پہلے شری گورو نانک دیو جی مہاراج نے کہا تھا۔

"کرتا توں سبھناں کا سوئی
جے سکتا سکتے کئو مارے
تاں من روس نہ ہوئی"۔

تُو سب کا مالک ہے۔ سب کو پیدا کرنے والا۔
(تیرے سامنے یہ ناانصافی کیوں؟)۔
اگر طاقت والا طاقت والے پر حملہ کرے۔
تو کسی کے من میں شکائیت نہیں ہوتی۔
(لیکن ....)

لیکن چمکور میں سکتے "نے "سکتے" پر تو حملہ نہیں کیا۔ ایک طرف دو لاکھ سے اُوپر فوج دُوسری طرف ایک کچے۔ بوسیدہ سے دیہاتی مکان میں۔ صرف چالیس آدمی۔ اس سے زیادہ بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا تھا۔ ناانصافی کیا ہو سکتی تھی؟ ____ اور پھر پہاڑی راجاؤں نے گائے کی قسم کھا کر، شاہی فوج کے جرنیلوں نے قرآن کی قسم کھا کر وعدہ کیا تھا کہ گورو مہاراج آنند پور کو چھوڑ کر چلے جائیں تو کوئی ان پر حملہ نہیں کرے گا۔ خود بادشاہ اورنگ زیب کا ذاتی خط اور یہ حلف کہ ____ "آنند پور کو چھوڑ کر ..... میرے پاس آؤ ..... یا

کہیں بھی چلے جاؤ ..... تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا" ___ یہ وعدے ___ اور یہ کرتوت کہ ___ گوروجی کے قلعہ چھوڑتے ہی اِن سب وعدوں کو آگ لگادی گئی - اِن قسموں کو مٹی میں بلادیا گیا ___

مَیں نہیں جانتا کہ اِن لوگوں کو (اوران میں بادشاہ اورنگ زیب بھی شامل ہے) تاریخ کو لکھنے والے ہندو یا مُسلمان کیوں کہتے ہیں ؟ جو آدمی گائے کی قسم کھانے کے بعد وعدہ خلافی کرتا ہے، وُہ آخر کیسا ہندو ہے ؟ جو آدمی قرانِ پاک کی قسم کھانے کے بعد اپنے وعدے سے پھرتا ہے - وُہ آخر کیسے مسلمان ہے ؟ - یقیناً ان لوگوں کا کوئی مذہب نہیں تھا۔ ان کا ایمان تھا غلامی - ان کا دین تھا ظلم - ان کا دھرم تھا سامراج - ان کی نیتی تھی فریب کسی مذہب سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا - ایسے لوگوں کا (اِس بات کے باوجود کہ وُہ مذہب کا نام بھی لیتے ہیں اور مذہب کے ٹھیکیدار بھی بنتے ہیں) کسی مذہب سے کبھی کوئی تعلق نہیں ہوتا - ایسے لوگ ہر مذہب کے ماتھے پر کلنک ہیں - اِن قسموں اور وعدوں کا ذکر گورو مہاراج نے اپنے اس منظوم خط میں کیا - جسے بجا طور سے انہوں نے "ظفرنامہ" کہا -

مرا اعتبارے بریں حلف نیست
کہ ایزد گواہ است و یزداں یکے است

؛ خدا ایک ہے اور میرا گواہ ہے کہ تیرے وعدے پر مجھے کوئی اعتبار نہیں ہے ___

کسے قولِ قرآں کند اعتبار
ہماں روزِ آخر شود زار و خوار

___ جو بھی تیرے وعدے پر اور تیری اُس قسم پر جو تُو نے قُرآن کا نام لے کر کھائی ، اعتبار کرے وہی آخر میں زار و خوار ہو ___

اور واقعی گورو مہاراج نے اِن وعدوں پر اعتبار نہیں کیا۔ ان قسموں پر اعتبار نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بار بار کہا ـــــ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اِن پر اعتبار نہ کرو" ـــــ لیکن اُن کی بات مانی نہیں گئی اور وناش جاگ اُٹھا۔ اِسی لئے اِس خط میں اورنگ زیب کو اورنگ زیب کی اصلیت بتاتے ہوئے انہوں نے کہا۔

تُرا ترکتازی بہ مکر و ریا

مُرا چارہ سازی بہ صدق و صفا

تیرا طریقِ کار مکاری اور فریب ہے۔

میرا طرزِ عمل صدق و صفائی پر مبنی۔

نہ زیبد تُرا نام اورنگ زیب

زِ اورنگ زیباں نہ یابد فریب

تیرا یہ نام اورنگ زیب تجھے تو زیب نہیں دیتا۔

اورنگ زیب کبھی اتنے فریبی اور جھوٹے نہیں ہوتے۔

نہ تسبیحت از سحبہ و رشتہ بیش

کزاں دانہ سازی وزاں دامِ خویش

تیری یہ تسبیح محض ایک دھاگہ ہے اور کچھ منکے۔ ورنہ خُدا کی عبادت سے تیرا کوئی تعلق نہیں۔ تسبیح کے دانے تو اِس طرح استعمال کرتا ہے جیسے شکاری جال پھیلا کر اُس میں دانے پھینک دیتا ہے۔

تو خاکِ پدر را بہ کردارِ زِشت

بہ خونِ برادر بدادی سِرشت

تجھ سے بڑا گنہگار کون ہے کہ اپنے باپ کو قید کر کے

بڑھاپے میں اُس کی مٹی خراب کی۔ اپنے بھائیوں کو قتل کر کے قتل وخون کو اپنی سرشت بنا لیا۔ ع۱
اور تب وعدہ شکنی اور چمپکور پر حملہ کے متعلق اُنہوں نے فرمایا ———

کہ پیماں شکن بے درنگ آمدند
میاں تیغ و تیر و تفنگ آمدند

تیرے وعدہ شکن و پیماں شکن فوجی سردار تلواروں، تیروں اور بندوقوں کو لے کر ہم پر ٹوٹ پڑے۔

بہ رنگِ مگس سایہ پوش آمدند
بہ یکبارگی در خروش آمدند

تیری فوج اس طرح آگے بڑھی جیسے سیاہ مکھیاں بڑھی آتی ہوں ——— ایک ہی حملے میں ——— ہنگامہ بپا کرتی ہوئی ———

ع۱ گورو مہاراج نے اورنگ زیب کے فریب تسبیح اور برادر کشی کے متعلق فارسی کے چار مصرعوں میں جو بات کہی اُسی کو ہندی بھاشا کے شاعر بھوشن نے برج بھاشا کی کوتیا میں کہا۔ روایت ہے کہ بھوشن اورنگ زیب کے درباری شاعر تھے۔ بہت معمولی سے۔ ایک دن بادشاہ نے اپنے شاعروں سے کہا ——— "کوئی ایسی چیز سُناؤ جس سے دل میں جوش جاگ اُٹھے ———" دوسرے شعرا نے اپنا اپنا کلام سُنایا۔ بادشاہ کو جوش یا غصّہ آیا نہیں۔ بھوشن کی باری آئی تو اُس نے کہا ——— "غصّہ آپ کو آئے گا ضرور۔ لیکن پہلے اعلان کیجیے کہ میری جان نہیں لی جائے گی ———" بادشاہ نے وعدہ کر دیا۔ بھوشن نے پہلا "کبت" پڑھا۔ اورنگ زیب کی تسبیح کے متعلق۔

ہاتھ تسبیح لِئے۔ پرات اُٹھے بندگی کو
آپ ہی کپٹ رُوپ۔ کپٹ سُو جپ کے

ہر آں کس زِ دیوار آمد بروں
بخوردن یکے تیر شد غرقِ خوں

تیرا جو سپاہی بھی ہم پر حملہ کرنے کے لیئے آگے بڑھا
اُسے ہم نے ایک ہی تیر سے خون میں لت پت کر دیا۔

چو دیدم کہ ناہر بیامد بجنگ
چشیدن یکے تیر من بے درنگ

جب میں نے دیکھا کہ تیرا جرنیل ناہر خاں جنگ کے لیئے
آگے بڑھا۔ تو میں نے اُسے اپنے تیر کا مزہ چکھا دیا۔

ہم آخر گریزد بوقتِ مصاف
بسے خاناں خوردند بیروں گزاف

کتنے ہی تُو مرے سپاہی جو بلند بانگ دعوے کرتے

آگرے میں جائے دارا چوک میں چُنائے لینو
چھتر ہُو چھنا یو ۔ مانو مرے بوڑھے بپ کو
کینو ہے سگوت گھات ۔ سو ہیں ناہیں کہوں پھری
فیل پر تورا یو ۔ چار چغل کے گپ کے
"بھوشن" بھنت ۔ چھر چھندی متی مند مہا
سو سو چوہے کھائے کے ۔ بلاری بیٹھی تپ کے

اورنگ زیب!۔ تو مکمل طور سے تصویرِ فریب ہے۔ فریب کے
لیئے ہی تو صبح سویرے اُٹھ کر تسبیح پھیرنا شروع کر دیتا ہے۔ اسے
یاد نہیں تجھے۔ آگرے کے چوک میں تُو نے اپنے بھائی دارا کو قتل
کر کے دفنا دیا تھا۔ اپنے باپ کا تخت و تاج تُو نے اس طرح چھین

اُس کے ساتھ آئے تھے جنگ کو چھوڑ کر بھاگ گئے ___

کہ افغان دیگر بیامد بجنگ
چوں سیلِ رواں ہمچو تیر و تفنگ

تب ایک اور افغان اس طرح آگے بڑھا جیسے سیلاب بڑھتا ہے۔ تیر بڑھتا ہے۔ توپ کا گولہ بڑھتا ہے۔

بسے حملہ کرد و بسے زخم خورد
دو کس را بجاں کُشت و جاں ہم سپُرد

کئی بار اُس نے حملے کیے۔ کتنے ہی زخم کھائے اور تب میرے دو سکھوں (اجیت سنگھ اور زورآور سنگھ) کو شہید کر کے خود بھی مارا گیا

کہ آں خواجہ مردُودِ سے رُسوا و خوار
نہ آمد بہ مَیداں بہ مَردانہ وار

بیا جیسے وُہ بدنصیب مرگیا ہے۔ اپنے کتنے رشتہ داروں کو تُو نے مَوت کے گھاٹ اُتار دیا۔ یہ میں اِس وقت نہیں کہتا۔ لیکن کیا یہ سَچ نہیں، کہ چغل خوروں کی بات پر اعتبار کر کے تُو نے اپنے بھائی کو ہاتھی کے پاؤں تلے روندوا دیا۔" بھوشن" کہتا ہے۔ ارے چالاک اور مکار فریبی۔ سَو سَو چوہے کھانے کے یہ بلی کیا تپ کرنے بیٹھی ہے ___

اور بادشاہ کی پدرکشی اور برادرکشی کے متعلق اُس نے کہا ___

کعبے کی ٹھور باپ بادشاہ شاہ جہاں
تاکو قید کینو مانو مکّے آگ لائی ہے
بڑو بھائی دارا واکو پکڑی کے قید کیو

اور وُہ ذلیل و رُسوا خواجہ مَردُود ـــــــــ

ـــــــــ میدان میں اُسے ہمّت نہ ہوئی کہ وُہ مردانہ وار آگے آئے۔

دریغا! اگر رُوئے او دیدمے
بیک تیر لاچار بخشید مے

اگر اُس کی صُورت مجھے نظر آجاتی تو مَیں یقیناً اپنا ایک تیر اُس کے لئے صرف کر دیتا۔

ہم آخر بسے زخم تیر و تفنگ
دو سوئے بسے کشتہ شد بے درنگ

ـــــــــ اور آخر میں دونوں اطراف کے کتنے ہی لوگ مارے گئے ـــــــــ تیروں اور گولیوں کی اُس بار بار برستی بوچھاریں۔

جھر ہُو ناہیں، ماں کو جایو سگو بھائی ہے
بندھو تو مراد بکس بادی چُوک کر بے تو
بیچ دے قران خُدا کی قسم کھائی ہے
بھوشن، سُو کوی کہے۔ سُنو اورنگ زیب
ایتے کام کینے پھیر پاتساہی پائی ہے

کعبے کی جگہ تیرا باپ بادشاہ شاہجہان تھا۔۔ اُسے قید کر کے جیسے تُو نے مکّے کو آگ لگا دی۔ بڑے بھائی دارا کو پکڑ کے تُو نے قید کر دیا۔ اتنا بھی رحم نہیں آیا کہ ماں جایا سگا بھائی ہے۔ مُراد بھی تیرا سگا بھائی تھا۔ قران پر تُو نے خدا کی قسم کھائی کہ اُس کا ساتھ دے گا۔ لیکن یہ قسم تُو نے توڑ کے رکھ دی۔ "بھوشن" کہتا ہے۔۔

بسے بان بارید و تیر تفنگ
زمیں گشت ہمچو گلِ لالہ رنگ

گولیاں اس طرح چلیں۔ تیر اس طرح چلے اور خون اس طرح بہا کہ زمین گلاب کی طرح سُرخ ہوگئی۔

سرو پائے انبوہ چنداں شدہ
کہ میداں پُراز گوئے چوگاں شدہ

ہر طرف سروں اور ٹانگوں کے انبار لگے تھے۔
ایسے معلوم ہوتا تھا کہ —— میدان گیندوں اور لاٹھیوں سے بھر گیا تھا۔

ترنگارِ تیر و ترنگ کماں
برآمد یکے ہاؤ ہو از جہاں

تیروں کی سنسناہٹ۔
کمانوں کی جھن جھناہٹ۔
اور میدانِ جنگ کے شور سے جہان گونج اُٹھا۔

سُنو اورنگ زیب! ۔ اتنے کام کرنے کے بعد تجھے بادشاہی ملی ہے۔
ظاہر ہے کہ اس کے بعد "بھوشن" اورنگ زیب کے پاس نہیں رہ سکا۔ شواجی کے پاس چلا گیا ۔ لیکن گورو مہاراج نے اور شواجی کے درباری شاعر نے اورنگ زیب کے متعلق جو کچھ لکھا وُہ اس بات کا ثبوت ہے کہ گورو جی اور شواجی اگر اورنگ زیب کے خلاف لڑے تو اس لئے نہیں کہ وُہ مسلمان تھا بلکہ اس لئے کہ وُہ ایک خود غرض ظالم تھا جس نے اسلام پرستی کو ایک فریب کے لئے استعمال کیا۔

دگر شورش کیبر کینہ کوش
زمرداں مرداں بروں رفت ہوش

تیروں کے چلنے سے وہ شور بپا ہوا کہ دلیروں اور بہادروں کے ہوش اُڑ گئے

ہم آخر چہ مردی کند کارزار
کہ ہر چہل تن آیدش بے شمار

لیکن یہ چالیس آدمی ____ دنیا کے سب سے بہادر آدمی ____ اُس بے شمار فوج کا مقابلہ آخر کب تک کرتے جو اُن پر حملہ کر رہی تھی۔

چراغِ جہاں چوں شدہ برقع پوش
شہہِ شب بر آمد ہمہ جلوہ جوش

دنیا کے چراغ (آفتاب) نے جب برقع اوڑھ لیا اور رات کا بادشاہ (چاند) جب جلوہ گر ہو اُٹھا۔

ہر آں کس بقول خدا آیدش
کہ یزداں برد رہنما آیدش

جو شخص خدا کے حکم سے آتا ہے خدا اس کی رہنمائی کے لئے آتا ہے ____

نہ پیچیدہ موئے نہ رنجیدہ تن
کہ بیروں خود آورد دشمن شکن

اور میں (دشمنوں کے گھیرے سے) اس طرح باہر نکل آیا کہ

میرا ایک بال بھی ٹیڑھا نہیں ہُوا۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔
اور آخر میں اورنگ زیب پر لعنت بھیجتے ہوئے اُنہوں نے کہا۔

نہ دانم کہ ایں مردِ پیماں شکن

کہ دولت پرست است و ایماں شکن

اور کوئی بھی آدمی جو تاریخ کو جانتا ہے اور اس نام نہاد "عالمگیر" کے کیریکٹر کو جانتا ہے آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ گورو مہاراج نے اس آدمی کی جو تصویر کھینچی ـ "پیماں شکن" ـ "دولت پرست" ـ "ایمان شکن" ـــــ اس سے بہتر تصویر اس آدمی کی ہو نہیں سکتی۔ جس نے خُدا کے سب سے بڑے کرم ایمان و مذہب کو ہَوّا بنا ڈالا۔

۱۶

دیا سنگھ، دھرم سنگھ، مان سنگھ ــــ تینوں گورو مہاراج کو تلاش کرتے پھرتے تھے۔ جس رات وُہ چمکور کے اُس کچّے مکان سے نکلے، اُس رات گورو جی اُنہیں ملے نہیں۔ جس تارے کی طرف گورو جی نے اِشارہ کیا تھا وُہ صبح کی روشنی میں کھو گیا۔ دِن بھر وُہ ایک جنگل میں چھُپے رہے۔ رات ہوئی۔ پھر وُہ تارا چمکا۔ پھر وُہ آگے بڑھے اور دُوسرے دِن کی صُبح کو طلوع ہونے میں تھوڑی ہی دیر تھی، تب اُنہوں نے اُس پُنیہ مہاتما کو دیکھا جو "ماچھی واڑہ" کے علاقہ میں ایک باغ کے باہر سر کے نیچے مٹی کا ایک برتن رکھے سو رہا تھا۔

پاس جا کر اُنہوں نے پہچانا۔

سب نے اُن قدموں میں سر جھُکا دیئے جنہیں آبلوں نے سُرخ کر دیا تھا۔

گورو مہاراج جاگے تو دیا سنگھ نے ہاتھ جوڑ کر کہا ــــ "میرے مالک! شاہی فوج ہمارے آنے کے بعد پاگل ہو اُٹھی۔ شاید وُہ آپ کو تلاش کرنے کے لئے اِدھر بھی آئے۔ یہاں بہت دیر ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

گورو مہاراج نے مُسکراتے ہوئے کہا ــــ "ٹھیک کہتے ہو دیا سنگھ۔ لیکن میرے پاؤں اتنے زخمی ہیں کہ مَیں چل نہیں سکوں گا۔"

مان سنگھ بولا ــــ "مَیں آپ کو اُٹھائے چلوں گا سچّے بادشاہ۔"

اور اُنہیں پیٹھ پر لے کر وُہ آگے بڑھا۔ تھوڑی ہی دُوری پر ایک کنواں تھا۔ وہاں وُہ ٹھہر گئے۔ کنوئیں سے پانی نکالا گیا۔ کئی دِن کے بعد گورو جی نے اِشنان کیا۔ اِتنے دِن پینے کو ہی اچھا پانی نہیں مِلا۔ نہانے کو کہاں مِلتا؟۔ اور پھر نہانے کا وقت کیسے تھا؟۔ آج وُہ نہائے۔ اُن کے ساتھی بھی۔ سب کو ایسے لگا کہ نیا جیون آ گیا ہے۔

اِتفاق کی بات ہے کہ یہ کنواں اور باغ گورو جی کے ایک "مسند" گلابا کا تھا۔ مسندوں

کا سنگھٹن گورو جی نے ختم کر دیا۔ پھر بھی کچھ اچھے مسندوں کو رہنے دیا۔ انہی میں ایک یہ گلابا تھا وہ اپنے کنوئیں پر گیا۔ گورو جی کو دیکھا۔ انہیں پرنام کر کے اپنے گھر لے آیا۔ اپنے گھر کی سب سے اوپر والی منزل پر اس نے گورو جی اور اُن کے ساتھیوں کو ٹھہرا دیا۔ سب کو تازہ دودھ پلایا۔ کھانا کھلایا۔ انہیں آرام پہنچانے کی کوشش کی۔

لیکن اُس کے دِل و دماغ میں ایک عجیب کشمکش ہو رہی تھی۔

دِل کہتا تھا ـــــ یہ گورو ہیں ـــــ انہی کی وجہ سے میرے پاس دولت ہے اثر و طاقت ہے۔

دماغ کہتا تھا ـــــ لیکن مغل حکومت کی فوج انہیں تلاش کر رہی ہے۔ کب تک یہ چھپے رہ سکتے ہیں۔

دِل کہتا تھا ـــــ انہوں نے اپنا سربس اِس لئے قربان کر دیا کہ دیش کے مظلوموں کی مدد ہو۔ دیش کی غلامی ختم ہو۔ سماج سے ناانصافی ختم ہو۔ دوسروں کے لئے انہوں نے اپنے پِتا کو، اپنے بیٹوں کو، اپنے گھر بار کو، دھن دولت کو، آرام و آسائش کو ـــــ سب کو قربان کر دیا۔ اب انہیں ضرورت ہے تو اِن کی سیوا بھی تو نہیں کر سکتا۔

دماغ کہتا تھا ـــــ یہ سب ٹھیک ہے۔ لیکن اگر سرکاری جاسوسوں کو پتہ لگ گیا اور اگر شاہی فوج یہاں آ پہنچی تو اِس گھر کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ تیری بیوی بچے مار دیئے جائیں گے۔ تیری چمڑی اُدھیڑ دی جائے گی۔

تبھی گورو جی نے کہا ـــــ "گلابا۔ آج ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ یہاں بہت ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

گلابا نے حیرت سے کہا ـــــ "کیوں مہاراج"

گورو جی مسکرائے۔ بولے ـــ "تم جانتے تو ہو گلابا۔ اپنے من کی چنتا کو دور کر دو۔ ہمارے جانے کی تیاری کرو ـــ اور دیکھو۔ پہلے ہم اس دیوی کے پاس چلیں گے جو ہمارے لئے کھدر بنوا کر بیٹھی ہے اور جو کہتی تھی کہ ایک بار میرے گھر آؤ۔"

لیکن اِس سے پہلے کہ وہ اُس دیوی کے گھر پر جاتے، نبی خاں اور غنی خاں نام کے دو[۲] پٹھانوں کو اُن کا پتہ لگا۔ وہ گھوڑوں کے بیوپاری تھے۔ برسوں تک وہ گورو جی کے پاس اپنے گھوڑے بیچتے رہے۔ لاکھوں روپے انہوں نے گورو جی کی کرپا سے کمائے۔ انہیں معلوم ہوا کہ

گورو جی آج اِس حالت میں ہیں تو دوڑے دوڑے اُن کے پاس آئے۔ سلام کر کے بولے۔ "ہمارے لئے بھی کوئی خدمت بتایئے۔ آپ کی کوئی بھی خدمت کر سکیں تو ہم سمجھیں گے کہ اپنا فرض پورا کیا ہے۔ ضرورت ہو تو ہماری جانیں بھی حاضر ہیں۔"

گورو جی بولے — "نہیں جان دینے کی ضرورت نہیں۔ پھر بھی آپ لوگ کچھ دیر ہمارے ساتھ رہیئے۔ اِس سے فائدہ ہوگا۔"

اور اُس دیوی کے گھر پہنچے تو اُس نے اپنے ہاتھ سے کاتے سُوت کا بنا کتنا ہی کھدر اُن کے چرنوں میں رکھ دیا۔ بولی — "سچے پادشاہ۔ مَیں آپ کو یاد کرتی ہوئی، واہگورو کا نام لیتی ہوئی یہ سُوت کاتتی رہی۔ صرف ایک تمنّا تھی کہ آپ اِس غریب گھر میں آکے درشن دے دیں۔ آج آپ آئے۔ میرا جنم سپھل ہو گیا۔"

گورو مہاراج نے آشیرواد دیا۔ اُس کے گاؤں سے باہر آکر اپنے ساتھیوں سے کہا — "اِس کپڑے کو نیل سے رنگ دو۔ گہرا نیلا رنگ اِس کو دے دو۔ اور پھر سُکھا دو اِس کو۔"

یہ کام ہو گیا تو گورو مہاراج نے سب کو کپڑے کا ایک ایک ٹکڑا دے کر کہا — "اِسے کُرتہ سا بنا لو۔ جیسا عام طور پر مسلمان فقیر پہنتے ہیں۔ میرے لئے بھی ایک ایسا ہی کُرتہ بناؤ۔"

یہ کام ہو گیا تو گورو جی کُرتہ پہن، سر کے بال کھول ایک پالکی میں بیٹھے۔ اُن کے ساتھیوں نے اپنے کُرتے پہنے اور سر کے بال کھول لیے۔ پالکی کو اُٹھا کر چلنے لگے۔ نبی خاں، غنی خاں، دیا سنگھ اور دھرم سنگھ نے پالکی کو کندھوں پر اُٹھا لیا۔ مان سنگھ چنور جھلانے لگا۔ اِس طرح یہ قافلہ لدھیانہ کی طرف بڑھا۔ راستے میں اگر کسی نے پوچھا۔ یہ کون فقیر صاحب ہیں؟ تو اُن کے ساتھیوں نے جواب دیا — "یہ اُچ کے پیر" ہیں۔

یہ نام بہت دلچسپ ہے۔

روائت ہے کہ شری گورو نانک دیو جی مہاراج جب مکّہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ میں گئے تو عرب یاترا کے دَوران "اُچ" نام کی ایک جگہ پر پہنچے۔ جہاں ایک بہت اچھے فقیر رہتے تھے۔ لوگ انہیں "پیرانِ پیر" کہتے تھے۔ گورو نانک دیو جی مہاراج سے وہ اتنے متاثر ہوئے کہ اُنہیں ملنے کے لیئے ہندوستان آئے۔ اُن کے بعد اُن کے جانشین بھی شری گورو نانک دیو جی کے جانشینوں کو ملنے کیلئے آتے رہے — کئی لوگوں نے سمجھا کہ یہ وہی عرب والے "اُچ کے پیر" ہیں — اور ویسے بھی پنجابی میں "اُچ کے پیر" کا مطلب ہے وہ گورو جو دُوسروں سے

اُوپر ہے ۔ گورو گوبند سنگھ جی پالکی میں تھے ۔ اپنے بھگتوں کے کندھوں پر ۔ اُن سے بھی اُونچے ۔ اس لیئے لفظی طور پر " اُچ کے پیر " تھے ۔

لدھیانہ کے قریب پہنچے تو گورو جی کو ایک اُداسی سنت ملے جو اُس جہنت کرپال کی گدی پر بیٹھے تھے جس نے بھنگانی کی جنگ میں حصّہ لیا تھا ۔ اور جو اپنے آپ کو " کرپال " کہتے تھے ۔ اپنے گورو کا نام اُنہوں نے اپنا لیا ۔ لیکن اُس کے اوصاف نہیں اپنائے ۔ پہلے تو اُس نے گورو جی کا سواگت کیا ۔ بعد میں اُسے بھی چنتا ہونے لگی کہ اگر شاہی فوج کو پتہ لگ گیا تو کیا ہو گا ؟ " کرپال " کے ہاں پہنچنے پر گورو جی نے غنی خاں اور نبی خاں کو واپس بھیج دیا اور کرپال کی چنتا دُور کرنے کے لئے وُہ اُس کے ہاں سے چل کر جگراؤں پہنچے ۔ وہاں اُنہیں اپنا وُہ مسلمان بھگت ملا جو جگراؤں اور رائےکوٹ کا چوہدری تھا اور جسے گورو جی " کلّا چوہدری " کہتے تھے ۔ " کلا " گورو جی کو اس حالت میں دیکھ کر بہت دُکھی ہوا ۔ اس بات سے خوش بھی کہ اُسے گورو جی کی خدمت کرنے کا موقع ملا ہے ۔

کسی نے اُسے کہا ——— " گورو جی حکومت کے باغی ہیں ۔ حکومت کے جاسوس انہیں تلاش کر رہے ہیں ۔ اگر حکومت کو معلوم ہو گیا کہ تم نے گورو جی کو پناہ دی ہے تو وُہ تمہیں پیس کے رکھ دے گی ۔ "

کلّا خاں گرج کے بولا ——— " ہونے دو سب کچھ ۔ جو حکومت اس فقیر کو باغی سمجھتی ہے وُہ خدا سے خود بغاوت کرتی ہے ۔ خدا سے بغاوت کرنے والے بہت دیر تک زندہ نہیں رہتے ۔ ———

پھر بھی اُس نے گورو جی کو احتیاطاً اُس جاٹ پورہ میں ٹھہرا دیا جو زیادہ محفوظ تھا ۔ اور جہاں سے سرہند صرف پچاس میل کی دُوری پر تھا

اسی جاٹ پورہ میں گورو جی نے اپنے چھوٹے شہزادوں جوجھار سنگھ اور فتح سنگھ کے متعلق ایک افواہ سُنی ۔ اس میں دُرست کیا ہے اور غلط کیا ۔ اس کا پتہ نہیں لگا ۔ سچائی کو معلوم کرنے کے لئے کلّا چوہدری کا ایک آدمی سرہند بھیجا گیا ۔ واپس آ کر اُس نے جو کچھ بتایا اُسے لکھنے کے لئے آگ کا قلم چاہیئے ۔ سُننے کے لئے پتھر کا دِل ۔

کیسے لکھوں ؟ ——— یہ میں سمجھ نہیں پاتا ۔

لیکن پہلے ایک اور بات سُنیئے ——— چمکور کی جنگ میں دو جہاں دو لاکھ سے زائد پوری

طرح سے مسلح سپاہیوں کا مقابلہ صرف چالیس بہادروں نے کیا اور بار بار ان لاکھوں لوگوں کے لئے قیامت کا منظر جگا دیا۔ ایسی جنگ میں ......) لاہور کا صوبیدار زبردست زخمی ہو گیا۔ سرہند کا صوبیدار وزیر خاں تھک گیا۔ دونوں یہ کہہ کر واپس چلے آئے کہ اب "گورو" کو تلاش کرنا ہمارا نہیں جاسوسوں کا کام ہے۔ کتنے ہی جاسوس اس کام کے لئے مقرر کر دیئے گئے۔ انہیں حکم دیا گیا کہ سب جگہ سادھوؤں، سنتوں، فقیروں کے ڈیرے دیکھو ایسے ہی کسی ڈیرے پر "گورو" ملے گا۔

لیکن ایسے کسی بھی ڈیرے پر گورو مہاراج کسی کو ملے نہیں۔

جہاں وہ موجود تھے وہاں کسی نے دیکھا نہیں۔

۱۷

جوجھار سنگھ جی کا جنم ۱۶۹۷ء میں ہوا۔ فتح سنگھ جی کا ۱۶۹۹ء میں۔ ۱۷۰۴ء کے دسمبر مہینے میں جب وہ اپنی ماتا، اپنی دادی اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ آنند پور سے باہر آئے تو اُن کی عمر سات اور پانچ برس تھی۔

۲۰ دسمبر ۱۷۰۴ء کی اُس بھیانک رات میں جب تیز برفانی ہوا چل رہی تھی، ہر طرف اندھیرا تھا اور سرسا ندی کے کنارے کا جنگل بندوقوں کی دھائیں دھائیں، تیروں کی سن سن، تلواروں کی ٹنک ٹنک اور زخمی ہونے والوں کی ہائے ہائے سے گونج رہا تھا ـــــــ ایک بزرگ دیوی اور اُن کے دو ننھے ننھے ساتھی کانٹوں، جھاڑیوں، کنکروں اور پتھروں سے ہو کر کس طرح پاپیادہ آگے بڑھے یہ صرف بھگوان جانتے ہیں۔

سات برس کے جوجھار سنگھ اور پانچ برس کے فتح سنگھ کانٹوں سے زخمی ہونے پر بھی گھبرائے نہیں۔ روئے نہیں۔ ٹھٹھرتی سردی کی شکایت نہیں کی اُنہوں نے۔ یہ بھی نہیں کہا کہ نیند آئی ہے۔ یہ بھی نہیں کہا کہ ـــ بھوک لگی ہے ـــ پیاس لگی ہے ـــ" ان کی ماں بچھڑ گئی۔ دوسرے لوگ بچھڑ گئے۔ بزرگ دادی گوجری جی کے سوا کوئی ساتھ نہیں ـــ تو بھی وہ بڑھتے چلے گئے۔

صبح ہوئی۔ ایک گاؤں کے پاس پہنچے تو گنگو برہمن ملا جو کبھی گورو جی کے لنگر میں ملازم تھا۔ ماتا گوجری نے اُسے پہچانا۔ اُس نے ماتا گوجری کو۔ ساری بات معلوم ہونے پر اُس نے کہا: آپ میرے ساتھ چلیئے۔ میرے گھر۔ اسی گاؤں میں گھر ہے۔

تھکے ہوئے بچے۔ تھکی ہوئی بزرگ دیوی۔ تینوں نے شکر کیا کہ اپنا کوئی آدمی ملا ہے اس سے بھی زیادہ اس لئے شکر کیا کہ پاؤں کو آرام دینے کی کوئی جگہ ملی۔

لیکن بہت دیر آرام تو ملا نہیں۔

گنگو نے انہیں اپنے گھر لے جا کے سب سے اندرونی کمرے میں چھپا دیا۔

لیکن دوسرے دن جب اُسے پتہ لگا کہ اس کے مہمانوں کے پاس کافی سونا ہے۔ ہیرے اور جواہرات ہیں تو اُس کے من میں پاپ جاگا۔

یہ سب کچھ ایک گٹھڑی میں تھا۔

گنگو نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے ماتا گوجری کے پاس جا کر کہا "ذرا ہوشیاری سے رہیئے۔ آج کل ہمارے گاؤں میں چور بہت ہیں"۔

ماتا جی بولیں ——— "ہمیں چوروں کا ڈر کیا ہے؟ ہم تو تیرے مکان میں رہ رہے ہیں ———"

لیکن دوسرے ہی دن ماتا جی نہانے کے لئے باہر گیئں۔ واپس آئیں تو دیکھا کہ وہ گٹھڑی نہیں ہے۔ گنگو سے پوچھا تو اُس نے چلّانا شروع کر دیا ——— "آپ مجھ پر الزام لگاتی ہیں ۔"

ماتا جی نے کہا ——— "ارے بھائی الزام نہیں لگاتی۔ لیکن یہ تیرا گھر ہے۔ دوسرا کوئی یہاں آتا نہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ تُو نے اس گٹھڑی کو اٹھا کے کہیں ادھر اُدھر رکھ دیا ہو"۔

گنگو کو عقل کم تھی۔ اُس نے سوچا کہ اگر ماتا جی نے کسی کے پاس شکائیت کر دی تو لوگ اُسے پکڑ لیں گے۔ اُسے گٹھڑی واپس دینی پڑے گی اس لئے اچھا ہے کہ اس بوڑھی عورت کو اور اس کے بچوں کو گرفتار کرا دیا جائے۔

اُس کے گاؤں کا چودھری ساتھ والے گاؤں "کھیڑی" میں رہتا تھا۔ وہ اس چودھری کے پاس گیا۔ چودھری نے کہا ——— "ارے بے وقوف۔ یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ چل تحصیلدار کے پاس چلیں"۔

تحصیلدار "مورنڈا" میں تھا۔

وہ گنگو کے گھر آیا۔ ماتا گوجری جی۔ جو جھار سنگھ جی اور فتح سنگھ جی کو گرفتار کر کے وہ سرہند کے صوبے دار وزیر خاں کے پاس پہنچا۔ وزیر خاں نے حکم دیا ——— "انہیں مینار میں قید کر دیا جائے۔"

لوگوں کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ مینار کے پاس آنے لگے۔ مینار بہت اونچا نہیں۔ اُس کی اوپر والی منزل میں وہ تینوں تھے۔ اس کمرے کی ایک کھڑکی سے کمرے میں کھڑکی سے

پاس کھڑے لوگوں نے مُسکراتے ہُوئے بچّوں کو دیکھا۔ اُن کے نورانی، معصوم، بھولے سے چہرے دیکھے۔ اور ایک چنتا اُن کے من میں جاگ اُٹھی۔

دُوسرے دِن وزیر خاں نے حکم دیا ——— "اُن بچّوں کو دربار میں حاضر کرو۔"

مورنڈہ کے جس ناظم نے انہیں گرفتار کیا تھا۔ وُہ جوجھار سنگھ اور فتح سنگھ جی کو لینے کے لئے اس مینار میں پہنچا تو ماتا گوجری نے بچّوں کو بھیجنے سے انکار کر دیا۔

تحصیلدار نے انہیں متعدد قسمیں کھا کر کہا ——— "بچّے ابھی واپس آ جائیں گے۔ آپ خواہ مخواہ گھبرا رہی ہیں ———"

ماتا گوجری نے پھر بھی انکار کیا تو جوجھار سنگھ جی نے مضبوطی کے ساتھ کہا ——— "بڑی ماں! یہ آدمی جھوٹ بولتا ہے۔ ہم شاید واپس نہیں آئیں گے۔ لیکن اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔ ہم گورو تیغ بہادر کے پوتے ہیں۔ گورو گوبند سنگھ کے بیٹے۔ موت ہم سے ڈرتی ہے۔ ہم موت سے نہیں ڈرتے ———"

ماتا گوجری نے اُس خوبصورت بچّے کی طرف دیکھا جس کی آواز شہد کی طرح میٹھی تھی لیکن جس کی آنکھوں میں عزمِ صمیم کی ایک جگمگاتی روشنی چمک رہی تھی۔ اُس روشنی کو دیکھ کر ایک عجیب حوصلہ اُنہیں ملا۔ دھیمے سے وُہ بولیں ——— "تب جاؤ ——— واہگورو سب کچھ جانتا ہے۔ مَیں کچھ نہیں جانتی"

لیکن ناظم کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔

اِن چھوٹے چھوٹے بچّوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے ناظم نے کہا ——— "تم کو شاید معلوم نہیں کہ چمکور کے اندر تمہارے دونوں بھائی مارے گئے۔ تمہارے پتا بھی مارے گئے۔ تم دونوں زندہ رہنا چاہو تو صرف ایک طریقہ ہے کہ صُوبے دار وزیر خاں کے قدموں میں گر پڑو۔"

جوجھار سنگھ جی بولے ——— "تم جھوٹ بولتے ہو ناظم! ہمارے پتا گورو گوبند سنگھ جی کبھی مر نہیں سکتے۔ آسمان کبھی زمین پر گر نہیں سکتا۔ ہوا کا جھونکا پہاڑ کو اُڑا نہیں سکتا ——— اور رہی بات کسی صُوبے دار کے سامنے سر جھکانے کی ——— تو ہم گورو گوبند سنگھ کے سکھ ہیں۔ واہگورو کے سامنے سر جھکاتے ہیں یا گورو کے سامنے۔ کسی تیسرے کے سامنے یہ سر کبھی جھک نہیں سکتا۔"

ناظم نے یہ جواب سُنا تو اُس کے سینے میں غصّے کی آگ جل اُٹھی۔

دربار میں پہنچ کر اُس نے بتایا کہ ——— "اِن لوگوں میں سر سے پاؤں تک زہر بھرا ہوا ہے ———"

کئی لوگوں نے انہیں دیکھا۔ اُن کی معصومیت کو، اُن کے بھولے بھالے چہروں کو ــــ اور کہا۔
انہیں دربار میں لانا ہی غلط ہے۔ انہیں رہا کر دینا چاہیئے۔"

لیکن وزیر خاں کو گورو جی کے مقابلہ میں جو خفت اُٹھانی پڑی وُہ اُسے بھولا نہیں تھا۔ اپنے ہزاروں آدمیوں کو ہلاک کرا کے بھی وُہ گورو جی کو ختم یا گرفتار نہیں کر سکا تھا۔ کہنے کو تو اُس کی جیت ہوئی۔ لیکن عملی طور پر ایسی ہار جو ہزار شکستوں سے بد تر تھی اُس وقت کو یاد کرتے ہوئے اُس نے سوچا "یہ بچے مسلمان بنا کر بادشاہ کے پاس بھیج دُوں تو اورنگ زیب بہت خوش ہو گا۔"

اِس لئے اُس نے کہا ــــ "بچو۔ تمہاری سب گستاخی ہم معاف کر سکتے ہیں۔ لیکن تمہیں صرف اتنا کہنا ہو گا کہ ہم نے اسلام قبول کیا۔"

جوجھار سنگھ نے اپنے بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ــــ "ایسی بات کہنا نہیں فتح سنگھ گورو تیغ بہادر جی نے اپنا سر دیا، دھرم نہیں دیا۔ ہمارا بھی سر دینے کا وقت آ گیا ہے۔ ہم بھی سر دیں گے۔ دھرم نہیں دیں گے۔ ہماری موت کا بدلہ اِن ترکوں سے واہگورو دے گا۔"

وزیر خاں نے غصّے سے جلتے ہوئے کہا ــــ "بہت بے وقوف ہو تم۔ مَیں تمہیں معاف کرنے کو تیار تھا۔ اب بھی تیار ہوں۔ تمہیں اچھا کھانے کو ملیگا۔ اچھے کپڑے ملیں گے۔ مَیں بادشاہ کو کہہ کر تمہیں بہت بڑی جاگیر دلوا دوں گا ــــ لیکن ــــ تمہیں میری بات ماننی ہو گی ــــ"

جوجھار سنگھ جی گرج کر بولے ــــ "لعنت ہے تمہاری دولت پر۔ تمہارے کھانے پر، کپڑوں پر، جاگیر پر۔ تم شاید جانتے نہیں۔ ہم نے کھنڈے کا امرت پیا ہے اور کھنڈا ٹوٹ سکتا ہے۔ جھک نہیں سکتا۔"

فتح سنگھ جی چھوٹے تھے۔ فروری ۱۶۹۹ء میں اُن کا جنم ہوا۔ جنوری ۱۷۰۵ء میں گرفتار ہُوئے۔ مشکل سے چھ برس کے تھے وُہ۔ کچھ باتیں اُنہیں سمجھ آئیں۔ بہت سی وُہ سمجھ نہیں سکے۔ اِس لئے دھیمے سے بولے ــــ "یہ کیا کہتے ہیں؟"

جوجھار سنگھ نے پیار سے اپنے بھائی کو دیکھتے ہوئے کہا ــــ "یہ ہمیں مارنا چاہتے ہیں فتح سنگھ۔ مَیں نے انہیں کہا ہے۔ ہم مرنے سے ڈرتے نہیں۔ مر جائیں گے۔ لیکن اپنے گورو سے اور دھرم سے غدّاری نہیں کریں گے۔"

فتح سنگھ جی بولے ــــ "ٹھیک کہا تم نے۔ پتا جی ہمیشہ تو کہتے ہیں کہ جینا اور مرنا کچھ نہیں

جینے کے بعد مرنا۔ مرنے کے بعد جینا۔ یہ سب کھیل ہے۔

وزیر خاں کا ایک منشی تھا سُچا نند۔ اُس نے اپنی غلامانہ ذہنیت اور اپنی وفاداری کا مظاہرہ کرنے کے لئے کہا ——— "صوبیدار صاحب! یہ سانپ کے بچے ہیں۔ از سر تا پا یہ زہر ہیں۔ انہیں ہلاک کرنا ہی درست ہے۔"

تبھی نواب مالیر کوٹلہ تڑپ کر اُٹھے۔ اُنہوں نے کہا ——— "اس سے زیادہ شرمناک کھیل کبھی کسی نے دیکھا نہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے بچے۔ اور آپ اتنے بڑے بڑے بزرگ لوگ۔ اس طرح انہیں دھمکیاں دیتے ہیں۔ انہیں مذہب بدلنے کو کہتے ہیں۔ آخر ان کا جرم کیا ہے؟۔ ان کے باپ سے آپ کی دشمنی ہے۔ اُس کو آپ جیت نہیں سکے۔ اس کا بدلہ ان معصوم بے گناہ بچوں سے لینا چاہتے ہیں تو کس قانون کے تحت۔"

لیکن مالیر کوٹلہ کے نواب کی بات کسی نے سُنی نہیں۔

وزیر خاں نے گرجتی آواز میں حکم دیا ——— "لے جاؤ۔ ان سانپ کے بچوں کو۔ انہیں دیوار میں زندہ چُنوا دو ———"

وُہ عجیب زمانہ تھا۔ ظلم و درندگی پر انسان فخر کرتا تھا۔

لیکن اس درندگی کے لئے درندوں کے اُس دربار میں بھی کوئی آدمی نہیں ملا۔

بہت مشکل سے ایک غلزئی پٹھان نے صوبیدار کا حکم مانا۔

ان چھوٹے چھوٹے بچوں کو بازوؤں سے پکڑ کر دربار سے باہر لے جایا گیا۔

دیوار بنانے والے بُلائے گئے۔

دیوار شروع ہوئی۔ اُس کے ایک سرے پر جوجھار سنگھ جی کو کھڑا کر دیا گیا۔ دُوسرے پر فتح سنگھ جی کو۔ اُن کے پاؤں کے چاروں طرف اینٹیں رکھ دی گئیں۔ اُن میں گارا بھر دیا گیا۔ تب اینٹوں کا دُوسرا ردّا رکھا گیا۔

فتح سنگھ جی بولے ——— "یہ کیا کر رہے ہیں بھائی جی؟"

جوجھار سنگھ جی نے مضبوط آواز میں کہا ——— "گھبراؤ نہیں فتح سنگھ جی — یہ ہم کو مارنا چاہتے ہیں — ہاتھ جوڑ دو — بولو — "واہگورو جی کا خالصہ۔ واہگورو جی کی فتح۔"

فتح سنگھ جی نے بہت پیار بھری آواز میں کہا "واہگورو جی کا خالصہ۔ واہگورو جی کی فتح۔"

جوجھار سنگھ جی پھر بولے ——— "میرے ساتھ ساتھ کہو فتح سنگھ۔ ہاتھ جوڑے رکھو

آنکھیں موندلو۔ بولتے جاؤ۔ آدسچ۔ جگادسچ۔"

فتح سنگھ جی ــــ "آدسچ۔ جگادسچ۔"

جوجھار سنگھ جی ــــ "ہے بھی سچ نانک ہوسی بھی سچ۔"

فتح سنگھ جی ــــ "ہے بھی سچ نانک ہوسی بھی سچ۔"

جوجھار سنگھ جی ــــ "سوچے سوچ نہ ہووئی جے سوچے لکھ وار۔"

فتح سنگھ جی ــــ "سوچے سوچ نہ ہووئی جے سوچے لکھ وار۔"

جوجھار سنگھ جی ــــ "چُپے چُپ نہ ہووئی جے لائے رہا لِو تار۔"

فتح سنگھ جی ــــ "چُپے چُپ نہ ہووئی جے لائے رہا لِو تار۔"

جوجھار سنگھ جی ــــ "بھکھیاں بھکھ نہ اُتری جے بنہاں پُوریاں بھار۔"

فتح سنگھ جی ــــ "بھکھیاں بھکھ نہ اُتری جے بنہاں پُوریاں بھار۔"

جوجھار سنگھ جی ــــ "سہس سیانیاں لکھ ہوئی تاں اِک نہ چلّے نال۔"

فتح سنگھ جی ــــ "سہس سیانیاں لکھ ہوئی تاں اِک نہ چلّے نال۔"

جوجھار سنگھ جی ــــ "کِو سچیارا ہوئیے۔ کِو کُوڑے تُٹّے پال۔"

فتح سنگھ جی ــــ "کِو سچیارا ہوئیے۔ کِو کُوڑے تُٹّے پال۔"

اور دیوار لگاتار اونچی ہو رہی تھی۔ ردّے پر ردّا۔ اینٹ پر اینٹ۔

اور جوجھار سنگھ جی آنکھیں موندے ہاتھ جوڑے کہہ رہے تھے۔

حکم رجائی چلنا۔ نانک لکھیا نال ......" ؏۱

لیکن اب کے فتح سنگھ جی نے جواب نہیں دیا۔ جوجھار سنگھ جی نے آنکھیں کھولیں۔ دیوار اونچی ہو گئی تھی۔ فتح سنگھ جی کے ہونٹوں تک پہنچ گئی تھی۔ اب صرف آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔ ماتھا دکھائی دیتا تھا اور وہ پیار بھرا سر۔ اس کے اوپر چھوٹی سی پگڑی۔

؏۱ ۔ یہ شری گورو نانک دیو جی مہاراج کے "جپ جی صاحب" کا پہلا شبد ہے۔ مطلب ہے۔

" وہ اکال پرکھ شروع میں سچ تھا۔ اس کے بعد سچ تھا۔ آج بھی سچ ہے ہمیشہ سچ رہے گا۔"

" کتنا بھی سوچو۔ اس کا پار نہیں ملے گا۔"

" خاموش ہو جاؤ۔ اپنے آپ میں کھو جاؤ۔ تو بھی اس کا انت نظر نہیں آئے گا۔"

جوجھار سنگھ جی نے اصلیت کو سمجھا۔ آخری وقت آگیا ہے۔ اُن کی اپنی ٹھوڑی کے پاس بھی اینٹ پہنچ گئی تھی مسکراتے ہوئے اُنہوں نے کہا ــــ "میرا انتظار کرنا فتح سنگھ میں جلدی پہنچ جاؤں گا۔"

اور لمحہ بھر کیلئے انہوں نے دیکھا کہ فتح سنگھ جی کا ماتھا چمک رہا ہے اُن کی آنکھوں میں ایک عجیب روشنی جاگ اُٹھی ہے۔ صرف لمحہ بھر کے لئے دیکھ سکے وہ تبھی اُن کے چمکتے ماتھے کے سامنے ایک اور اینٹ آگئی۔ جوجھار سنگھ جی نے آنکھیں موند لیں۔ دل ہی دل میں کہا "ست نام کرتار۔ ست نام کرتار....."

اور جب یہ ظالمانہ کھیل ہو رہا تھا تبھی ایک گورو بھگت ہندو ساتھ والے گاؤں سے گھوڑا دوڑاتا چلا آتا تھا۔ ٹوڈرمل اُس کا نام تھا۔ سونے کی ہزاروں مہریں اُس کے پاس تھیں۔ اُسے معلوم ہوا کہ گورو جی کے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ ہزاروں مہریں لے کر وہ دوڑا کہ صوبیدار کو دولت دے کر ان معصوم بچوں کا جیون بچا سکیگا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ سرہند میں پہنچتا۔ یہ ظالمانہ کھیل ختم ہو چکا تھا۔ دیوار مکمل ہو چکی تھی ــــ کچھ لوگوں کو رشوت دے کر اُس مینار میں پہنچا جہاں ماتا گوجری جی اپنے جوجھار سنگھ اور فتح سنگھ کے واپس آنے کا انتظار کر رہی تھیں۔ بہت مشکل سے انہیں وہ سچی بات بتلا سکا۔ ماتا جی نے سب کچھ سُنا اور پچھاڑ کھا کے گر پڑیں۔ ٹوڈرمل رو رہا تھا۔ اُس نے ماتا جی کو اُٹھانے کی کوشش کی تو دیکھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اُٹھ گئی ہیں اِس ظالم دنیا میں نہیں جہاں تاج و تخت اور دولت و حکومت کے لئے بے گناہ معصوم بچے زندہ ہی دیواروں میں چُنوا دیئے جاتے ہیں۔

یہ ہے وہ کہانی جسے "کلا چودھری" کے آدمی نے سرہند سے واپس آکر سُنایا۔

گورو مہاراج ایک باغ میں زمین پر بیٹھے تھے۔ اُن کے سامنے کلا چودھری تھا۔ دیا سنگھ، دھرم سنگھ، مان سنگھ اور کتنے ہی دوسرے سکھ ــــ سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کتنے ہی لوگ بے قابو ہو کر رو رہے تھے۔ لیکن شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے چہرے پر دُکھ نہیں۔ آنکھ

"دُنیا کے عیش و آرام کے انبار جمع کر لو۔ بھوک مٹے گی نہیں۔"

"ہزار چالاکیاں کرو۔ اُس کے سامنے کوئی چلتی نہیں۔"

"تب سچائی کو پانا کیسے؟ جھوٹ کے پردے سے نجات حاصل کرنا کس طرح؟"

"ایک ہی طریقہ ہے۔ اُس کی رضا کے سامنے سر جھکا دو۔ اُس کی رضا کے ساتھ ساتھ چلو۔"

میں آنسو نہیں۔ وُہ اِس بات کو سنتے رہے۔ اپنے ہاتھ کے نیزے سے اپنے سامنے لگے ایک جنگلی پودے کی جڑیں کھودتے رہے۔" کلا چودھری" کے آدمی نے بات پُوری کی تو گورو مہاراج نیزے کو تھوڑا آگے کر کے پودے کو زمین سے باہر نکال کر ایک طرف پھینکتے ہُوئے دھیمے سے بولے۔" اِس طرح ترکوں کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ ہم نے اُس کی جڑیں کھود دی ہیں ع۱۔ ع۲۔ ع۳

ع۱۔ اور واقعی اِس پیش گوئی کے دو برس بعد ۳ مارچ ۱۷۰۷ء کے روز بوڑھا اورنگ زیب حسرت بھری نگاہوں سے اپنی اُس سلطنت کو دیکھتا ہُوا مر گیا جس میں ہر طرف بے چینی اور بغاوت کی آگ جل رہی تھی ہر طرف پھُوٹ و انتشار کی دراڑیں جاگ رہی تھیں۔ اُس کشتی کی طرح تھی یہ سلطنت جس کے پیندے میں سینکڑوں سُوراخ ہو گئے ہوں، پانی کشتی میں گھُس آتا ہو، ڈوبنے کا وقت قریب آگیا ہو۔

اور اِس سے تین برس بعد گورو مہاراج کے اُس عظیم بھگت نے جسے کچھ لوگ" بندہ سنگھ" کہتے ہیں۔ دوسرے "بندہ بہادر" اور "بندہ بیراگی" اس سرہند کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اِس طرح وہاں قیامت جگائی کہ وزیر خاں رہا نہ اُس کی صُوبیداری۔ سرہند کا نام و نشان مٹ گیا۔ کوئی مکان ثابت نہ رہا۔ کوئی پریوار ثابت نہ رہا۔

ع۲۔ مالیر کوٹلہ کے حکمران اُس وقت نواب شیر محمد خاں تھے۔ اُنہوں نے اِن معصوم بچوں کے متعلق نہ صرف وزیر خاں سے کہا کہ انہیں رہا کر دیا جائے بلکہ اورنگ زیب کو ایک خط لکھ کر بھی یہ درخواست کی کہ کسی نے اُن کی بات سُنی نہیں۔ لیکن اُن کے دِل میں انسانیت تھی۔ رحم تھا۔ اِس لئے گورو مہاراج نے کہا" اُس کے خاندان کا راج صدیوں چلے گا ——" اور واقعی ۱۹۴۸ء کے ابتدائی مہینوں تک مالیر کوٹلہ کی ریاست موجود تھی۔ نواب شیر محمد خاں کا پریوار وہاں راج کر رہا تھا۔

ع۳۔ گورو مہاراج کے صاحبزادوں کے ناموں کے متعلق دو رائیں ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بتدریج اُن کے نام تھے۔ اجیت سنگھ۔ زور آور سنگھ۔ جوجھار سنگھ اور فتح سنگھ۔ دُوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ دوسرے صاحبزادے کا نام جوجھار سنگھ تھا۔ تیسرے کا زور آور سنگھ۔ مَیں نے پہلی رائے کے مطابق نام لکھے ہیں۔

۱۸

جاٹ پورہ میں گورو مہاراج بہت دن رہے نہیں ۔ وہاں سے وہ پہلے کی طرح پالکی میں چلے۔ راستے میں ایک سکھ نے انہیں ایک گھوڑا بھینٹ کیا تو گورو جی نے پالکی چھوڑ دی۔ گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھے۔ "دینا" پہنچے جہاں انہیں ان کے تین بھگت ملے ۔ شمیرا، لکھمیرا اور تخت مل ۔ تینوں بھائی تھے تینوں نے اُن کا سواگت کیا۔ اُن کے چرنوں پر سر جھکا دیئے ۔ گورو مہاراج نے انہیں بتایا کہ شاہی فوج میرا پیچھا کر رہی ہے ۔ میرا ساتھ دینے سے آپ پر بھی مصیبت آسکتی ہے۔"

تینوں کی طرف سے شمیرا نے کہا ۔ "آپ ہمارے گورو ہیں۔ آپ کی سیوا کرتے ہوئے مصیبت آتی ہے تو آنے دیجئے ۔ آپ لگاتار سفر کر رہے ہیں ۔ پورا سامان بھی ساتھ نہیں۔ کچھ دن آرام کیجئے۔ پھر جانے کی سوچئے۔"

اُن کے زور دینے پر گورو جی "دینا" میں ٹھہر گئے۔ عملی طور سے وہ ان تین بھائیوں کے مہمان تھے ۔ سرہند کے صوبیدار وزیر خاں کو اس بات کا پتہ لگا تو اس نے شمیرا کو لکھا ۔ "تم ایک خطرناک باغی کو اپنے ہاں پناہ دے رہے ہو۔ اگر اپنے جان و مال کی تباہی نہیں چاہتے تو گورو کو فوراً گرفتار کر کے ہمارے سامنے پیش کرو۔"

شمیرا نے جواب میں لکھا ۔ "میں کسی باغی کو جانتا نہیں۔ وہ ہمارے گورو ہیں۔ گورو کی سیوا کرنا ہمارا فرض ہے۔"

اس جواب کے بعد وزیر خاں نے پھر اپنی فوج کو جمع کرنا شروع کیا ۔ اور گورو مہاراج اس بات سے بے نیاز کہ کون کہاں کیا کرتا ہے۔ "دینا" کے اندر بھی "بھگتی رس" اور "ویر رس" کو اس طرح جگاتے رہے جیسے کہیں کچھ نہیں ہوا ۔

"دینا" میں ہی گورو مہاراج کے پاس بادشاہ کا تیسرا خط آیا۔ جس میں ایک بار پھر گورو مہاراج کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ "شہنشاہِ ہندوستان عالمگیر بادشاہ اورنگ زیب" کو ملنے کے لئے آئیں۔ معلوم

ہوتا ہے کہ اورنگ زیب نے یہ خط گورو جی کو اس وقت لکھا جب اسے نواب مالیر کوٹلہ کی یہ درخواست ملی کہ گورو مہاراج کے معصوم بچوں کو قتل نہ کیا جائے"۔ اور جب اس کے ساتھ ہی اسے یہ اطلاع بھی ملی کہ آٹھ برس کے جوجھار سنگھ اور چھ برس کے فتح سنگھ کو زندہ ہی دیوار میں چنوا دیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سفاکانہ قتل کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے اس کے سینے میں سوئی ہوئی انسانیت جاگ اٹھی ہو۔ اور اس نے ایمانداری سے سوچا ہو کہ گورو گوبند سنگھ جی کو اپنے پاس بلا کر ان کے من کو شانت کرنا چاہئیے۔

لیکن گورو جی تو خود شانتی کا علمبردار تھے۔ انہیں وہ آدمی شانتی کیسے دیگا جس کے سینے میں گناہوں کی آگ جل رہی تھی اور جسے معلوم نہیں تھا کہ "شانتی" کس چیز کو کہتے ہیں۔ گورو مہاراج نے اورنگ زیب کا یہ خط پڑھا۔ اس کے جواب میں وہ منظوم تاریخی خط لکھا جسے انہوں نے بجا طور سے "ظفر نامہ" کہا۔ اس منظوم خط کی ادبی خوبیوں کے علاوہ اس میں حیرتناک بات یہ ہے کہ اتنے بڑے وناش کے بعد بھی، گھر بار چھن جانے کے بعد بھی۔ دولت و ثروت ختم ہو جانے کے بعد بھی اور اپنے ہزاروں ساتھیوں اور اپنے چاروں کے چاروں بیٹوں کی شہادت کے بعد بھی اس عظیم انسان میں رتی بھر کمزوری نہیں۔ ایک لمحہ کے ہزارویں حصے کے لئے بھی تزلزل نہیں۔ تذبذب نہیں۔

آنند پور چھن گیا۔ پرشادی ہاتھی نہیں۔ نیلی گھوڑی نہیں۔ وہ کابلی شامیانہ نہیں۔ وہ محلوں جیسے مکان نہیں۔ وہ لنگر نہیں جہاں ہر روز ہزاروں لوگ کھانا کھاتے تھے۔ جہاں کبھی کسی بھی وقت کسی کو انکار نہیں ہوتا تھا۔ وہ ہزاروں ساتھی شہید ہو گئے جنہیں انہوں نے سادھارن عوام سے اٹھا کر بھگتی رس اور ویر رس کا اوتار سنت سپاہی بنا دیا تھا۔ ماں چلی گئیں، بیٹے چلے گئے۔ پریوار اس طرح بکھر گیا جیسے موتیوں کی مالا ٹوٹ گئی، دانے بکھر گئے ہوں —— وہ ماچھی واڑے کا جنگل۔ وہ بھوک وہ پیاس۔ وہ سردی۔ وہ "آک کے پتوں کا بھوجن"۔ وہ پاؤں کے آبلے۔ وہ راستے کے کنکر۔ کانٹے۔ پتھر —————— اور پھر یہ سب کچھ ختم نہیں ہوا۔ اب بھی وزیر خاں سرہند میں فوج جمع کر رہا ہے۔ اب بھی شاہی جاسوس ان کے چاروں طرف منڈلا رہے ہیں۔ اب بھی رہنے کا ٹھکانہ نہیں۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود انہوں نے یہ خط لکھا تو اس طرح جیسے اورنگ زیب ایک شکست خوردہ، حقیر یا بے حیثیت سا آدمی ہو۔ گورو مہاراج ازراہ کرم اسے کہتے ہوں کہ وہ تباہی کے راستے پہ نہ چلے۔

اس خط میں انہوں نے اپنا وہ عظیم فلسفہ بیان کیا جس کی سچائی سے کبھی کوئی اصلیت پر ست

اِنکار نہیں کرسکتا۔

"چُوں کار از ہمہ حیلتے در گذشت
حلال است بُردن بہ شمشیر دست"

جب دُوسرا کوئی راستہ نہ رہے۔ تو ظلم و ناانصافی کو ختم کرنے کے لیے تلوار اُٹھانا کلیتاً حلال ہے۔ درُست اور جائز ہے ——"

بادشاہ نے ایسی سچی باتیں شاید پہلے کبھی سنی نہیں تھیں۔ اس لیئے اس نے ان کو سُنا تو شاید اس کی آنکھیں کُھلیں۔ شاید اس کی سنگدلی میں بھی سُوراخ ہُوا۔

یہ خط لے کر بھائی دیا سنگھ اور بھائی دھرم سنگھ جی گئے تھے۔ دکن میں احمد نگر کے اندر وہ بادشاہ کو ملے۔ اُسے یہ خط دیا۔ بادشاہ نے اُسے سُنا تو غصّے میں آ کر اُس نے یہ نہیں کہا کہ "خط لانے والوں کو سُولی پر چڑھا دو" — بلکہ حکم دیا کہ انہیں تحفے دیئے جائیں۔ عزّت سے واپس بھیجدیا جائے۔ اور شاید اسی خط کا اثر تھا کہ اپنی زندگی کے آخری خط میں اس نے اپنے بیٹے کو لکھا۔

"...... جو کچھ مَیں نے کیا۔ اُسے ایک بوجھ کی طرح اپنے سر پہ رکھ کے مَیں اس نامعلوم کی طرف جا رہا ہُوں جس کا کسی کو کچھ پتہ نہیں۔ ...... حیرت ہوتی ہے کہ مَیں اس دُنیا میں اکیلا آیا تھا۔ اب اپنے اعمال کا کارواں ساتھ لے کر جا رہا ہُوں —— میرے دل میں اُن قوّتوں کے متعلق تشویش ہے جو ہر طرف جاگ رہی ہیں۔ اُس موت کا بیحد خوف بھی جو میری آنکھوں میں گھُورتی ہے۔ ہر طرف اندھیرا نظر آتا ہے۔ نہیں معلوم کہ اس تاریکی میں میرا نصیب کیا ہے۔ لیکن یہ جانتا ہُوں کہ بہت بڑے بڑے گناہ مَیں نے کیئے ہیں — صِرف خدا جانتا ہے کہ کیسی سزا مُجھے ملے گی[1] ——————————————"

دیا سنگھ جی اور دھرم سنگھ جی گورو مہاراج کا خط لے کر جس راستہ سے گئے۔ وہ یہ ہے:۔
دینا سے دہلی۔ دہلی سے آگرہ۔ تب چمبل دریا کو پار کر کے اُجین۔ وہاں سے آگے جا کے نربدا کو پار کرنے کے بعد بُرہان پور کے راستہ سے اورنگا باد۔ اور تب وہاں سے احمد نگر جہاں بادشاہ مقیم تھا۔

---

[1] یہ اُس فارسی خط کے ایک حصّہ کا ترجمہ ہے جو بادشاہ اورنگ زیب نے اپنے بیٹے بہادر شاہ کو اپنی موت سے پہلے لکھا تھا

دیا سنگھ اور دھرم سنگھ نے یہ سارا سفر مسلم فقیروں کے لباس میں کیا۔ احمد نگر میں جیٹھا سنگھ نام کا ایک سکھ انہیں ملا جس نے انہیں بادشاہ سے ملنے میں مدد دی۔

---x---

گورو جی نے ایک طرف یہ خط لکھا دوسری طرف ایک بار پھر لوگوں میں بیداری، بے خوفی، خود اعتمادی اور حریت پرستی کو اُبھارنے کی کوشش شروع کر دی۔ وہ "دینا" سے آگے بڑھے۔ گاؤں گاؤں میں ایشور بھگتی کا پرچار کرنے، نام کیرتن کا امرت برسانے، لوگوں کو ہتھیار رکھنے، ہتھیار چلانے کا اپدیش دیتے ہوئے وہ "بھگتا" نام کے گاؤں میں پہنچے جو فرید کوٹ کے علاقہ میں ہے۔ اس گاؤں میں گورداس، تارا، بھارا، مہرہ اور بختا نام کے پانچ بھائی رہتے تھے۔ اُن کے پتا (اور اس گاؤں کے بانی) بھائی بھگتو کے دادا بھائی بھیلو شری گورو ارجن دیو جی مہاراج کے بھگت تھے۔ پانچوں بھائیوں نے تین روز تک گورو جی مہاراج کو اپنے ہاں رکھا۔ چوتھے روز گورو جی نے خود کہا "میرا بہت دیر یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ شاہی فوج کا عتاب تم لوگوں پر ہو یہ میں چاہتا نہیں"۔ اور وہ روانہ ہونے لگے تو پانچوں بھائیوں نے ایک خوبصورت گھوڑا بہت خوبصورت ساز اور زین سے سجا ہوا بھینٹ کیا۔

بھگتا سے آگے بڑھ کر وہ اُس قصبے میں پہنچے جسے اب کوٹ کپورہ کہتے ہیں۔ اُس وقت اس قصبے میں گورو مہاراج کا ایک سکھ کپورا رہتا تھا۔ ایک اچھے خاصے قلعے کی طرح اُس کا مکان تھا۔ گورو مہاراج اس مکان سے باہر پیپل کے ایک درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔ جس کے آس پاس مکان کے مقابلہ میں کافی نیچی زمین تھی۔ کپورا کو اس بات کا پتہ لگا تو وہ مکان سے باہر آیا۔ گورو جی کو پرنام کیا۔ انہیں ایک خوبصورت گھوڑا بھینٹ کیا۔ کافی دیر وہ ان کے پاس بیٹھا رہا۔ شام ہونے سے پہلے اپنے مکان میں چلا گیا۔ دوسرے دن وہ پھر آیا تو دیکھا کہ گورو جی اپنے سامنے اپنے ہتھیار لئے بیٹھے ہیں۔ بہت پیار سے اور عزت سے انہیں دیکھ رہے ہیں۔

کپورا نے پوچھا۔ "مہاراج! اِن ہتھیاروں کو اس طرح کیوں دیکھتے ہیں؟"

گورو جی بولے۔ "اِن ہتھیاروں سے میں مظلوموں کی رکشا کرتا ہوں۔ ان سے میں ظالم کا مقابلہ کرتا ہوں۔ اسلئے انہیں پیار بھی کرتا ہوں۔ ان کی عزت بھی کرتا ہوں۔ یہ اُس مہا شکتی کا ٹھوس روپ ہیں جو ظلم و ناانصافی کو برداشت نہیں کرتی۔ کمزور کو طاقت دیتی ہے اور مظلوم کو حوصلہ۔"

کپورا کو بات سمجھ آ گئی۔ لیکن گورو مہاراج کی دوسری بات سمجھ نہیں آئی۔

گورو جی نے کہا "اے کپورا! تیرا یہ قلعے جیسا مکان بہت اچھا لگا مجھے۔ اگر اس قلعے میں خاموشی سے

مناسب سامان جمع کر دیا جائے۔ مناسب فوج جمع کر دی جائے تو بڑی سے بڑی شاہی فوج کا مقابلہ یہاں ہو سکتا ہے۔"

سب لوگ بہادر نہیں ہوتے۔ کئی لوگ باتیں بہادری کی کرتے ہیں، دل میں بزدلی چھپائے رکھتے ہیں۔ کپورا بھی ایسا ہی تھا۔ گورو مہاراج کی بات سنتے ہی اس کا دل گھبرانے لگا۔ سر جھکا کر اس نے کہا "یہ تو ٹھیک نہیں گورو جی۔ آپ نے اپنا سب کچھ تباہ کر لیا۔ جنگلوں میں بے فکر ہو کر گھوم رہے ہیں۔ میں تو ایسا کر نہیں سکتا۔ ترک فوج کا مقابلہ کرنے کی ہمت مجھ میں نہیں۔"

گورو مہاراج نے آنکھیں موند لیں۔ تھوڑی دیر خاموش رہے۔ تب آنکھیں کھول کر بولے "ٹھیک کہا ہے تو نے۔ یہ تیرے بس کی بات نہیں۔ تو جھوٹا سکھ ہے۔ تیرے نصیب میں ذلیل و رسوا ہو کر ترکوں کے ہاتھ سے مرنا لکھا ہے۔ وہ تیرے سر کو خاک میں ملا کر تیرے جسم کو الٹا لٹکا دیں گے۔"

کپورا نے یہ بات سنی۔ اسی وقت اٹھ کے اپنے مکان میں چلا گیا۔ مکان کے دروازے اس نے مضبوطی سے بند کر دیئے کہ گورو جی یا ان کے ساتھی زبردستی اندر نہ آ جائیں۔

لیکن گورو جی ایسا کیوں کرتے؟ وہ دوسرے ہی دن وہاں سے چلے "ڈھلواں" میں پہنچ گئے۔ جہاں "کولی" نام کا ایک بوڑھا جگت ان کے درشن کرنے آیا۔ اپنے ساتھ دوسری چیزوں کے علاوہ گورو مہاراج کے لئے پہننے کے کپڑے بھی وہ لایا۔ اب تک گورو جی وہ نیلے کپڑے ہی پہنے ہوئے تھے جو انہوں نے "اُتّچ کا پیر" بنتے وقت پہنے تھے ___ گورو جی نے نئے کپڑے پہنے تو ان نیلے کپڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں جلانا شروع کر دیا۔

کسی نے پوچھا ___ "یہ آپ کیا کرتے ہیں گورو مہاراج؟"

گورو جی نے ہنستے ہوئے کہا ___ "ترک سامراج کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہوں۔ اب یہ سامراج رہے گا نہیں۔"

آسا کی وار میں شری گورو نانک دیو جی مہاراج کے ایک سبد کے آخری حصے میں آتا ہے:-

___ "نیل بستر لے کپڑے پہرے ترک پٹھانی عمل کیا" (نیلے کپڑے کا لباس پہن کر لوگ ترکوں اور پٹھانوں کی طرح رہنے لگے) ___ گورو مہاراج نے شاید اسی کو یاد کرتے ہوئے کہا ___ "نیل بستر لے کپڑے پھاڑے ترک پٹھانی عمل گیا۔" (نیلے رنگ کے کپڑے پھاڑ دیئے میں نے۔ آج سے ترکوں اور پٹھانوں کی حکومت ختم ہو گئی۔")

بیان کیا جاتا ہے کہ نیلے کپڑے کو جلاتے وقت ایک بڑا سا ٹکڑا بچ گیا تو گورو جی نے اسے ایک

طرف پھینک دیا۔ بھائی مان سنگھ نے جلدی سے وہ ٹکڑا اُٹھایا۔ اپنے سر پہ رکھ لیا۔

گورو مہاراج مسکرائے۔ بولے۔ "یہ کیا کرتے ہو بھائی؟"

مان سنگھ نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔ "آپ کے مقدس جسم سے یہ کپڑا اتنے دن لگا رہا۔ اس کی جگہ زمین پر نہیں، میرے سر پر ہے۔"

گورو جی سوچتے ہوئے بولے۔ "اب یہ اُتارنا نہیں۔ یہ کپڑا آپ کے اُس دور کی نشانی ہے جس سے ہم گذر کر آئے ہیں۔"

کہا جاتا ہے کہ اس کپڑے کی وجہ سے ہی آج بھی نہنگ اکالی اپنے سر پر نیلے رنگ کی پگڑی پہنتے ہیں۔

ڈھلواں سے گورو جی "ملوکا" و "کوٹھا" کے علاقہ میں پہلے جنگل سے ہو کر جیتو میں پہنچے۔ جو آجکل نابھہ ضلع میں ہے۔ اور جو انگریزی عہد میں ایک عظیم اکالی مورچے کا مرکز تھا۔ جیتو کے پاس ہی گورو جی کو "کپورا" ملا۔ جو شکار کرتا کرتا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اُدھر آنکلا تھا۔ گورو جی کو دیکھتے ہی اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ سر جھکا کر بولا۔ "آپ مجھ سے ناراض ہو کر چلے آئے۔ مجھے بددعا دے آئے۔ لیکن میں کیا کروں۔ آپکے لئے پیار میرے دل میں ہے۔ لیکن آپ کی طرح بہادر تو میں نہیں۔ وزیر خاں اپنی فوج لے کر بڑھا آتا ہے۔ اسی لئے میں نے کہا کہ آپ میرے مکان میں مت رہیئے۔ میری مجبوری کو دیکھیئے اپنی بددعا واپس لے لیجئے۔"

گورو جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جو کہدیا سو کہدیا۔ اُسے بدلے گا کون؟ لیکن تم اب، چھوڑو۔ ہمیں کوئی آدمی دو۔ جو اس جنگل کے راستوں سے واقف ہو۔"

کپورا نے کچھ آدمیوں کو گورو جی کے ساتھ جانے کی ہدایت کی۔ یہ بھی کہا کہ انہیں کھدرانہ لے جاؤ۔ وہاں اچھا تالاب ہے۔ پانی ہے۔ لیکن اگر یہ شاہی فوج سے لڑیں تو ان کا ساتھ نہیں دینا۔ کوشش کرنا کہ لڑائی نہ ہو۔"

گورو جی خود بھی اس وقت لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ لڑنے سے پہلے وہ مناسب تیاری کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے وہ جنگل جنگل ہوتے ہوئے آگے بڑھے۔ انہیں دنوں میں "ماجھا" کے ان سکھوں کو جو عین جنگ کے وقت دُنی چند کے ساتھ آنند پور سے بھاگ آئے تھے گورو جی کی تکلیفات کا پتہ لگا۔ وہ اکٹھے ہوئے۔ گورو جی کی تلاش میں نکل پڑے۔ آخر ایک جنگل میں انہیں ملے۔ گورو مہاراج کے چرنوں میں

سر جھکایا انہوں نے۔ پرنام کیا۔ اُن کی طرف سے ایک آدمی نے کہا۔" گورو جی۔ آپ کو جو تکلیفیں اُٹھانی پڑیں اُن کا حال سُن کے ہمارا دِل روتا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چلیئے۔ ہمارے پاس رہیئے۔ ہمارا جو کچھ بھی ہے، وہ سب آپ کا ہے۔ لیکن ہماری پرارتھنا ہے کہ بادشاہ کے ساتھ لڑنا بند کر دیجیئے۔ شری گورو نانک دیو جی کی طرح امن سے رہیئے"۔

گورو جی نے ان کی بات سُنی۔ دُکھ کے ساتھ بولے۔" بزدلی نے کتنا چھوٹا بنا دیا ہے تم کو۔ تم مجھے ظلم کے سامنے سر جھکانے، اُس کے ساتھ سمجھوتہ کر لینے کا مشورہ دینے آئے ہو؟۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ اور جانے مت، پہلے بے دعویٰ لکھ کر دے جاؤ۔ کہ تم میرے سکھ نہیں ہو۔ تمہاری حمایت مجھے چاہیئے نہیں تُم ایک بار مُجھے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اَب پھر بھاگ جاؤ گے۔"

اِن سکھوں نے بے دعویٰ لکھا۔ دستخط کیئے۔ چلے گئے۔

لیکن جب یہ اپنے اپنے گاؤں میں پہنچے تو ہر طرف سے لعنت پڑنے لگی۔

جھبال میں ایک دیوی رہتی تھی "مائی بھاگو"۔ اُسے پتہ لگا کہ گورو مہاراج کو تکلیف میں چھوڑ کر یہ لوگ انہیں "بے دعویٰ" لکھ کر دے آئے ہیں تو اُس نے گاؤں گاؤں میں پہنچ کر بے دعویٰ لکھنے والوں کے خلاف اس طرح جذبات کو اُبھارا کہ ہر گاؤں میں ان لوگوں کے لئے پھٹکار جاگ اُٹھی۔ اس سے ایک نیا جوش پیدا ہوا۔ نیا حوصلہ جاگا۔ پانچ سکھ اُسی وقت اس جنگل کی طرف چل پڑے جہاں وہ گورو مہاراج کو ملے تھے۔ گورو مہاراج کے چرنوں میں گر کر انہوں نے کہا۔" ہم معافی مانگنے آئے ہیں"۔

گورو جی نے ہنستے ہوئے کہا۔" عجیب لوگ ہو تم۔ کبھی چلے جاتے ہو۔ کبھی واپس آتے ہو۔ اب آئے ہو تو مضبوطی سے رہنا۔ میرا راستہ تلوار کی دھار کی طرح ہے۔ بہت کٹھن ہے یہ۔ لیکن ایک بار جو اس پر چلے اس کے لیئے بے انت سورگ کے دروازے کھل جاتے ہیں"۔

اور تب کچھ اور لوگ آئے۔ روایت کے مطابق ان کی تعداد ۳۵ تھی۔ انہیں میں رٹول کے بھائی جہان سنگھ اور جھبال کی وہ مائی بھاگو بھی تھی جس نے جگہ جگہ پہنچ کر لوگوں کو بیدار کیا تھا۔ اُن کی پست حوصلگی کو ختم کیا تھا۔ ان کے دلوں میں پھر سے دیش بھگتی اور گورو بھگتی کی روشنی جگا دی تھی۔

"بھاگو" نوجوان نہیں تھی۔ شاید تیس برس کے قریب اس کی عمر تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ چہرے پر جلال۔ بازوؤں میں طاقت۔ وہ گورو مہاراج کے پاس آئی تو مردانہ لباس زیب تن کر کے، سر پہ پگڑی پہن کے۔ کمر میں دو تلواریں باندھ کے۔

گورو مہاراج نے اُسے دیکھا تو مُسکرائے۔

بولے ۔ ادھر آؤ سردار ۔ تمہارا نام کیا ہے ؟"

سردار آگے بڑھا ۔ گھٹنے ٹیک دیئے ۔ گورو مہاراج کے چرنوں پہ سر رکھ دیا ۔

اور تبھی پتہ نہیں اُسے کیا ہُوا ۔ اس کے ہونٹوں سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی ۔ آنکھوں میں آنسو چھلچھلا اُٹھے ۔

گورو مہاراج نے اُسے اُٹھنے کیلئے کہا ۔ اُس کے چہرے پہ گرتے آنسو، دبی سسکی سے لرزتے ہونٹ دیکھ کر بولے ۔"کیا ہُوا تمہیں ؟"

سردار نے سر جھکا کے کہا ۔ میں ایک عورت ہُوں ۔ میرا نام بھاگو ہے ۔ میرے علاقہ کے لوگوں نے جو غلطی کی اس کا پرائشچت کرنے آئی ہُوں ۔

گورو جی ہنستے ہُوئے بولے ۔ وہ تو میں نے دیکھا ۔ لیکن تمہیں دُکھ کس بات سے ہُوا ؟

بھاگو نے ہاتھ جوڑ کر گورو جی کے چرنوں کو اپنی آنسو بھری نگاہوں سے چُومتے ہُوئے کہا ۔ مجھے ڈر ہے سرکار ۔ آپ مجھے اپنے پاس رہنے نہیں دیں گے ۔ جنگ ہُوئی تو مجھے لڑنے نہیں دیں گے ۔"

گورو جی پیار کے ساتھ بولے ۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا بھاگو ۔ میں نے تمہارا پیار دیکھ لیا ۔ تمہاری بھگتی دیکھ لی ۔ وہ دونوں واہگورو کو بس میں کر لیتے ہیں ۔ میں تو صرف گورو ہُوں ۔ آج سے تم ہمارے ساتھ رہو گی ۔ ہم لڑیں تو تم بھی لڑو گی ۔"

اور یہ لڑائی دُور نہیں تھی ———

کھدرانہ کے تالاب پہ پہنچ کر گورو جی نے دیکھا کہ تالاب سُوکھا پڑا ہے ۔ اُس میں پانی ایک بُوند بھی نہیں ——— لیکن یہیں اُنہیں اطلاع ملی کہ وزیر خاں پانچ ہزار سپاہیوں کو لے کر بڑھا آ رہا ہے ۔ ایک سکھ نے درخت پہ چڑھ کر پرلی طرف دیکھا تو معلوم ہُوا کہ یہ اطلاع دُرست ہے ——— دُور پرلی طرف دھُول اُڑ رہی ہے ۔ کچھ جھنڈے بھی دکھائی دیتے ہیں ۔

گورو جی بولے ۔ تب مقابلہ کرنا ہوگا ۔ یہ سُوکھا ہُوا تالاب ہی ہمارا مورچہ ہوگا ۔"

سب لوگوں کو مناسب جگہوں پہ کھڑا کر کے ۔ انہیں مناسب ہتھیار دے کر اور ضروری ہدایات دے کر وہ خود آگے بڑھے ۔ کافی دُور ایک ٹیلے پہ جا کر کھڑے ہو گئے ———

تبھی وزیر خاں کی فوج پہنچ گئی ———

کپورا اُس کی رہنمائی کر رہا تھا ——— اُسے معلوم تھا کہ اس نے گورو جی کو کھدرانہ کی طرف بھیجا ۔ کھدرانہ میں ہی وہ اپنے اس "آقا" کو لے آیا ۔

اور تب ایک بار پھر ایسی جنگ شروع ہو گئی جسے جنگ نہ کہہ کر بدترین ظلم کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا — ایک طرف پانچ ہزار تربیت یافتہ، پوری طرح مسلح، پیشہ ور سپاہی۔ جن کے پاس کھانے کی کمی نہیں، پہننے کی کمی نہیں۔ ساز و سامان کی کمی نہیں۔ دوسری طرف مٹھی بھر سکھ جن میں زیادہ تر کسان یا دوکاندار ہیں۔ جن کے پاس پورے ہتھیار نہیں۔ مورچہ بندی کے لئے پورا سامان نہیں — اور جن کی تعداد ....:—

چالیس آدمی مائی بھاگو کے ساتھ آئے —

شاید پندرہ، بیس آدمی گورو جی کے ساتھ تھے —

پانچ آدمی ان کے ساتھ ٹیلے پر چلے گئے۔

مغل فوج کے پانچ ہزار سپاہیوں کے سامنے مشکل سے پچاس پچپن آدمی تھے۔ انہیں میں وہ بھاگو بھی۔ جو اپنے بالوں کو چھپانے کے لئے بار بار اپنی پگڑی کو سر کے اوپر دبا لیتی تھی —

لیکن جنگ شروع ہوئی تو گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کا "جادو" پھر جاگ اٹھا — گورو مہاراج کے مٹھی بھر سپاہیوں نے بادشاہی فوج کے لئے قیامت جگا دی — ہر طرف لاشیں تڑپنے لگیں ——

وزیر خاں سمجھ نہیں پاتا تھا کہ یہ ہوتا کیا ہے؟ — سکھ بہادر آگے بڑھتے۔ وار کرتے تو دشمن کا سر کٹ جاتا — وزیر خاں کے سپاہی آگے بڑھتے۔ وار کے لئے تلوار اٹھاتے تو تلوار کے نیچے آنے سے پہلے تیروں کی ایک بوچھار آتی۔ انہیں ہمیشہ کی نیند سلا دیتی —

یہ تیر چلا رہے تھے شری گورو گوبند سنگھ۔ جن کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا — اور جو بہت دور پرے ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے تھے —

وزیر خاں اس "تیروں والے" کے پاس پہنچنے کی کوشش کرتا تو گورو جی کے سکھ قتل عام شروع کر دیتے۔ وزیر خاں کے سپاہی سکھوں کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھتے تو سکھ اس طرح ان پر ٹوٹ پڑتے جیسے بھوکے شیر اپنے شکار پر ٹوٹ پڑتے ہوں —

شام ہوئی — جنگ بند ہو گئی — لیکن وزیر خاں کا اتنا نقصان ہوا کہ وہ چلا اٹھا — اس کی فوج میں قریباً دو ہزار آدمی مر چکے تھے — باقی لوگوں میں آدھے سے زیادہ زخمی تھے —— وہ پانی مانگ رہے تھے۔ اور آس پاس کسی بھی جگہ پانی نہیں تھا —

وزیر خاں نے کپورا سے پوچھا — "پانی کہاں ملے گا؟"

کپورا بولا — "کھدرانہ کے تالاب میں پانی ہوتا تھا صوبیدار صاحب۔ وہ سوکھ گیا۔ اب

نزدیک ترین پانی۔ سامنے جائیں تو تیس میل دُور ہے۔ پیچھے جائیں تو دس میں دور۔،،

وزیر خاں تڑپ کر بولا۔ تب پیچھے چلو بیوقوف!۔ وہ گورو شاید اِس سُوکھے تالاب میں مرچکا لیکن ہم اگر یہاں سے گئے نہیں تو ہم سب اس کے کنارے پر پیاس سے مرینگے۔ تم ایسی جگہ ہمیں لائے کیوں؟ تمہارا سر کاٹ دینا چاہیئے۔"

اور یہ شاہی فوج اپنے مُردہ و زخمی سپاہیوں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ پیاس کی وجہ سے اس کی حالت یہ تھی کہ کسی نے مرنے والوں میں گوروجی کو تلاش کرنے کا بھی جتن نہیں کیا۔

اور گوروجی نے جب دیکھا کہ وزیر خاں اپنی فوج لیکر بھاگا جاتا ہے تو وہ "کھدرانہ" کے تالاب میں واپس آئے۔ دیکھا کہ ہر طرف لاشیں ہیں۔ ہر طرف کراہتے ہوئے زخمی۔ ایک ایک آدمی کے پاس وہ گئے۔ جس کسی کی مدد کے لیئے جو کچھ ہو سکتا تھا، وہ کیا۔ لیکن بہت کچھ کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اُن کے اپنے ساتھی قریباً سب کے سب شہید ہو چکے تھے۔ صرف مہان سنگھ" اب بھی سانس لے رہے تھے۔ گوروجی ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنا زخمی ہاتھ بڑھا کر اُن کے چرن چھو لیئے گوروجی نے جلدی سے پاس بیٹھ کر ان کا سر اپنی گود میں لے لیا۔ بولے۔ مہان سنگھ۔ کیسے ہو تم؟

مہان سنگھ نے دھیمے سے کہا۔" آپ کا درشن مِل گیا۔ اب میرے لِئے موت بھی خوشگوار ہے۔ جانے سے پہلے ایک عرض کرنا چاہتا ہوں۔،،

گوروجی اس کے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔" کہو مہان سنگھ۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"۔

مہان سنگھ نے کہا۔ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں سچے پاتشاہ۔ کہ جس طرح آپ کے سکھ لڑے اُس طرح میں نے کبھی کسی کو لڑتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ مائی بھاگو۔ پتہ نہیں اب کہاں ہے۔ دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر اس طرح وہ مار کاٹ مچا رہی تھی جیسے رن چنڈی پاگل ہو گئی ہو۔ جدھر وہ جاتی ادھر سے شاہی فوج اس طرح بھاگ اُٹھتی جیسے موت نے حملہ کر دیا ہو۔ معلوم نہیں کہ اب کہاں ہے وہ۔ شاید شہید ہو گئی ہو گی۔ وہ ہم سب کو ساتھ لے کر یہاں آئی تھی۔ وہ ہی سب سے آگے ہو کر لڑی۔ دوسرے لوگ بھی اُسے دیکھ کر دیوانوں کی طرح لڑے۔ آپ سے مکھ موڑنے کا جو پاپ اُنہوں نے کیا تھا، اُسے انہوں نے اپنے خون سے دھو دیا۔ اب اگر میری عرض مانیئے۔ تو اُس بے دعوے کو پھاڑ دیجیئے۔ جو اُنہوں نے لکھ کر دیا تھا۔ وہ پھٹ جائے تو ان کے ماتھے پر لگا کلنک مِٹ جائے گا۔،،

گورو جی نے اُس کے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا — "میں ابھی پھاڑ دوں گا دھیان سنگھ۔ تم لوگ صرف شہید نہیں ہوئے، مکت ہو گئے ہو —،،

اور دھیان سنگھ کا سر لڑھک گیا — شاید اس امرت بھری آواز کو سننے کے لیئے ہی اُس کے پران رُکے ہوئے تھے —

گورو جی نے بہت پیار کے ساتھ اسے زمین پر لٹا دیا —

آگے بڑھے تو کسی نے اُن کے پاؤں پکڑ لیئے —

گورو مہاراج نے نیچے دیکھا۔ جلدی سے جھکے —

اُس کے بال کھُل کر پھیل گئے تھے — اس کے ماتھے سے خُون بہہ رہا تھا — اس کے ہونٹ ہلنے کی کوشش کر رہے تھے — وہ "بھاگو" تھی —

گورو جی نے پیار سے کہا — "شکر ہے تُو زندہ ہے بھاگو — کہاں زخم لگا؟"

بھاگو نے لڑکھڑاتی زبان سے جواب دیا — "یہاں۔ ماتھے پر — اچھا ہو جائے گا — میں — میں بیہوش ہو گئی تھی — دشمن کہاں ہے ...؟"

گورو جی نے میٹھی آواز میں کہا — "چلا گیا دشمن — تو نے بھگا دیا اُسے — بہت بہادر بیٹی ہے تُو — تیری پریرنا نے کتنے ہی لوگوں کو مکتی کا راستہ دکھا دیا۔ آج سے یہ جگہ "کھدرانہ" نہیں — بلکہ "مکت سر" ہے —،،

اور اپنے ساتھیوں سے انہوں نے کہا — "بھاگو کو اُدھر لے چلو۔ وہاں اس کی مرہم پٹی کریں گے۔"

اور یہ بھاگو — عجیب قسم کی دیوی تھی وہ — اتنا جوش تھا اس میں — اتنی گورو بھگتی — اور اتنا غیر متزلزل یقین کہ وہ پھر کبھی "جھبال" واپس نہیں گئی — اس بات کو بھول کر کہ وہ عورت ہے، ہر وقت مردوں جیسے کپڑے پہنے، مردوں کی طرح ہتھیار لگائے وہ گورو جی کی سیوا میں حاضر رہتی — ان کے پاس آئے لوگوں کی خدمت کرتی — چھوٹے سے چھوٹا کام بھی اسے چھوٹا معلوم نہیں ہوتا — اُسے بھی آرام چاہیئے، اُسے بھی کھانا چاہیئے اُس نے کبھی سوچا نہیں — ایک بار کسی نے اُسے کہہ دیا کہ — "تو عورت ہو کر مردوں کی طرح کیوں رہتی ہے؟" — شاید کچھ لوگوں نے طعنے دیئے — وہ دُکھی ہو کر اُٹھی۔ جنگل میں پہنچی — اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے — نیم برہنہ سی حالت میں روتی ہوئی جنگل میں گھومنے لگی — گورو جی کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ طعنہ دینے والوں سے ناراض ہوئے — بولے — "جاؤ! مردوں کا لباس لے کر اس کے پاس جاؤ — اور اُسے بولو کہ وہ ہمیشہ مردوں کی طرح رہے۔ مردوں کا لباس

پہن کر رہے ـــــ اور دیکھو۔ آئندہ کوئی اُس کو ایسی بات نہیں کہنا جس سے اس کا دل دُکھے۔ وہ جگتی کے اُس درجے پر ہے جہاں عورت مرد کا بھید نہیں رہتا۔ وہ گورُو کی سِکھ ہے اُس کیلئے گورُو اور واہگورُو ہی سب کچھ ہیں ۔ دُنیاوی نقطۂ نظر کی اس کے لئے کوئی ہستی نہیں ۔"

ـــــ روائت ہے کہ یہ مائی بھاگو آخری وقت میں بھی نانڈیڑ کے اندر گورو مہاراج کی سیوا میں حاضر تھی ـــ گورو جی کے بعد کافی بڑی عمر کی ہو کر وہ سورگ سدھاری ۔ نانڈیڑ کے لوگ دیوی کی طرح اُس کی عزت کرتے تھے ۔ اُسے سنت بھاگو کہتے تھے ۔

۱۹

مُکتسر کے بعد دمدمہ پہنچنے تک شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کی حالت اس شیر کی طرح تھی جسے معلوم ہو کہ شکاری اُس کی تاک میں ہیں، اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود وہ بے خوفی اور لاپروائی سے آگے بڑھا جاتا ہے۔ مسلح شکاریوں کے دل میں خوف ہے۔ دہشت ہے۔ بار بار وہ کانپ اُٹھتے ہیں۔ پیچھے کی طرف بھاگنے لگتے ہیں۔ شیر کے دل میں رتی بھر بھی ڈر نہیں ہے۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق چلتا ہے۔ بیٹھ جاتا ہے۔ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر چل پڑتا ہے۔ جب وہ پیچھے دیکھتا ہے تو اس کا پیچھا کرنے والوں کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ ان کا دل دہل جاتا ہے۔

اس سفر میں اور اس عرصہ میں کتنے ہی واقعات انہیں پیش آئے۔ کتنی ہی قسم کے۔ اُن میں سے دو واقعات یہ ہیں :۔

مُکتسر سے نو تھیہا۔ ہری کے وغیرہ ہوتے ہُوئے گورو مہاراج فیروز پور کے قریب "واجد پور" کے علاقہ میں تھے۔ تو ایک دن شکار کھیلتے ہُوئے ایک جنگلی تیتر کا پیچھا کرنے لگے۔ دُوسرے لوگوں نے بھی اس کا پیچھا کیا۔ لیکن وہ کبھی جھاڑیوں میں چھُپ جاتا کبھی تیزی سے اُڑ کے درخت کے پتّوں میں جا بیٹھتا۔ کسی کے ہاتھ وہ آیا نہیں۔ آخر خود گورو جی نے اُس کو پکڑا۔ اُس کے پر نکالے اور اُسے اپنے باز کے سامنے پھینک دیا۔ باز کچھ ہچکچایا، پیچھے ہٹا۔ گورو جی کی طرف دیکھنے کے بعد اُس تیتر پر ٹوٹ پڑا۔ جس کے پَر نوچ دیئے گئے تھے اور جو اُڑ نہیں سکتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اِس بے بس تیتر کو پھاڑ کے رکھ دیا۔ اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

گورو مہاراج کے ساتھی اس منظر کو دیکھ کے حیران ہُوئے۔ حیرت سے بولے۔ "گورو جی! یہ کیا کھیل ہے ۔۔۔ ہم تو سمجھ نہیں سکے ۔"

گورو جی نے سوچتے ہُوئے کہا ۔۔۔ "یہ قرضے کی ادائیگی ہے ۔۔۔ ہر آدمی کو اپنے کرم کا پھل

بھوگنا پڑتا ہے۔ ہر آدمی کو لیا ہوا قرض ادا کرنا پڑتا ہے۔ وقت بدل سکتا ہے۔ جنم بدل سکتا ہے جسم بدل سکتا ہے۔ لیکن یہ اصول کبھی بدلتا نہیں ۔۔۔،،

اُن کے ساتھی اب بھی نہیں سمجھے تو گورو جی نے کہا ۔" پچھلی زندگی میں یہ تیتر ایک کسان تھا یہ باز ایک ساہوکار ۔۔ کسان نے ساہوکار سے اپنی ضرورت کے لئے قرض لیا تو ضمانت دینے کو دوسری کوئی چیز اس کے پاس تھی نہیں ۔ اس لیئے اس نے کہا ۔" گورو جی میرے ضامن ہیں"۔ ساہوکار نے قرض دے دیا۔ کسان نے بار بار تقاضہ ہونے پر بھی اسے واپس نہیں کیا ۔ آخر دونوں مر گئے ۔۔ کسان تیتر بنا ۔ اس نے چونکہ مجھے ضامن بنایا تھا اسلئے میں نے اسے پکڑ کر باز کے حوالے کر دیا کہ اب اپنا قرضہ وصول کر لے ۔۔۔۔۔۔۔ یاد رکھو ۔ ہر آدمی کو لیا ہوا قرض واپس دینا پڑتا ہے اس زندگی میں یا اس سے اگلی کسی زندگی میں قرضہ ادا کیئے بنا چھٹکارا کبھی ہوتا نہیں ۔۔،،

واجد پور سے گورو جی پھر مکتسر آئے ۔ اور "رُویانا" ۔ "بھنڈار" ۔ "گوردسر" ۔ "تھیٹری" وغیرہ سے ہوتے ہوئے "چھتیانہ" میں پہنچے ۔ یہاں ان کے ان سکھ سپاہیوں نے جو مالوہ کے رہنے والے تھے، گورو جی سے کہا ۔" کئی مہینوں سے ہمیں تنخواہ نہیں ملی ۔ ہمیں تنخواہ ملنی چاہیئے "۔

گورو مہاراج نے کہا ۔" دیکھو ۔ یا تو تم میرے سکھ بنو ۔ یا تنخواہ دار سپاہی ۔ یہ دو دو باتیں ایک ساتھ ہو نہیں سکتیں "۔

ان لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا ۔ سکھ تو ہم ہیں ہی ۔۔ لیکن ہمیں تنخواہ بھی ملنی چاہیئے تنخواہ لیکر ہم چلے جائیں گے ۔۔،،

گورو مہاراج کے پاس اس وقت اتنی دولت نہیں تھی کہ سب لوگوں کی تنخواہ دی جا سکے۔ لیکن تبھی ایک امیر سکھ وہاں پہنچ گیا ۔ کافی بڑی رقم اس نے گورو مہاراج کو بھینٹ کی ۔ گورو مہاراج نے ہر گھوڑ سوار کو آٹھ آنہ روز کے حساب سے اور ہر پیدل سپاہی کو چار آنہ روز کے حساب سے پوری پوری تنخواہ دیدی ۔ اس زمانہ میں یہ تنخواہ بہت زیادہ تھی ۔ (شاہ جہان نے تاج محل بنوایا تو اپنے بہترین کاریگر کو وہ ۱۰ روپیہ ماہوار تنخواہ دیتا تھا) اس کے باوجود ان لوگوں نے جب دیکھا کہ گورو مہاراج کے پاس ابھی اور روپے ہیں تو انہوں نے مزید تنخواہ کا مطالبہ کیا۔ گورو جی نے انہیں مزید روپے دیدیئے ۔ اور پھر سب روپے دوسرے ساتھیوں میں بانٹ کر ہنستے وہ بولے ۔۔ انہیں بانٹ دینا ہی اچھا ہے ۔ نہ یہ میرے پاس رہیں گے۔ نہ کوئی مانگے گا ۔۔،،

اس سلسلہ میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مالوہ کے الڑ سکھ سپاہیوں کا بیناپتی داناسنگھ تھا۔ اُسے جب گورو مہاراج تنخواہ دینے لگے تو اس نے گورو جی کے پاؤں پر سر رکھ دیا۔ اور کہا۔ "مجھے تنخواہ دار سپاہی نہیں، آپ کا سیوک سکھ بن کے ہی رہنا ہے۔ یہ ختم ہونے والی دولت مجھے نہیں چاہیئے۔ نام کی وہ دولت چاہیئے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔"

گورو جی نے داناسنگھ کی طرف غور سے دیکھا۔ مسکراتے ہوئے بولے۔ "تُو زیادہ عقل والا ہے تُو نے بہت بڑی دولت مانگی ہے۔ یہ دوسرے لوگ سمجھتے نہیں۔ مَیں انہیں بہت کچھ دینا چاہتا تھا چاندی کی چند ٹھیکریاں لے کر خوش ہو گئے ہیں۔ لیکن تیرے جیسے لوگوں کی وجہ سے سکھی ہمیشہ زندہ رہے گی"

چھتیانہ سے کوٹ بھائی۔ یا میہما۔ باجک اور دوسرے دیہات سے ہوتے ہوئے گورو مہاراج جستی باگھ والی میں پہنچے۔ وہاں سے تلونڈی سابو میں۔ جسے انہوں نے بعد ازاں "دمدمہ" کا نام دیا۔ کیونکہ یہاں انہیں دم لینے۔ آرام سے کام کرنے کا موقع ملا۔ یہاں ان کا پرانا بھگت اور ساتھی "ڈلا" رہتا تھا۔ اُس نے جب گورو مہاراج کی ساری کہانی سُنی۔ اور سُنا کہ کس طرح وہ مصیبتوں اور تکلیفوں میں گھرے رہے۔ کس طرح اُن پر ظلم ہوا۔ کس طرح آنند پور چھینا گیا۔ چمکور تباہ ہوا۔ اجیت سنگھ، زورآور سنگھ، جوجھار سنگھ اور فتح سنگھ شہید ہوئے تو دُکھ کے ساتھ اس نے کہا۔ "آپ نے مجھے کیوں نہیں بُلایا۔ مَیں اور میرے آدمی آپ پر حملہ کرنے والوں کو پیس کے رکھ دیتے۔"

گورو صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔ "تم بہادر آدمی ہو ڈلا۔ لیکن تمہارے آدمی بہت بہادر نہیں۔"

ڈلا نے کہا۔ "نہیں مہاراج۔ میرے آدمی بہت بہادر ہیں۔ کئی برس سے میرے پاس ہیں۔ ان کی جرأت و بے خوفی کو میں نے دیکھا ہے۔"

گورو جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ کل دیکھیں گے۔"

دوسرے دن کچھ سکھ لاہور سے آئے۔ ایک بندوق انہوں نے گورو جی کو بھینٹ کی۔ گورو جی نے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "اس کا نشانہ دیکھنا چاہیئے۔ ڈلا۔ اپنے کسی آدمی کو کہو کہ میرے سامنے کھڑا ہو جائے۔ مَیں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ بندوق کہاں تک اور کتنی طاقت سے مار کرتی ہے۔"

ڈلا یہ مطالبہ سُن کے گھبرایا۔ پھر اپنے آدمیوں سے بولا۔ "آگے بڑھو کوئی آدمی۔ گورو جی

بندوق کی طاقت دیکھنا چاہتے ہیں۔

لیکن کوئی بھی آدمی آگے نہیں آیا

تبھی گورو جی نے دیکھا کہ دُور پرے دو سکھ پگڑیاں باندھ رہے ہیں۔

ڈلّا کو مخاطب کر کے انہوں نے کہا۔ میرے اُن سکھوں کو بولو۔ کہ تمہارے گورو کو ایک آدمی چاہیئے، جسے وہ گولی کا نشانہ بنا کر اس بندوق کی طاقت دیکھ سکے۔"

ڈلّا نے انہیں یہ بات کہی۔

وہ سکھ اپنی اپنی آدھی پگڑی باندھ چکے تھے۔ پوری پگڑی باندھے بغیر گورو جی کے سامنے جانا گستاخی کے مترادف ہے۔ اس کے باوجود وہ دونوں اپنی پگڑی کا باقی حصّہ بغل میں دابے دوڑتے ہوئے گورو جی کے سامنے آ گئے۔ دونوں ایک دوسرے کو پرے ہٹا کر خود آگے ہونے کی کوشش کرنے لگے۔

دونوں کہہ رہے تھے" پہلے مجھ پر گولی چلائیے گورو جی!

گورو جی نے انہیں دیکھا۔ بندوق ایک طرف رکھدی۔ ہنستے ہوئے بولے" اب سمجھے ڈلا جی! کہ بہادر کون ہے؟ — ان لوگوں کی مدد سے ہیں نے ترک سامراج کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں اب یہ ایسا محل ہے جو آج بھی گرے گا اور کل بھی۔"

یہیں دمدمہ میں ماتا صاحب کور اور ماتا سندری جی دہلی سے گورو جی کے پاس آئیں۔ دونوں نے صاحبزادوں کی شہادت کا حال سُنا تھا۔ دونوں رو رہی تھیں۔ روتے ہوئے انہوں نے پوچھا — ہمارے بچے کہاں ہیں گورو مہاراج!

گورو جی نے پیار بھری آواز میں کہا — تمہارے رونے سے وہ واپس نہیں آئیں گے۔ اور پھر اس بات کو کیوں بھلائے دیتی ہو کہ انہوں نے دیش کے لئے اور دھرم کے لئے اپنی جانیں دیں ظلم کے سامنے جھکے نہیں وہ۔ اس کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس سے زیادہ اچھی اس سے زیادہ عظیم موت اور ہے نہیں۔ یہ وہ موت ہے جو ہزاروں زندگیوں سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس سے اربوں برسوں کیلئے مُکتی کا دروازہ کھل جاتا ہے ——— اور موت انہونی تو ہے نہیں۔ آج نہیں تو کل وہ آئے گی ضرور۔ بچپن ہمیشہ نہیں رہتا۔ جوانی ہمیشہ نہیں رہتی۔ زندگی بھی ہمیشہ نہیں رہتی۔ رام ہو یا راون۔ کنس ہو یا کاہن۔ موت سے آج تک کوئی بچا نہیں۔ پھر اس موت کو نیک

کام کے لئے لبیک کیوں نہ کہا جائے — تمہارے بیٹے اس آنند پور میں گئے ہیں جس پر کبھی حملہ نہیں ہوتا جس کے آنند کا کبھی انت نہیں ہوتا ———— اور پھر وہ صرف چار ہی تو میرے بیٹے نہیں تھے وہ ہزاروں بھی میرے بیٹے تھے جو آنند پور میں شہید ہوئے۔ وہ چالیس بھی میرے بیٹے تھے، جنہوں نے چمکور میں اپنی جانیں دیدیں۔ وہ سب کے سب بھی میرے بیٹے تھے جنہوں نے مکتسر میں مکتی پائی — اور ان سب کے ساتھ ساتھ یہ سب لوگ بھی میرے بیٹے ہیں، میرے بچے ہیں جو تمہارے سامنے بیٹھے ہیں۔ یہ میرے سکھ جو صدیوں صدیوں تک رہیں گے۔ اور لگاتار بڑھتے جائیں گے۔ تم اُن چاروں کو یاد کرتی ہو۔ اچھی بات ہے۔ لیکن مت بھولو کہ میرے ہزاروں، لاکھوں بچے اب بھی زندہ ہیں۔"

مہاراج "تلونڈی سابو" (دمدمہ) میں تھے جب ڈلا کے پاس صوبیدار وزیر خاں کا پیغام پہنچا کہ وہ گورو کو گرفتار کر کے صوبیدار کے سامنے سرہند میں پیش کرے۔ ایسا نہ ہوا تو شاہی فوج تلونڈی پہنچ کر اُسے خاک میں ملا دے گی۔ ڈلا کو اور گورو گوبند سنگھ کو ہلاک کر دے گی۔

ڈلا نے جواب دیا — گورو گوبند سنگھ میری زندگی ہیں۔ میرا پران ہیں۔ میرے پرانوں کے مالک ہیں۔ کسی بھی حالت میں مَیں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ تمہارے ناپاک ہاتھ ان کے قریب بھی پہنچ سکیں۔ تم فوج بھیجنا چاہو تو بھیجو۔ ہم ہر وقت ہوشیار ہیں۔ تمہاری فوج کے پہنچنے سے پہلے ہم اُن جنگلوں میں چلے جائیں گے جہاں تمہاری فوج کے فرشتے بھی پہنچ نہیں سکتے ———— گورو جی ہمیشہ میرے پاس رہیں گے۔ تم سے جو ہوتا ہے کرو۔ مجھے تمہاری رتی بھر پروا نہیں۔"

اس جرأت بھرے جواب کو سُن کر وزیر خاں چلا اُٹھا۔ لیکن اس نے یہ بھی سمجھا کہ اگر گورو جی جنگل میں چلے جائیں تو بڑی سے بڑی فوج بھی بے کار ہو جائے گی۔ ایک دو یا دس بیس آدمی تھوڑے سے پانی پر گذارہ کر سکتے ہیں۔ لیکن پُوری فوج اگر ایسے جنگل میں پہنچ جائے جہاں کافی مقدار میں پانی نہیں تو یہ فوج پیاس سے تڑپ تڑپ کے مر جائے گی۔

دانت پیس لئے اُس نے۔

لیکن سر بھی پیٹ لیا۔

گورو جی کو گرفتار کرنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔

لیکن گورو مہاراج ڈلا کی مہمان نوازی سے بہت فائدہ اُٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ اُن کی وجہ سے اس پر کوئی مصیبت آئے۔ اس لئے ایک دن بولے ۔" میں بھٹنڈہ کا قلعہ دیکھنے جاؤں گا۔"

بھٹنڈہ کے متعلق دلچسپ روایت ہے کہ راجہ اننگ پال کے خاندان میں پیدا ہونے والے "بینی پال" نے بنوایا تھا۔ ایک دن وہ شکار کرنے کو جنگل میں گھوم رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ ایک ٹیلے پر ایک بکری اپنے میمنے کو بچانے کے لئے بھیڑیئے سے لڑ رہی ہے۔ اپنے چھوٹے چھوٹے سینگوں سے بھیڑیئے کو لہو لہان کئے دیتی ہے۔ ٹیلے کو دیکھتے ہوئے اُس نے کہا۔" یہ کرامات اس جگہ کی ہے۔ یہ بکری کو بھی بہادر بنا دیتی ہے۔ یہاں، ایک قلعہ بننا چاہیئے۔" بن گیا قلعہ۔ گورو جی بھی دیکھنے گئے کہ قلعے میں خوبی کیا ہے۔ اس علاقہ میں رہنے والے "بیراڑ" لوگوں نے گورو جی کو بتایا کہ اس قلعے سے ایک سُرنگ بیکانیر کے قلعہ "بھاٹ نیر" تک گئی ہے۔ لیکن اُس وقت یہ سُرنگ کہیں ملی نہیں۔

لیکن ڈلا نے اُنہیں بہت دیر دمدمہ سے پرے رہنے نہیں دیا۔ اُنہیں پھر اپنے ساتھ لایا پھر اُن کے آرام کا انتظام کیا۔ اور پھر جب وزیر خاں نے لکھا کہ ۔" میں تلونڈی پر حملہ کر کے تمہاری بوٹیاں اُڑا دوں گا۔" تو اس نے جواب دیا۔" اب تم آئے تو میں تمہاری فوج کو تباہ کر کے اپنے گورو جی کے ساتھ جنگل میں چلا جاؤں گا۔"

اور وزیر خاں ایک بار پھر دانت پیس کے رہ گیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈلا جب یہ سب کچھ کر رہا تھا اور عملی طور سے سارے مغل سامراج کو للکار رہا تھا، وہ باقاعدہ سکھ نہیں تھا۔ گورو مہاراج سے اُسے پیار تھا۔ اُنہیں وہ اپنا دوست کہتا تھا۔ اسلئے اپنے دوست کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی کرنے کو تیار تھا۔ بعد میں باقاعدہ وہ سکھ بنا۔ اُس کے ایک سو ساتھی بھی سکھ بنے۔ گورو مہاراج نے اپنے ہاتھ سے اُسے امرت پلایا اُس کا نام "دل سنگھ" رکھ دیا۔

"امرت چھکانے" کے متعلق گورو مہاراج کئی بار ایک عجیب سی بات بھی کرتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے وہ کھنڈے کا امرت تیار کرتے۔ اُسے ایک برتن میں بھر کے جنگل میں لے جاتے۔ درختوں اور جھاڑیوں پر اُسے چھڑک دیتے۔

لوگ پوچھتے ۔ یہ کیا کرتے ہو مہاراج!

تو وہ جواب دیتے ___ میں اس دھرتی کو جرأت و شجاعت کی طاقت دیتا ہوں۔ ایک دن آئے گا جب ان جھاڑیوں اور درختوں کی طرح مالوہ میں بہادر سکھ ہر طرف دکھائی دیں گے۔"

---×---

دمدمہ صاحب میں ہی گورو مہاراج نے شری گورو گرنتھ صاحب کو شروع سے آخر تک از سرِ نو لکھوایا ___ اس مقدس گرنتھ کو سب سے پہلے شری گورو ارجن دیو جی مہاراج نے مرتب کیا۔ اپنے سے پہلے کے چاروں گوروؤں کی بانی انہوں نے ترتیب دی۔ اپنی بانی بھی اس میں شامل کی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ بھگت کبیر، سوامی رامانند، بھگت رویداس، بھگت سورداس، سائیں، بھیکھن، جے دیو، نامدیو، ترلوچن، پیپا، دھنا، بینی، بابا فرید، بابا بھیکھن شاہ، سٹا، بلونت اور مردانہ جیسے سنتوں اور صوفیوں کی بانی کے کچھ حصے بھی اس پوتر گرنتھ میں شامل کئے۔ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے کوشش کی کہ پانچویں پاتشاہ کا لکھوایا یہ بنیہ گرنتھ انہیں مل جائے لیکن ان کی یہ کوشش سپھل نہیں ہوئی۔ جن لوگوں کے پاس یہ گرنتھ تھا انہیں اس کو اپنے پاس رکھنے سے عزت اور اہمیت بھی ملتی تھی۔ مالی فائدہ بھی ہوتا تھا اسلئے انہوں نے گرنتھ صاحب کی اس بیڑ (جلد) کو دینا منظور نہیں کیا لیکن گورو مہاراج کیلئے پہلے پانچ گوروؤں کی یا بعد کے چار گورو صاحبان کی بانی پرائی تو نہ تھی ___ اس بانی کا ایک ایک لفظ وہ جانتے تھے۔ اگر کہا جائے کہ اپنے زمانہ میں گوربانی کے سب سے بڑے ودوان وہ تھے تو یقیناً یہ غلط نہیں)۔ انہوں نے سارے گورو گرنتھ صاحب کو شروع سے آخر تک اپنی یادداشت سے لکھوایا۔ اس میں سب گوروؤں اور شری گورو ارجن دیو جی مہاراج کے اپنائے بھگتوں کی بانی کو جمع کرنے کے علاوہ انہوں نے اپنے پوجیہ پتا شری گورو تیغ بہادر جی مہاراج کی بانی بھی شامل کر دی اس وقت اس مقدس گرنتھ کو "گورو گرنتھ صاحب" نہیں بلکہ "آدی گرنتھ صاحب" یعنی ابتدائی گرنتھ صاحب کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اس میں ان کی اپنی بانی نہیں تھی۔ اپنی بانی کو وہ ایک اور گرنتھ میں لکھنا چاہتے تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا کر نہیں سکے۔ کیونکہ یہ دوسرا گرنتھ (جسے نامدھاری سمپردائے سے تعلق رکھنے والے سکھ اور کئی دوسرے لوگ دسم شری گورو گرنتھ صاحب یا دسویں پاتشاہ کا گرو گرنتھ صاحب" کہتے ہیں) گورو مہاراج کے قریباً ۲۶ برس بعد بھائی منی سنگھ جی نے مرتب کیا۔

"آدی گورو گرنتھ" بھی منی سنگھ جی نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ گورو مہاراج دھیان سمادھی لگا کر بیٹھ جاتے۔ مقدس بانی امرت سے جھرنے کی طرح ان کے پوتر ہونٹوں سے باہر آنے لگتی

ران کے پاس بیٹھے ہوئے بھائی منی سنگھ جی ایک حرف کی بھی کمی بیشی کیۓ بغیر اسے لکھتے چلے جاتے

اس طرح جو آدی شری گورو گرنتھ" لکھا گیا اسے "دمدمہ صاحب کی بیڑ" کا نام ملا۔ اس سے پہلے اس مقدس گرنتھ کی دو "بیڑیں" تھیں۔ ایک وہ جسے بھائی گورداس نے لکھا اور دوسری وہ جسے بھائی بھانو نے تحریر کیا۔ یہ دوسری بیڑ کرتار پور کے سوڈھیوں کے پاس تھی جنہوں نے اسے دینے سے انکار کیا۔ لیکن یہ دونوں گرنتھ مکمّل نہیں تھے۔ گورو گوبند سنگھ جی نے جو گرنتھ لکھوایا وہ ہی پوری طرح سے مکمّل ہے۔ اسی کا آج ہر گوردوارے میں اور ہر سکھ پریوار میں پاٹھ ہوتا ہے اس کے سامنے عقیدت اور محبت سے بھرے سکھ اپنا سر جھکاتے ہیں۔ کیونکہ روائت ہے کہ گورو مہاراج نے جب خالصہ کے بھوشیہ کو دیکھا اور سمجھا کہ اب کوئی گورو آئے گا نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ :-

آگیا بھئی اکال کی۔ تبھی چلایو پنتھ
سب سکھن کو حکم ہے گورو مانیو گرنتھ

گورو گرنتھ جی مانیو پرگٹ گوراں دی دیہہ
جو پربھو کو ملیم چہے کھوج شبد میں لیہہ
راج کرے گا خالصہ عاقی رہے نہ کوئے
خوار ہوئے سب ملن گے بچے شرن جو ہوئے

(اکال پرُش پرماتما کے حکم سے ہی نے خالصہ پنتھ کو چلایا۔ اب سب سکھوں کو حکم ہے کہ مقدّس گرنتھ صاحب کو اپنا گورو مانیں۔ اسلئے اس مقدّس گرنتھ کو اپنا گورو تسلیم کریں کہ اسی میں گوروؤں کا نواس ہے یہ ان کے جسم کی طرح ہے۔ جو لوگ پربھو کو ملنا چاہتے ہیں وہ اِس پوتر بانی میں تلاش کرکے اسے پا سکتے ہیں ___ اب خالصہ ہی راج کرے گا۔ منکر اور ناستک نہیں رہیں گے۔ وہ ذلیل و خوار ہونگے۔ بچیں گے وہ جو اکال پرُش داگورو کی شرن میں آئیں گے")

لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔ یہ محض روائت ہے۔ "آدی گورو گرنتھ صاحب" یا دسویں پاتشاہ کی بانی میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بھائی منی سنگھ جی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بیڑ اب ملتی نہیں۔ اس بیڑ سے نقل کی ہوئی اور اس کے مطابق لکھی ہوئی بیڑیں ملتی ہیں۔ لیکن جس بیڑ کو بھائی منی سنگھ جی نے لکھا۔ اور جس پر گورو مہاراج نے دستخط کر کے تصدیق کی کہ "صحیح جلد یہ ہے" وہ اب کسی کے پاس ہے نہیں۔ ممکن ہے کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے یہ جلد امرتسر کے شری دربار صاحب میں رکھوا دی ہو۔ اور احمد شاہ ابدالی کے حملے کے وقت لٹیرے دوسری قیمتی چیزوں کے ساتھ اس مقدس گرنتھ کو بھی اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے ہوں۔

"دمدمہ" اب عملی طور پر دوسرا آنند پور بن گیا تھا۔ دل سنگھ کی مدد سے گورو جی نے وہاں ایک کافی بڑا قلعہ نما مکان بنوایا۔ پھر گورو مہاراج کے دربار منعقد ہونے لگے۔ کویوں کی کویتا گونج اٹھی۔ موسیقی کا دریا بہنے لگا۔ روحانیت کا امرت ساون کی گھٹاؤں کی طرح برسنے لگا۔ گورو مہاراج کا لنگر دن رات چلنے لگا۔ دور دور سے سکھ یاتری گورو مہاراج کے درشن کو وہاں آنے لگے۔ گورو جی دن بھر لوگوں سے ملتے۔ انہیں نیا جیون دیتے، نئی روشنی۔ شام کے وقت وہ دمدمہ کے نزدیک ہی ایک جنگل میں چلے جاتے۔ وہاں "جنڈ" کا ایک درخت تھا۔ اس کے نیچے کئی کئی گھنٹے دھیان میں مگن ہو کر بیٹھے رہتے۔ رات کا اندھیرا ہونے پر واپس آتے۔ پیار کی وجہ سے اس جگہ کو وہ "جنڈیانہ" کہتے تھے۔ آج بھی وہ اسی نام سے مشہور ہے۔ ایک گوردوارہ وہاں بنا ہے۔

دمدمہ میں گورو مہاراج کے پاس اتنے ودوان تھے کہ مہاراج نے اسے "سکھوں کی کاشی" کا نام دے دیا۔ اُن کی اچھیا تھی کہ جو لوگ انہیں پیار کرتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ گیان حاصل کریں۔ زیادہ سے زیادہ زبانیں سیکھیں۔ ہر بات میں ماہر بننے کی کوشش کریں —— اس اچھیا کو لوگوں تک پہنچانے کا ایک عجیب طریقہ انہوں نے اپنایا۔ سرکنڈے کے سینکڑوں قلم وہ ہر روز بنواتے۔ بنوانے کے بعد دمدمہ صاحب کے آس پاس جنگلوں اور کھیتوں میں بکھیر دیتے۔ ان قلموں کی وجہ سے "دمدمہ" کو انہوں نے "لیکھن سر" کا نام بھی دیا۔ ظاہر ہے کہ گورو مہاراج کا یہ طریقہ عام لوگوں کے طریقہ سے بالکل مختلف ہے۔ عملی طور پہ یہ شاعری ہے، تعلیم کو پھیلانے کا ڈھنگ نہیں —— لیکن اس کے باوجود عجیب بات ہے کہ "دمدمہ" واقعی سکھوں کی کاشی بنا رہا علم روحانیت کے متعدد سکھ عالموں نے برسوں تک دمدمہ کو اپنا نواس بنائے رکھا۔

گورو جی 'دمدمہ' میں تھے جب 'راما' اور 'تلوکا' نام کے دو سجن اُن کے پاس آئے۔ دونوں سگے بھائی تھے۔ دونوں اپنے ساتھ کئی گاڑیاں اناج اور کھانے پینے کی دوسری چیزیں لائے۔ دونوں چمکور کے نزدیک ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے گوروجی کو بتایا کہ چمکور کی جنگ کا علم انہیں دوسرے دن ہُوا۔ پتہ لگنے پر وہ اس جگہ پہنچے تو شاہی فوج اس وقت بھی وہاں تھی۔ اس کے باوجود اپنے آپ کو پاگل ظاہر کر کے وہ چمکور کے اس مکان میں گئے۔ سبھی شہیدوں کی لاشوں کو انہوں نے اکٹھا کیا۔ ان پر لکڑیاں رکھیں۔ تب اُن کا سنسکار کر دیا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ان شہیدوں کی لاشوں کے ساتھ ہی ایک عورت کی لاش بھی انہیں ملی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت ان سے پہلے چمکور کے اس مکان میں پہنچی۔ شاید وہ شہیدوں کا آخری سنسکار کرنا چاہتی تھی۔ شاہی فوج کے سپاہیوں نے اسے گوروجی کا ساتھی سمجھ کر مار ڈالا۔

ان دونوں بھائیوں نے اس سے پہلے آنند پور میں بھی گورو مہاراج کو کئی بار گھوڑے اور ہتھیار بھینٹ کئے تھے۔ اب وہ پھر گوروجی کی مدد کو آپہنچے۔ اسلئے گورو مہاراج نے پوچھا۔ "کوئی اِچھا ہے تمہاری؟" ـــــ دونوں بھائیوں نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔ "سچے پاتشاہ! آپ کا دیا دھن تو بہت ہے۔ آپ کرپا کریں۔ ایک ایک گاؤں ہمارے پاس ہو جائے تو ہماری آنے والی سنتان سُکھ سے رہ سکے گی۔"

گوروجی نے آنکھیں مُوندیں۔ تھوڑی دیر بعد کھولیں تو مسکرا رہے تھے۔

دھیمے سے بولے۔ "تم گاؤں مانگتے تھے۔ میں نے تمہیں ریاستیں دیدی ہیں۔ جاؤ۔ تم دونوں کی سنتان صدیوں تک راج کرے گی!"

راما اور تلوکا دونوں نے کھنڈے کا امرت پیا۔ سکھ بنے ـــ

راما "رام سنگھ" ہُوا۔ تلوکا "تلوک سنگھ"۔

رام سنگھ کی سنتان پٹیالہ میں راج کرتی رہی۔ تلوک سنگھ کی سنتان نے نابھہ اور جینڈ کی ریاستوں میں اپنی حکومت قائم کی۔

ان دونوں بھائیوں پر گورو مہاراج پہلے بھی بہت مہربان تھے۔ آنند پور سے تلوکا کے نام لکھے ایک خط میں انہوں نے کہا تھا۔ "میری تیرے اوپر بہت خوشی ہے۔ اور تیرا گھر میرا گھر ہے" ـــ اب ان کی مزید گورو بھگتی دیکھ کر گورو مہاراج نے انہیں آشیرواد دیا کہ تمہاری سنتان وسیع ریاستوں پر حکومت کریگی۔

اور گوروجہاراج دمدمہ میں تھے جب انہیں اطلاع ملی کہ "کپورا" کو قتل کر دیا گیا ہے۔

ضلع فیروزپور میں "کوٹ عیسے خاں" نام کا ایک قصبہ ہے۔ اس کے جاگیردار عیسے خاں کے علاقہ میں ایک میلہ ہو رہا تھا۔ میلے میں کپورا بھی آیا۔ اس نے شراب پی رکھی تھی۔ کہتے ہیں کچھ لوگوں سے اس کا جھگڑا ہو گیا۔ کپورا نے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ عیسے خاں کو پتہ لگا تو وہ اپنے آدمی لیکر وہاں پہنچا۔ کپورا کو قید کیا۔ حکم دیا "اِسے پھانسی دے دو"۔

کپورا کو گوروجہاراج کی بددعا یاد آئی۔ بولا "پھانسی نہیں دو مجھے۔ میرا سر کاٹ دو۔ اور مجھے درخت سے اُلٹا لٹکا دو"۔

عیسے خاں نے ایسا ہی کیا۔

۱۷۰۴ء کی گرمیوں میں وزیر خاں اور زبردست خاں نے پہاڑی راجاؤں و رنگڑوں اور گوجروں کے ساتھ آنندپور صاحب پر حملہ کیا۔ ۲۰ دسمبر ۱۷۰۴ء کی رات کو گوروجی نے آنندپور کو چھوڑا۔ چار روز بعد چمکور کی جنگ ہوئی۔ ۱۷۰۵ء کے آغاز میں گوروجہاراج کے چھوٹے صاحبزادے شہید ہوئے۔ اس برس کے آخری حصہ میں گوروجہاراج تلونڈی سابو میں پہنچے جسے انہوں نے "دمدمہ" کا نام دیا۔ تقریباً ایک برس یہاں رہنے کے بعد۔ ہزاروں لوگوں کو نام کا امرت دینے کے بعد اور آدشری گوروگرنتھ صاحب" کو اس کا موجودہ روپ دینے کے بعد گوروجہاراج نے فیصلہ کیا کہ وہ جنوبی ہندوستان میں جاکر نئے لوگوں میں بیداری پیدا کرینگے۔ نئے لوگوں کو روشنی دیں گے۔

۱۷۰۶ء کے اکتوبر مہینہ میں گوروجی نے اپنے اس ارادے کا اعلان کیا۔ اس کی مخالفت سب سے پہلے گوروجی کے بہت عزیز دوست اور سکھ "دل سنگھ" نے کی۔ اس کے بعد اُن "براڑ سرداروں" نے جو اس علاقہ کے اندر کافی بڑی تعداد میں نواس کرتے تھے۔ دونوں نے کہا "دمدمہ کو چھوڑ کر نہ جایئے۔"

دل سنگھ نے کہا۔ "دمدمہ کے اندر آپ امن اور چین سے رہتے ہیں۔ بادشاہی فوج کو یہاں آنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ پھر اسے چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کو جانا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ یہاں کھانے پینے کی کمی نہیں، آرام کی کمی نہیں۔ پھر یہاں سے جانا کیوں؟"

لیکن اُسے کیا معلوم کہ گوروگوبند سنگھ جی مہاراج اس "دنیا میں امن اور چین سے بیٹھنے کیلئے

کھانے اور پینے کیلئے یا آرام و آسائش کے لئے نہیں آئے ۔ وہ آئے اسلئے کہ دُنیا میں ظلم و نا انصافی کے خلاف انقلاب پیدا کر دیں ۔ جبر و غلامی کیلئے زندہ رہنا مشکل بنا دیں ۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے آرام بیٹھے رہنا تو اُن کے جیون کا مقصد نہیں تھا ۔ اسلئے انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا " میرا جانا ضروری ہے دل سنگھ ! ۔ اور تم کو بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا ۔"

دل سنگھ گھبرایا ۔ لیکن وہ کر کیا سکتا تھا ؟ ۔ اکتوبر کے آخری دنوں میں یہ سفر شروع ہوا گورو مہاراج کے ساتھ اس وقت دل سنگھ کے علاوہ بھائی بھگتو کے بیٹے رام سنگھ اور فتح سنگھ تھے ۔ پرم سنگھ ، دھرم سنگھ بھی تھے ۔ اور بھائی منی سنگھ جی بھی تھے جن سے گورو مہاراج نے " آدِ شری گورو گرنتھ " لکھوایا تھا ۔ اس کے علاوہ کچھ " بیراڑ " اور " سوڈھی " بھی تھے ۔

دمدمہ سے گورو مہاراج " کیول " ۔ " چھورڑ " ۔ " جھنڈا " ۔ اور " سرسہ " کے راستے آگے بڑھے ۔ یہاں سے گورو جی بیکانیر کے شہر " نوہر " میں بھی گئے ۔ جو " سرسہ " سے بیس میل پرے جنوب مغرب کی طرف ہے ۔ یہاں سے وہ " سہیوا " اور " مدھو سنگھانہ " کی طرف سے ہوکر " پشکر " دیکھنے کیلئے اجمیر پہنچے ۔ اور تب اُس " نارائن پور " میں جسے " دادو دوارا " کہا جاتا ہے ۔ کیونکہ دادو بھگت وہیں پیدا ہوئے ۔ یہیں اپنے پنتھ کا پرچار کرتے رہے ۔

دمدمہ سے اجمیر تک قریباً ساڑھے تین سو میل کا فاصلہ انہوں نے کتنے دنوں میں طے کیا ، یہ معلوم نہیں ۔ لیکن اس سفر کے دوران کچھ دلچسپ باتیں بھی ہوئیں ۔

سفر کے شروع میں ہی ایک دن صبح کے وقت گورو مہاراج نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا تو حیران ہوئے کہ ان میں " دل سنگھ " نہیں ۔ دریافت کرنے پر پتہ لگا کہ وہ رات کے وقت واپس دمدمہ کو بھاگ گیا ہے ۔ اپنے ساتھ کئی " بیراڑ " اور " سوڈھی " بھی لے گیا ہے ۔

گورو مہاراج نے ہنستے ہوئے کہا " ایسے ساتھیوں سے ساتھی نہ ہونا ہی اچھا ۔ "

اور گورو مہاراج " سہیوا " میں تھے تو دھرم سنگھ اور پرم سنگھ کی سیوا سے بہت خوش ہوئے دونوں کو ایک ایک گھوڑا انہوں نے دیا ۔ کئی ہتھیار بھی دیئے ۔ لیکن گورو جی سہیوا سے چلے تو یہ دیکھ کے مسکرا اُٹھے کہ دھرم سنگھ اور پرم سنگھ دونوں ان کے دیئے ہتھیاروں کو سر پہ اُٹھائے جا رہے ہیں ۔ اور گھوڑوں پر سوار ہونے کی بجائے ان کے پیچھے پیچھے ہاتھ میں ایک

ایک کپڑا لے کر جا رہے ہیں۔ کپڑے کو بار بار ہلائے جاتے ہیں کہ گھوڑوں کو مچھر یا مکھی تنگ نہ کرے۔

گورو جی نے اپنے گھوڑے کو روک کر پوچھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے دھرم سنگھ؟"

دھرم سنگھ نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔ "آپ کے دیئے ہتھیار آپ کے بخشش کیئے گھوڑے لے کر ہم جا رہے ہیں سچے پاتشاہ!"

گورو مہاراج بولے۔ "وہ تو میں دیکھتا ہوں۔ لیکن یہ تم گھوڑوں کے پیچھے ہتھیاروں کو سر پہ لیئے ہوئے کیوں جا رہے ہو؟"

پرم سنگھ نے کہا۔ "سگورو جی۔ یہ آپ کے دیئے ہتھیار ہیں۔ انہیں عزت کے ساتھ ہم سر پہ لیئے جاتے ہیں۔ اور یہ آپ کے دیئے گھوڑے۔ ان کا احترام بھی تو لازم ہے۔ اس لئے انہیں اپنے آگے رکھتے ہیں۔ کہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔"

گورو جی بولے۔ "دھنیہ ہے تمہارا پیار۔ لیکن اس کی کوئی حد بھی ہونی چاہیئے۔ میں نے یہ گھوڑے اور ہتھیار تمہیں پوجا کرنے کو نہیں، استعمال کرنے کو دیئے ہیں۔ ہتھیاروں کو کمر میں باندھو۔ گھوڑوں پر سواری کرو۔ تمہارے اس پیار اور بھگتی کا پھل تمہیں واہگورو دیگا۔"

اور گورو جی "دادو دوارا" میں پہنچے تو دادو صاحب کی سمادھی دیکھنے بھی گئے۔ "جیت" نام کے ایک مہنت وہاں رہتے تھے۔ انہوں نے گورو مہاراج کو دادو جی کی بانی سنائی تو گورو جی پیار سے سنتے رہے۔ لیکن تب مہنت نے کہا:-

"دادو دعویٰ دور کر۔ بن دعوے دن کٹ
کیتے سوداگر گئے۔ ایس پساری ہٹ"

(دادو اس دنیا میں کسی چیز پر اپنا حق نہ جتا۔ کسی چیز کا دعوےٰ نہ کر۔ کسی بھی دعوے کے بغیر اس دنیا میں رہ۔ یہاں کتنے ہی سوداگر آ کر چلے گئے۔ دوکان اب بھی موجود ہے ———")

گورو جی ہنستے ہوئے بولے۔ "یہ تو پرانی بات ہے۔ اب وہ زمانہ نہیں۔ اب

اَب تو کہنا چاہیئے ۔کہ :۔

"دادُو دعویٰ بندہ کے ۔دُشمن لٹی اے لُٹ

اِکّو رہسی خالصہ ۔ہور مرسی ہٹ ۔"

دادُو اپنا حق جتاؤ ۔اپنا دعویٰ کر کے دُشمن کو لُوٹ لو۔ دُنیا میں صرف خالصہ رہے گا ۔باقی اس طرح ختم ہو جائیں گے جیسے دم گھٹ کے مر گئے ہوں"

مہنت نے ایک اَور دوہا پڑھا :۔

"دادُو سماں وچار کے ۔کلی کا کیجے بھلائے

جو تو ہے مارے ڈھیم اینٹ ۔لیجو سیس چڑھائے"

"دادُو یہ کلجگ ہے ۔اس وقت کو دیکھ ۔سوچ کے چل ۔اگر تجھے کوئی اینٹ یا کنکر مارے تو اسے اپنے سر پہ رکھ لے ۔ لڑائی نہ کر ۔۔۔۔۔۔۔۔"

گورو جی بولے ۔یہ بھی ٹھیک نہیں ۔اب تو کہنا چاہیئے :۔

"دادُو سماں وچار کے ۔کلی کا کیجے بھلائے

جو تو ہے مارے ڈھیم اینٹ پاتھر ہو برسائے ۔"

"دادُو یہ کلجگ ہے ۔اس وقت کو دیکھ ۔سوچ کے چل ۔اگر تجھے کوئی اینٹ یا کنکر مارے تو پُوری طاقت سے پتھر دے مار ۔معاف نہ کر ۔۔۔۔۔۔۔"

ظاہر ہے کہ گورو مہاراج نے جو کچھ کہا وہ اپنے اس عظیم فلسفے کی بنا پر جسے لے کر وہ تپ ، تیاگ اور بلیدان سے بھرپُور جیون میں آگے بڑھے تھے ۔دادُو جی کے لئے پیار کی کمی ان کے من میں نہیں تھی ۔چنانچہ اسی جگہ ایک عجیب بات ہُوئی ۔ گورو مہاراج سمادھی پر پہنچے تو اپنے تیر کو جھکا کر انہوں نے سمادھی کو پرنام کیا ۔ان کے ساتھیوں نے یہ بات دیکھی ۔بعد میں انہوں نے کہا ۔"آپ نے یہ غلط بات کی گورو جی ۔آپ خود ہی تو کہتے ہیں کہ " گور ، مڑھی ، مٹھ بھول نہ مانے " ۔اور خود ہی ایک مڑھی کو پرنام بھی کرتے ہیں ۔"

گورو مہاراج مسکرائے ۔بولے ۔"ٹھیک کہتے ہو تم ۔میں نے واقعی وہاں اپنے تیر سے پرنام کیا اور صرف یہ دیکھنے کیلئے کیا ۔کہ تمہیں میری بات یاد بھی ہے یا نہیں ۔۔۔۔۔۔ تم بھُولے نہیں اس لیئے میں خوش ہُوں ۔ لیکن کسی بھی وجہ سے ہو ایک غلطی میں نے کی ۔اس کی سزا مجھے ملنی چاہیئے ۔یہ لو ایک سو پچیس روپے ۔یہ میرا جرمانہ ہے ۔"

شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کی یہ عظمت تھی جس نے انہیں ہر آدمی کا محبوب بنا دیا ہر آدمی کا محترم۔

"دادو دوارا" سے گورو جی "لالی" اور "مگھارودا" سے ہوتے ہوئے "کلبت" پہنچے تو احمد نگر سے واپس آتے ہوئے دھرم سنگھ اور دیا سنگھ جی انہیں ملے۔ اورنگ زیب کو مہاراج کا خط ظفر نامہ دے کر وہ واپس آرہے تھے۔ انہوں نے گورو مہاراج کو بتایا کہ۔ ہم احمد نگر میں تھے تو اورنگ زیب دردِ قولنج سے تڑپ رہا تھا۔ عام افواہ تھی کہ بچے گا نہیں۔

"کلبت" سے گورو جی "باگھور" پہنچے۔ تو اطلاع ملی کہ اورنگ زیب کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور اس کے چھوٹے بیٹے "تارا عظیم" نے محمد عظیم شاہ کا نام اپنا کر تخت و تاج پر قبضہ کر لیا ہے۔

اس باگھور میں ہی گورو مہاراج کو اور ان کے ساتھیوں کو ایک بار پھر ہتھیار اُٹھانے پڑے ایک اُونٹ کی وجہ سے باگھور کے کچھ لوگوں سے گورو جی کے سکھوں کا جھگڑا ہو گیا۔ جھگڑے نے باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ انہوں نے گورو جی اور ان کے ساتھیوں کو یہ سمجھ کے گھیر لیا کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہمارا کیا کر سکتے ہیں۔ لیکن دو دن کی جنگ کے بعد مخالف بھاگے تو سکھوں نے آگے بڑھ کر باگھور کا شہر لوٹ لیا۔ ہارے ہوئے لوگ قلعے میں جا چھپے اور وہاں سے بندوقیں چلانے لگے تو گورو جی نے ایک ٹیلے پر توپ رکھوا کے اُسے چلانے کا حکم دیا۔ ایک ہی گولہ قلعے میں گرا تو قلعے والوں نے صلح کا جھنڈا اُٹھا دیا۔ گورو مہاراج نے سمجھا کہ جھگڑا ختم ہُوا۔ اب کچھ نہیں ہوگا۔ تبھی باگھور کے راجہ صاحب باہر سے آئے۔ انہوں نے اپنی تازہ دم فوج کے ساتھ گورو جی پر حملہ کر دیا۔ گورو جی نے تیر چلانے شروع کئے تو راجہ صاحب اس دُنیا سے چلے گئے اُن کی فوج کا سردار "علے" دھرم سنگھ کے ہاتھوں مارا گیا۔ ان کی فوج باگھور چھوڑ کے بھاگ گئی۔ گورو جی ہنستے ہوئے بولے — یہ باگھور نہیں — بھاگ اور ہے

۲۰

بوئے ہوئے بیج اور کئے ہوئے کرم کا پھل کبھی نہ کبھی ضرور سامنے آتا ہے۔

اورنگ زیب نے اپنے بڑے بھائی کی آنکھیں نکال کر اور چھوٹے کو ہاتھی کے پاؤں تلے روندوا کر تخت و تاج پہ قبضہ کیا تھا۔ اس کے منجھلے بیٹے "تارا عظیم" نے بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنے کا فیصلہ کیا۔ اورنگ زیب کے مرتے ہی اُس نے اپنے بڑے بھائی بہادر شاہ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ باپ کے تاج پہ قبضہ کر لیا، اُسکی دولت پر، فوج پر ۔۔۔ "محمد عظیم شاہ" کے نام سے وہ "شاہِ ہندوستان" بن کے بیٹھ گیا۔ اپنے چھوٹے بھائی محمد کام بخش سے شاید وہ بعد میں نپٹنا چاہتا تھا ۔۔۔ اورنگ زیب کی کہانی اپنے آپ کو پھر دوہرا رہی تھی ۔۔۔۔۔ بہادر شاہ اُس وقت افغانستان میں تھا۔ "تارا عظیم" نے سمجھا کہ اس کے واپس آنے تک وہ آگرہ پہنچ کر تخت نشین ہو جائے گا۔ اس کے بعد حالات پہ قابو پانا زیادہ آسان ہو جائے گا۔

لیکن بہادر شاہ کو جیسے ہی پتہ لگا کہ "عالمگیر اورنگ زیب" اس دُنیا میں نہیں تو وہ افغانستان کو اس کے حال پہ چھوڑ کے تیزی سے واپس آیا۔ کافی فوج اُس کے پاس تھی۔ اس کے علاوہ جہاں کہیں سے مدد ملی اُسے لے کر وہ آگے بڑھا۔

گورو گوبند سنگھ جی اُس وقت پنجاب سے پرے راجپوتانہ میں تھے۔ اُن کے پاس کوئی بڑی فوج نہ تھی۔ لیکن اُن کی طاقت تو بہادر شاہ سے چھُپی نہ تھی۔ کسی بھی مغل حکمران سے چھُپی نہ تھی۔ ہر کسی کو معلوم تھا کہ گورو جی جب بھی چاہیں نئی فوج پیدا کر سکتے ہیں۔ اور اپنی چھوٹی سی فوج میں بھی ایسی سپرٹ جگا سکتے ہیں کہ وہ لاکھوں حملہ آوروں کیلئے موت کا پیغام بن جائے ۔۔۔

اور پھر گورو جی کے بہت پیارے بھگت بھائی نندلال جی گویا برسوں تک بہادر شاہ کے ساتھ رہے تھے۔ ان کے سب سے بڑے وزیر اور مشیر بن کر ۔۔۔ اُن کی وجہ سے بھی گورو جی کے لئے اسکے دل میں احترام کا جذبہ تھا۔

ان دونوں باتوں کی وجہ سے اُس نے گورو مہاراج کے پاس پیغام بھیجا کہ۔ آپ حق وانصاف کے حامی ہیں۔ عظیم شاہ نے میرے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ میرے حق پہ قبضہ کرلیا ہے۔ مجھے میرا حق دلانے کے لئے میرا ساتھ دیجئے۔

گوروجی اُس وقت راجپوتانہ سے دہلی کی طرف آرہے تھے۔ راستہ میں انہیں بہادر شاہ کا قاصد ملا۔

گوروجی کے لئے یہ لمحہ شاید اُن کی زندگی کے عظیم ترین لمحوں میں سے ایک تھا۔

جس آدمی نے اُن کے پوجیہ پتاجی کو شہید کیا۔ جس کی وجہ سے اُن کے چار بیٹے شہید ہوئے، اُن کا آنند پور چھن گیا۔ ان کے ہزاروں وہ سکھ شہید ہوئے جو انہیں بیٹوں سے زیادہ عزیز تھے۔ جس کی وجہ سے وہ بے گھر، بے در، بے زر ہو کر جنگلوں میں گھومتے پھرے۔ اسی کا لاڈلا بیٹا آج ان سے مدد کی بھیک مانگ رہا تھا۔

جس حکومت کے متعلق ان کی سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ وہ ظلم وناانصافی کے راستے پہ چل کر حق وامن وانصاف کو تباہ کئے دیتی ہے، اُسی کا دعویدار اُن سے التجا کر رہا تھا کہ مجھے حق وانصاف دلوایئے۔ جس سامراج کی وہ جڑیں اکھاڑ دینا چاہتے تھے اُسی کا علمبردار اُن سے درخواست کر رہا تھا کہ مجھے اس سامراج کا مالک بنا دیجئے ـــــــ عجیب حالت تھی یہ۔ گورو مہاراج کے دعاوی کا امتحان یہ تھا۔ اُن کے سیاسی تدبر کا امتحان یہ تھا۔ اُن کی روحانی عظمت کا امتحان یہ تھا ـــــ

اور بہادر شاہ کی درخواست کے جواب میں جو کچھ انہوں نے کہا۔ اور کیا، وہ اس بات کا ثبوت ہے، کہ ہر امتحان میں سپھل ہو کر وہ اس طرح جگمگا اُٹھے جیسے آفتاب بادلوں سے باہر آگیا ہو۔ بہادر شاہ کی مدد کرنے کیلئے وہ خود نہیں گئے۔ لیکن دھرم سنگھ جی کی قیادت میں انہوں نے اپنی بہادر فوج کا بہت بڑا حصہ شہزادے کی مدد کیلئے بھیجدیا۔ اسکے ساتھ ہی اُسے پیغام بھیجا:۔

"میں صرف فوجی طور پہ نہیں، روحانی طور پہ بھی تمہاری مدد کروں گا۔ میری دعا سے تم ہندوستان کے بادشاہ بنوگے ـــــ میری شرط صرف یہ ہے کہ میں ایک کام کہوں گا۔ وہ تمہیں کرنا ہوگا[1] ـــــــــــــــ"

---

[1] میکالف اور اس کی ہاں میں ہاں ملانے والے کچھ دوسرے جائیوں نے لکھا ہے کہ گورو مہاراج جو بات منوانا چاہتے تھے وہ یہ تھی کہ

یہ جواب اُن کی روحانی عظمت کا ثبوت ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے سب سے بڑے دشمن کے بیٹے کی مدد کرنے سے بھی انکار نہیں کیا۔ اس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے لئے نہیں ایک اصول کے لئے لڑ رہے تھے۔

یہی جواب اُن کی اصولی عظمت کا ثبوت ہے۔ اسلئے کہ دشمن کے بیٹے کے ساتھ بھی ناانصافی کو انہوں نے برداشت نہیں کیا۔ عملی طور سے کہا۔ کسی کے ساتھ بھی ناانصافی ہو، اُسکی مدد میں ضرور کرونگا

اور یہی جواب اُن کے سیاسی تدبر کی عظمت کا ثبوت ہے۔ اسلئے کہ انہوں نے مغل سامراج کے دو دعویداروں میں کمزور دعویدار کی مدد کر کے عملی طور پہ اس سامراج کو ایسا دھکا دے دیا جس کی وجہ سے صرف چند برسوں بعد اس سامراج کی دیواریں گرنے لگیں چھت گرنے لگی۔

دھرم سنگھ جی ان پانچ بہادروں میں سے ایک تھے جنہوں نے خود شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کو کھنڈے کا امرت پلا کر سکھ بنایا تھا۔ اُن کے ساتھ شاید تین سو گھوڑسوار اور کچھ پیدل تھے۔ ظاہر ہے کہ بہادر شاہ کی باقی فوج اس سے کئی گنا زیادہ تھی۔ لیکن ان تھوڑے سے گورو بھگتوں کی موجودگی میں بہادر شاہ کو ایسے لگا کہ خدا کی مہر اس کے ساتھ ہے، روحانیت کی طاقت اُسکے ساتھ ہے۔ اور واقعی جب

کہ سرہند کے صوبیدار وزیر خاں کو گرفتار کر کے سزا دی جائے — میں سمجھتا ہوں کہ گورو مہاراج جیسے عظیم مہاپُرش اور یگ پُرش کے متعلق یہ سوچنا بھی اُن کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے کہ وہ وزیر خاں جیسے حقیر آدمی سے بدلہ لینے کو اپنے جیون کا مشن بنائے بیٹھے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسی چھوٹی بات اُن کے من میں تھی ہی نہیں۔ وہ بہادر شاہ سے منوانا چاہتے تھے یہ بات کہ وہ بادشاہ بننے کے بعد ظلم و ناانصافی کے راستہ پر، تعصب و نفرت کے راستہ پر نہیں بلکہ ایک نیک بادشاہ کی طرح حق و انصاف کے راستہ پر چلیگا۔ گورو مہاراج اس نظام کے خلاف لڑ رہے تھے جس میں ظلم و ناانصافی سے لوگوں کے حق چھینے جاتے ہیں۔ آزادی چھینی جاتی ہے۔ اور عزت چھینی جاتی ہے — کسی ایک یا دوسرے فرد سے انہیں کوئی دشمنی نہیں تھی۔

عظیم شاہ اپنی فوج لے کر احمد نگر سے دوڑتا ہوا آگے بڑھا۔ کہ بہادر شاہ کو آگرہ پر قبضہ کرنے سے روک سکے اور جب دھولپور کے نزدیک جاجو کے مقام پر دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوگئیں تو گوروجی کے بھیجے ہوئے ان بہادر سکھ سپاہیوں نے عظیم شاہ کی فوج کے لئے قیامت جگادی۔ دھرم سنگھ جی اس طرح لڑے، اس طرح اپنے آدمیوں کی انہوں نے قیادت کی کہ بہادر شاہ عش عش کر اٹھا تین روز تک یہ جنگ ہوتی۔ تیسرے دن نہ صرف عظیم شاہ مارا گیا، بلکہ اس کے متعدد جرنیل بھی۔ باقی لوگ یہ دیکھ کر بھاگ گئے کہ عظیم شاہ اب رہے نہیں —— بہادر شاہ آگرہ کی طرف بڑھا، باقاعدہ تخت نشین ہوا۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے دھرم سنگھ جی کو اس پیغام کے ساتھ گوروجی کے پاس بھیجا کہ اب آگرہ میں تشریف لائیے۔"

گوروجی اس وقت دہلی میں تھے

وہ دہلی کے پاس پہنچے تو اس طرف سے جدھر آجکل شاہدرہ اور گاندھی نگر وغیرہ ہیں۔ دہلی کے شہر میں داخل ہونے کی بجائے وہ جمنا کو پار کر کے اس گاؤں کے پاس پہنچے جس کا نام "رائے سینا" تھا۔ اور جہاں آج اسی نام کی سڑک موجود ہے۔ (گاؤں کو نئی دہلی کھا گئی ہے) اس گاؤں کے پاس ہی وہ جگہ تھی جہاں ایک بھگت سکھ لکھی شاہ شری گورو تیغ بہادر جی مہاراج کے بے سر جسم کو اٹھا کر لے گیا تھا۔ اور جہاں اُس نے گورو مہاراج کا آخری سنسکار کیا تھا۔ اس خوف سے کہ شاہی جاسوسوں کو اس بات کا پتہ نہ لگ جائے اور وہ گوروجی کے "داہ سنسکار" میں رکاوٹ نہ ڈالیں اس نے اپنا جھونپڑا بھی پھونک دیا —— اس مقدس جگہ کے پاس ہی ایک اور چھوٹا سا گاؤں رکاب گنج تھا۔ اسی کی وجہ سے اس جگہ کو بھی رکاب گنج کہا گیا۔ اور بعد میں اس جگہ بننے والے گوردوارے کو بھی اسی نام سے پکارا گیا۔ لیکن گورو مہاراج یہاں پہنچے تو کوئی عمارت اس جگہ تھی نہیں۔

اسی جگہ دھرم سنگھ جی آگرہ سے آکر گورو مہاراج کو ملے اور انہیں نئے "شاہِ ہندوستان" کا پیغام دیا کہ "آپ آگرہ تشریف لائیے، میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

گورو مہاراج نے یہ بات سنی۔ دھرم سنگھ جی کو اُن کی فتح پر مبارکباد دی۔ یہ بھی کہا کہ وہ آگرہ چلیں گے۔ لیکن گئے نہیں کچھ دن اور یہیں ٹھہرے رہے۔ بہادر شاہ نے ایک اور پیغام بھیجا کہ "جلدی تشریف لائیے۔ میں آپکے ساتھ جنوب کی طرف جانا چاہتا ہوں"۔ گورو مہاراج خود بھی جنوب کی طرف جانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے ساتھیوں کو اپنا یہ ارادہ بتایا۔ ماتا سندری جی نے یہ بات سنی تو ان کی آنکھیں چھلچھلا آئیں۔ گوروجی دمدمہ سے اجمیر کی طرف گئے تو ماتا سندری، ماتا صاحب کور

اور کچھ دوسرے لوگ دہلی میں آکر رہنے لگے۔ اُس وقت سُندری جی کو دشواس تھا کہ گورو جی واپس جائیں گے اور ان کے درشن پھر بھی ہوں گے۔ لیکن اب پتہ نہیں کیوں انہیں ایسے لگا کہ یہ آخری درشن ہے۔ اس کے بعد "نیلے گھوڑے والے، سفید بازوں والے کلغی دھر پریتم کا یہ روپ پھر کبھی دکھائی نہیں دے گا۔ اس لئے ان کی آنکھوں سے آنسو باہر آگئے۔ گورو مہاراج نے انہیں پھر سمجھایا کہ۔۔۔ "یہ جسم تو ختم ہونے والا ہے۔ اس کا موہ نہیں کرنا چاہیئے۔"

لیکن ماتا صاحب کور کو یہ فلسفہ سمجھ نہیں آیا۔ انہوں نے ضد کے ساتھ کہا۔۔ "مجھے آپ کے ساتھ جانا ہی ہے۔ دوسری کوئی بات سُننی نہیں ہے۔"

گورو جی ہنستے ہوئے بولے۔۔ "پھر چلو۔ جو سُنے نہیں اُسے سمجھانے کا فائدہ کیا ہے؟"

گورو جی دہلی سے چلے تو تین دن کے بعد متھرا میں پہنچے۔ وہاں جمنا کے کنارے سورج کنڈ پر خیمے لگا دیئے۔ یہیں سے وہ برندابن، برسانہ اور نند گاؤں وغیرہ کو دیکھنے گئے۔

آگرہ میں پہنچ کر وہ بہادر شاہ کو ملے۔ بہادر شاہ نے انہیں قیمتی تحفے بھینٹ کئے۔ اور کہا کہ۔ "آپ کے سفر کے لئے ہر قسم کا انتظام میں نے کروا دیا ہے۔ آپ میرے ساتھ ساتھ چلیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو آرام ملے گا۔ اور آپ کے ساتھ رہنے سے مجھے فائدہ ہوگا۔"

اور کچھ ہی دنوں کے بعد گورو مہاراج اس سفر پہ چل پڑے جس سے انہیں واپس نہیں آنا تھا۔

اگست ۱۷۰۷ء میں یہ سفر شروع ہوا۔ نومبر ۱۷۰۷ء میں گورو مہاراج راجپوتانہ کے متعدد شہروں (جے پور، جودھ پور، چیتوڑ، اُدے پور وغیرہ سے ہوتے ہوئے) نربدا ندی کو پار کر کے پُونہ کے علاقہ میں پہنچے۔ یہاں سے بہادر شاہ مرہٹوں پر حملہ کرنے کیلئے آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ گورو مہاراج کو اُس نے کہا۔۔ "آپ بھی میرے ساتھ چلیئے۔۔ میری مدد کیجیے"۔

گورو جی نے واضح طور پہ کہا۔ "جب تمہارے چھوٹے بھائی نے تمہارا حق چھینا۔ تو میں نے تمہارا ساتھ دیا۔ کیونکہ تم سے نا انصافی ہو رہی تھی۔ اب تم مرہٹوں پہ حملہ کر کے اُن سے نا انصافی کرنا چاہتے ہو تو تمہارا راستہ الگ ہے، میرا الگ۔۔ میں ہندوؤں کے خلاف ترکوں کی مدد نہیں کرتا۔"

اور تبھی ان کے راستے الگ الگ ہو گئے۔

نومبر کے مہینے میں ہی گورو مہاراج اُس "ناندیڑ" میں پہنچے جسے بعد میں انہوں نے ابچل نگر (دیار دائم)

کا نام دیا۔ اور جب کبھی اس علاقہ کے لوگ نو نند ڈیرا کہتے تھے۔ روایت ہے کہ یہاں گوداوری ندی کے کنارے چھپے جنگل میں تو مہاتما اپنا آشرم بنا کر جپ تپ کرتے تھے۔ انہیں کی وجہ سے اس جگہ کا یہ نام مشہور ہوا۔ بعد میں مختصر ہو کے صرف "ناندیڑ" رہ گیا۔

قریباً ڈیڑھ ہزار میل لمبے اور چار مہینے کے اس سفر میں کوئی ہنگامہ خیز بات ہوئی نہیں — بہادر شاہ کی کوشش یہ تھی کہ گورو مہاراج کیلئے زیادہ سے زیادہ آرام مہیا کر کے ان کا من جیت لے۔ ایک بار اس نے یہ بھی کہا کہ گورو جی جتنی بڑی جاگیر چاہیں اتنی بڑی جاگیر لے کر اسے اپنی ریاست بنا لیں۔ وہاں اپنی مرضی کے مطابق حکومت کریں۔ لیکن گورو جی نے ہنستے ہوئے کہا۔ میں جاگیریں اور حکومتیں دینے آیا ہوں۔ لینے نہیں آیا۔ میری حکومت روحانیت کے اس سامراج میں ہے جس کا کوئی انت نہیں۔ جہاں کوئی جبر نہیں، کوئی تشدد نہیں۔ جہاں پیار ہنستا ہے اور مہر مسکراتی ہے —— دوسری طرف گورو جی کا جتن یہ تھا کہ بہادر شاہ کو مذہبی تعصب اور نسلی منافرت کی اس دنیا سے باہر لا سکیں جس میں اس نے اپنے باپ کی وجہ سے پرورش پائی تھی —— ظاہر ہے کہ گورو جی اپنے جتن میں صرف اس حد تک کامیاب ہوئے کہ بہادر شاہ نے اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں تعصب سے بالا رہنے کی کوشش کی۔

لیکن چار مہینے کے اس عرصہ میں کئی دلچسپ باتیں بھی ہوئیں۔ ان میں ایک دو باتیں یہ ہیں۔

گورو مہاراج بادشاہ کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ لیکن ان کے ساتھ ساتھ چلتا تھا گوربانی کا پیار بھرا کیرتن۔ روحانیت کا لگاتار بہتا ہوا، ابھرتا ہوا دریا —— ہر روز سورج نکلنے سے بہت پہلے "آسا کی وار" شروع ہو جاتی۔ ہر صبح مہاراج کا اپدیش ہوتا۔ ہر شام بھی ہوتا —— ان درباروں میں صرف گورو مہاراج کے ساتھی نہیں، اس علاقہ کے گورو بھگت بھی شامل ہوتے —— کتنے ہی نئے لوگ کھنڈے کا امرت پی کر سکھ بنتے تھے۔ کل کتنے لوگ اس سفر میں سکھ بنے یہ کسی کو معلوم نہیں۔ لیکن دمدمہ صاحب کے متعلق ایک انگریز مؤرخ مسٹر ٹرمپ کا اندازہ ہے کہ وہاں ایک لاکھ ۲۰ ہزار لوگ سکھ سجائے گئے۔

ایک دن گورو جی کچھ سرکاری افسروں کے ساتھ بیٹھے تھے جب ایک سرہند کے سید نے ان سے کہا۔ سنا ہے آپ ... کرتے ہیں۔ کیا کوئی کرامات ہمیں نہیں دکھا سکتے؟

گورو جی سونے کی ایک مہر کو ہاتھ میں لے کر بولے "اس سے بھی معجزے ہوتے ہیں۔ آدمی بہت کچھ اس کی مدد سے حاصل کر سکتا ہے۔"

سید نے پھر کہا۔ "یہ تو عام بات ہے۔ میں خاص معجزے کی بات پوچھتا ہوں۔"

گورو جی نے اپنی تلوار پہ ہاتھ رکھ کے کہا "سب سے بڑا معجزہ یہ ہے۔ درست طریقے سے اس کو استعمال کیا جائے تو یہ حکومت دے سکتی ہے۔ سلطنت دے سکتی ہے۔ طاقت، دولت ہر چیز دے سکتی ہے اس سے ظلم کو، بے انصافی کو اور گناہ کو ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔"

سید صاحب نے سُنا تو سر جھکا دیا

بہادر شاہ کا دربار لگا ہوا تھا۔ گورو جی اس کے پاس بیٹھے تھے۔ تبھی بہادر شاہ نے کہا "اسلامی کلمہ پڑھنے والے کو کبھی دوزخ میں جانا نہیں پڑتا۔"

گورو جی بولے "یہ درست نہیں۔ کلمہ پڑھنے والا بھی اگر گناہ کرتا ہے۔ ظلم و ناانصافی اور بدی کے راستے پر چلتا ہے تو اُس کو اپنے اعمال کی سزا ملے گی ضرور۔ اگر یہ سزا دوزخ ہے تو اسے دوزخ ہی نصیب ہوگا۔"

بہادر شاہ نے حیرت سے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

گورو جی نے ایک کھوٹا روپیہ منگوایا۔ بولے "دیکھو۔ اس کے اوپر آپ کی مہر موجود ہے۔ مہر کی وجہ سے اس کو ہر دوکان، ہر تجارتی منڈی میں چلنا چاہیئے۔ لیکن چونکہ یہ خود کھوٹا اور جعلی ہے، چونکہ اس کی اپنی کوئی قیمت نہیں۔ اسلیئے یہ مہر بھی اس کا کچھ کر نہیں سکتی۔ لوگ اسے بیکار اور کسی قیمت کا نہ سمجھ کر پرے پھینک دیتے ہیں۔ اگر کھوٹا روپیہ دنیا میں نہیں چلتا تو کھوٹا کلمہ گو کیسے چلے گا۔ آدمی کے نصیب کا فیصلہ اس بات سے نہیں ہوتا کہ وہ مانتا کیا ہے۔ اور کہتا کیا ہے۔ بلکہ اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ کرتا کیا ہے۔"

سفر کے دوران گورو جی کے ساتھ اپنے سپاہی تھے۔ بادشاہ کے ساتھ شاہی فوج۔ اس فوج میں کتنے ہی ایسے لوگ بھی تھے۔ جن کے حبی یا رشتہ دار آنند پور کی جنگ میں سکھوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ ساتھ سکھ فوج کو چلتا ہوا دیکھتے تو ان کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک اُٹھتی۔ کئی بار، کئی جگہ ان لوگوں اور گورو جی کے سکھوں کے درمیان جھڑپیں ہوتیں۔ جھگڑے ہوئے۔

ایسے ہی ایک جھگڑے کو نپٹنے کیلئے گورو جی نے مان سنگھ جی کو بھیجا۔ جو پانچ پیاروں میں سے ایک تھے مان سنگھ جی دونوں فریقین کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ بادشاہی فوج کے ایک سپاہی نے اُن پر تلوار سے وار کیا اور انہیں شہید کر دیا۔ گورو جی کو اس بات کا پتہ لگا تو قدرتی طور پر وہ بہت دُکھی ہوئے۔ بہادر شاہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔ جس آدمی نے مان سنگھ جی کو قتل کیا تھا، اُسے گرفتار کر کے گورو جی کے حوالے کر دیا کہ ”آپ جو چاہیں وہ سزا اس کو دیں“

گورو جی نے اس بدنصیب کو دیکھا۔ اُس کی قابلِ رحم صورت کو۔ اُس کے روتے ہوئے چہرے کو۔ اور دھیمے سے وہ بولے ”بہت بڑا آدمی تم نے مار ڈالا۔ لیکن جاؤ۔ میں نے تمہیں معاف کیا۔ دعا کرو کہ خدا بھی تمہیں معاف کرے“۔

ظاہر ہے کہ اس بات کا شاہی فوج پر بہت اچھا اثر ہوا۔ گورو جی کی عزت بڑھی۔ لوگوں کے دلوں میں اُن کے لئے پیار بڑھا۔ شاہی فوج میں کتنے ہی ترک، مغل، ایرانی اور پٹھان بھی تھے۔ وہ گورو جی کو ”ہند کا پیر“ کہنے لگے۔

لیکن شاہی فوج کے وہ سپاہی (جن کے رشتہ دار آنند پور کی جنگ میں ہلاک ہوئے تھے) اپنے نقطہ نظر کو بدل نہیں سکے۔ بہادر شاہ کے کئی قریبی افسر بھی گورو جی کے ساتھیوں کو اپنے تعصب کی وجہ سے اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ایسا ہی ایک افسر ”خفی خان“ اُن دنوں ”منتخب اللباب“ نام سے تاریخی واقعات کی ایک کتاب لکھ رہا تھا۔ اس کتاب میں بہادر شاہ کے پاس گورو جی کی آمد کا ذکر اس نے ان الفاظ میں کیا ہے:-

> ”درایامیکہ بہادر شاہ بادشاہ عازم حیدرآباد گردیدند، گوبند نام از سر گروہانِ آں قوم بدنام بہ حضور رسیدہ۔ با دو صد، سہ صد سوار نیزہ بردار و پیادہ در رکاب رفاقت نمود ـــــــ“

(”اُن دنوں جب بہادر شاہ بادشاہ حیدرآباد جانے کی تیاری کر رہا تھا، اس بدنام (سکھ) قوم کا ایک سرگروہ جس کا نام گوبند تھا، بادشاہ کے حضور میں پہنچا۔ اس کے دو سو یا تین سو سوار نیزہ بردار اور پیدل سپاہی تھے ـــــــ“)

ان سطور میں ”از سر گروہانِ آں قوم بدنام“ کے الفاظ اس بات کا ثبوت ہیں کہ اورنگ زیب کی موت کے بعد بھی اورنگ زیبی ذہنیت والے کئی لوگ موجود تھے۔

برہان پور میں پہنچ کر شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج وہیں ٹھہر گئے۔ بادشاہ آگے چلا گیا۔ لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد اُس نے مہاراج کو لکھا کہ آپ آئیے۔ ہم دونوں مل کر پونہ کی طرف چلیں گے۔ مہاراج برہان پور سے آگے بڑھے۔ بادشاہ کے ساتھ پونہ پہنچے۔ وہاں سے ناندیڑ آ گئے۔ ناندیڑ کے نزدیک ہی انہیں ایک مہاتما ملے۔ سفید بال، سفید داڑھی، سفید ابرو۔ بہت بوڑھے سجن تھے وہ۔

گورو جی نے انہیں دیکھا۔ تو پیار سے بولے۔ "آپ کیسے آئے مہاتما جی؟"

بزرگ سادھو نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔ "آپ کا درشن کرنے آیا ہوں۔ بیالیس برس سے انتظار کر رہا ہوں۔"

گورو جی اور بھی زیادہ پیار سے بولے۔ "بیالیس برس سے؟"

سادھو نے کہا۔ "ہاں مہاراج۔ میں اس تاپتی ندی کے کنارے بھگوان کو یاد کرتا رہتا ہوں۔ لیکن کوئی چالیس برس پہلے میں برہم پتر ندی کے کنارے وہاں رہتا تھا جہاں کام رُوپ دیش ہے۔ وہاں میں نے آپ کے پتا گورو تیغ بہادر جی مہاراج کے درشن کیے۔ جس روز انہیں ملا اسی روز پٹنہ سے خبر ملی کہ ان کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔ اور گورو جی نے اس کا نام گوبند رائے رکھا ہے۔ میں نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔ میں بھی گوبند جی کے درشن کرنے چاہتا ہوں۔ گورو تیغ بہادر جی نے آنکھیں مُوندیں، آنکھیں کھولیں، مسکرائے۔ بولے۔ ابھی نہیں، تم اُسے دیکھو گے ضرور۔ لیکن آج سے بہت دیر کے بعد۔ ایک جنگل کے اندر تاپتی ندی کے کنارے۔ گوبند جی تمہیں اس دیش کے دکن کی طرف جاتے ہوئے ملیں گے۔ تبھی میں یہاں آ گیا۔ انتظار کرتا رہا۔ اور آج......"

گورو جی مہاتما کو اپنے پاس بٹھا کر بولے۔ "بہت انتظار کیا آپ نے۔ اب میرے ساتھ رہیئے۔"

لیکن اسی علاقہ میں انہیں ایک اور سادھو ملا۔ ایسا سادھو جس نے اپنی مالا توڑ دی، کمنڈل پھوڑ دیا۔ اپنی دھونی میں کتنی ہی لکڑیاں ڈال کر اُس نے آگ کو شعلہ زن کر دیا۔ اور آگ کی لپٹوں کو دیکھ کر بولا۔ "اُوپر اُٹھو۔ آگے بڑھو۔ جلا دو سب کچھ۔ ہر گناہ کو۔ ہر گناہگار کو۔ ہر ظلم کو۔ ہر ظالم کو۔"

لیکن اس کی بات آگے چل کے عرض کروں گا۔

۲۱

آج سے تین سو برس پہلے ۱۶۶۶ء کے دسمبر کی ایک سہانی رات میں سورج کے طلوع ہونے سے ڈیڑھ پہر پہلے جس مہایوگی نے پٹنہ کے اندر اوتار لیا، اس نے ٹھیک کہا کہ وہ ظلم و ناانصافی کو تباہ کرنے، دھرم کو پھر سے زندہ کرنے اور جگت کا تماشہ دیکھنے کے لئے اس دنیا میں آیا ہے ——

کس طرح یہ تماشہ اس یگ پرش نے دیکھا۔ کس طرح اس مقدس تماشے میں اس نے خود بھی حصہ لیا۔ یہ آپ نے سنا۔ پٹنہ کی اس مقدس رات کے اکتالیس برس بعد نومبر ۱۷۰۷ء میں شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج گوداوری ندی کے کنارے بسے اس چھوٹے سے قصبہ میں پہنچے جسے کبھی "نونت ڈیرہ" کہا جاتا تھا۔ اور اب "ناندیڑ" کہا جاتا ہے۔ سینکڑوں برس پہلے کبھی اس جگہ "نگر" نام کا ایک قلعہ تھا۔ اسی نام کے ایک راجیہ کی راجدھانی تھا وہ۔ لیکن اب پرانا قلعہ نہیں۔ دیواریں نہیں عمارتیں نہیں۔ سب ختم ہو گیا ہے۔

میں آج سے ۲۵۹ برس پہلے کی بات کہتا ہوں۔ اس وقت یہاں آبادی کم تھی۔ ویرانہ زیادہ۔ قصبہ چھوٹا سا تھا۔ اس کے آس پاس جنگل بہت، ٹیلے بہت، کھڈیں بہت —— ان کھڈوں سے ہو کر وہ گوداوری سردیوں میں سوئی سوئی سی، برسات میں ناچتی گاتی اور اچھلتی ہوئی بہتی تھی جسے کتنے ہی لوگ دکن کی گنگا کہتے ہیں۔

پتہ نہیں کیوں، جس طرح گنگا اور نربدا کا کنارہ صدیوں سے یوگیوں، سادھوؤں سنتوں اور مہاتماؤں کی تپوبھومی بنا رہا۔ اسی طرح گوداوری کا کنارہ بھی بنا رہا —— کتنے ہی سادھوؤں اور سنتوں نے یہاں برسوں تک یوگ سادھن کیا ہے۔ شاید اس علاقے کی یہ روحانی کشش ہی گورو مہاراج کو یہاں لے آئی۔ ان پہاڑوں، کھڈوں، جنگلوں کو انہوں نے دیکھا اور ان میں سوئی سوئی سی صاف شفاف گوداوری کو، تو فیصلہ کیا کہ وہ ناندیڑ میں ہی قیام فرمائیں گے۔

لیکن ندیاں، پہاڑ اور جنگل تو اس دیش کے دوسرے حصوں میں بھی ہیں۔

گورو مہاراج نے اگر "ناندیڑ" کو اپنا "ابچل نگر" بنانے کا فیصلہ کیا تو کیوں ؟

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مہایوگی کی آنکھیں بہت دُور تک دیکھ رہی تھیں — اپنی عظیم روحانی طاقت کی وجہ سے انہیں معلوم تھا کہ یہاں وہ آدمی رہتا ہے جو ظلم وستم کے ایوانوں کو زلزلے کی طرح چکنا چُور کرے گا۔ انہیں معلوم تھا کہ اس آدمی کے اندر سوئی ہوئی مہاشکتی کو جگانے کیلئے انہیں خود وہاں جانا پڑے گا — جس مہاپُرش میں یہ عظیم رُوحانی بلندی تھی کہ وہ دھرم اور دیش کی رکشا کے لئے اپنا سربس نچھاور کرے۔ اپنے پتا کو بلیدان کرے، عزیز بچوں کو قربان کرے، بیحد پیارے ساتھیوں کو ایک ایک کرکے موت کے مُنہ میں دھکیل دے — اپنا دھن، دولت، جائداد — سکھ آرام، جوانی — سب کو اس طرح "سواہا" کرے جیسے کوئی یگیہ کرنے والا کسی مہان ہوم کنڈ میں "آہوتی کے بعد آہوتی" دیئے جاتا ہو — اور جس کی عظمت کا عالم یہ تھا کہ — یہ سب کچھ کرتے وقت جس کے چہرے پر ایک بار شکن نہیں آئی، ایک بار ہونٹوں سے ہائے نہیں نکلی، ایک بار آنکھوں سے آنسو نہیں بہے — معمولی آدمی چاہے وہ کتنا بھی دیش بھگت کیوں نہ ہو، یقینی طور پر ایسا ہو نہیں سکتا — یہ عظمت صرف ایسے مہاپُرش میں ہوتی ہے جس کے سینکڑوں جنم یوگ سادھن میں بیت گئے ہوں۔ — اور جو یوگ کی اس بلندی کو حاصل کرتا ہے، وہ یقینی طور پر اس مستقبل کو بھی دیکھ سکتا ہے جسے عام نگاہیں دیکھ نہیں پاتیں — اس کے لئے آج اور کل برابر ہو جاتے ہیں — نزدیک اور دُور برابر ہو جاتے ہیں —

اس لئے میں کہتا ہوں کہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج سارے ہندوستان کو چھوڑ کر ناندیڑ میں آئے تو اس لئے کہ انہیں اس آدمی کا علم تھا جسے بے سود بیراگ کی نیند سے وہ جگانا چاہتے تھے۔

اس آدمی کا نام تھا — مادھو داس۔

اس سے پہلے اس کا نام کبھی نارائن گری بھی تھا۔

اس سے پہلے اس کے ماتا پتا اُسے لچھمن دیو بھی کہتے تھے۔

گورو مہاراج نے اُسے "گوربخش سنگھ" کا نام دیا۔

خود اپنے آپ کو وہ "گورو جی کا بندہ" کہتا تھا۔

اُس کی بے دریغ جرأت اور بہادری کو دیکھ کر لوگ اُسے "بندہ بہادر" اور "بندہ سنگھ" بھی کہتے تھے۔

— لچھمن دیو کا جنم اس راجوری میں ہوا جو جموں و کشمیر راجیہ کا مشہور نگر ہے — شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج سے وہ چار برس چھوٹا تھا۔ اس کے پتا ایک معمولی سے جاگیردار تھے۔ متوسط درجہ

کے لوگوں کی طرح وہ پلا، بڑا ہوا۔ ایک دن جنگل میں شکار کرتے وقت اس نے تیر سے ایک ہرنی کو مار ڈالا۔ گھر لانے کیلئے کاٹنے لگا تو اس کے پیٹ سے دو بچے نکل آئے۔ جو اب بھی زندہ تھے۔ دنیا میں پہلی بار ان چھوٹے چھوٹے بچوں کی آنکھیں کھلیں تو یہ دیکھنے کے لئے کہ ان کی ماں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں ــــ اس منظر کا لچھمن دیو پر ایسا اثر ہوا کہ وہ پھر گھر میں واپس نہیں گیا۔ اس دنیا سے ہی اس کا جی اُٹھ گیا۔ پہلے سنیاسی بنا۔ اس کا نام نارائن گر ہوا۔ تب بیراگی بنا۔ کونی نام کے ایک یوگی سے اس نے یوگ کی سکھشا لی۔ "مادھو داس" کا نام بھی۔ اس وقت وہ پنجاب سے بہت دُور اُس علاقہ میں تھا جسے آجکل شمالی آندھرا پردیش کہتے ہیں۔ یہاں اُس گوداوری کے کنارے وہ رہتا تھا جو ہندوستان کے مغرب سے شروع ہو کر اس سارے دیش کو پار کرتی ہوئی بنگال کی کھاڑی میں جا گرتی ہے۔ کونی نے اُسے کہا "جس یوگ سادھن کیلئے میں نے تمہیں کہا۔ اس کے لئے زیادہ ایکانت کی۔ زیادہ گھنے جنگل کی۔ مقابلتاً سرد فضا کی ضرورت ہے" ــ اور مادھو داس گوداوری کے ساتھ ساتھ شمال مغرب کی طرف چل پڑا ــ اس علاقہ میں پہنچا جہاں آج "نانڈیڑ" ہے ــ اور جہاں گوداوری گہری کھڈوں سے ہو کر ایک سفید سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی مشرق کی طرف جاتی ہے ــ یہاں گوداوری کے کنارے ایک اونچے ٹیلے پر اس نے اپنی جھونپڑی بنائی۔ یہیں وہ ساری دنیا سے دُور ساری دنیا سے روٹھ کر گھور تپ سادھن میں محو ہو گیا۔

اسی نانڈیڑ میں جب گورو مہاراج پدھارے تو انہیں یہ پہاڑی منظر بہت سُندر لگا۔ وہ بھی یہاں رہنے لگے۔

نانڈیڑ میں جہاں آج "ابچل نگر" کا گوردوارہ ہے، اس سے قریب چار میل کی دُوری پر ایک گہری کھڈ میں گوداوری بہتی ہے۔ اس کے کنارے کئی مندر بنے ہیں۔ مندروں سے گوداوری تک جانے کیلئے کئی جگہ سیڑھیاں بھی ہیں۔ گورو مہاراج کے زمانے میں شاید یہ سیڑھیاں نہیں تھیں لیکن گورو مہاراج ہر روز اشنان کے لئے اس ندی پر آتے تھے۔ ندی کنارے کی چٹانوں پر بیٹھ کر اس اکال پُرکھ کی یاد میں محو ہو جاتے تھے جس کے سوائے ان کا کوئی محبوب نہیں تھا۔

یہیں انہیں مادھو داس بیراگی کا پتہ ملا تو وہ بولے "ہم خود اس کے پاس جائیں گے"۔

کئی مورخین نے لکھا ہے کہ گورو مہاراج اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مادھو داس کے آشرم پر پہنچے تو اس تخت پر بیٹھ گئے جہاں مادھو داس کے سوائے کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ مادھو داس اس وقت دُور پرے کسی جنگل میں سمادھی لگائے

بیٹھا تھا۔ گورو مہاراج نے اس کی غیر حاضری میں ہی اس کی ایک بکری کو جھٹکانے کا حکم دیا۔ وہیں آشرم میں اس کا گوشت بنوایا اور وہیں بیراگی کے آسن پر بیٹھ کر اُسے کھانا شروع کر دیا۔۔۔۔ دُور پرے جنگل کے اندر سمادھی لگا کر بیٹھے بیراگی کو جب معلوم ہوا کہ اس کے آسن پر کوئی دوسرا آکر بیٹھ گیا ہے تو اس نے یوگ بل سے آسن کو ہلانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اسے بال بھر بھی نہیں ہلا سکا۔ تب وہ دوڑتا ہوا آیا۔ گورو مہاراج کو آسن پر بیٹھ کر بکری کا گوشت کھاتے دیکھا تو چلا اُٹھا کون ہو تم؟۔۔۔ لیکن گورو جی نے جب آنکھ اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو مادھو داس کا سارا غصہ، سارا جوش ختم ہو گیا۔ وہ گورو جی کے پاؤں میں گر پڑا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

لیکن گورو جی مہاراج کی ملاقات متذکرہ بالا طریقے سے ہوئی یا کسی دوسرے طریقہ سے، یہ سچ ہے کہ اس ملاقات کا نتیجہ ناقابلِ فراموش تھا۔

شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے اس آدمی کو دیکھا۔ اس بیراگی نے گورو مہاراج کو۔۔۔ بیراگی برسوں سے تپ اور یوگ سادھن میں محو تھا۔ لگاتار ریاضت سے اس کی آتما جاگ اُٹھی تھی، اس کے اندر پاکیزگی تھی، صفائی تھی۔ بلندی بھی۔۔۔ اس جاگی ہوئی آتما نے گورو مہاراج کو دیکھتے کے ساتھ ہی پہچانا۔ یقیناً بطور ایک پنجابی کے وہ انہیں جانتا تھا۔ ان کی باتیں شاید وہ پنجاب میں سنتا رہا تھا۔ شاید اس نے گورو نانک کی گدی پر بیٹھنے والے مہاتماؤں کا ذکر بھی سنا تھا۔ اُس مہاپرش کا بھی جس نے تلک اور یگیوپویت کی رکھشا کیلئے دہلی کے چاندنی چوک میں اپنا سر دیدیا سِر نہیں دیا۔ ۔۔۔ یقیناً اس نے اس بہادر پنجابی کو پہچانا جس پر صرف پنجاب نہیں سارا ملک ناز کرتا تھا۔ اس نے پہچانا کہ یہی وہ گورو گوبند ہیں جن کا نام سن کے لوگ پیار سے ماتھے جھکا دیتے ہیں۔۔۔۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اپنی پاکیزہ روحانیت کی وجہ سے اس نے اس عظیم آتما کو پہچانا جو زانوؤں تک لمبی باہوں والے چوڑے سینے والے، مستی بھری نگاہوں والے، گورے رنگ والے اس جسم کے اندر مسکراتی تھی۔ پہچاننے کے بعد بھی اس نے پوچھا " آپ؟۔۔۔ آپ کون؟"

گورو مہاراج نے امرت کی طرح میٹھی، مسکراتی آواز میں کہا "میں گوبند سنگھ ہوں۔۔۔ پنجاب سے آیا ہوں۔۔۔"

بیراگی نے اپنی ان آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ کے ان کی طرف دیکھا۔ جن کی پیاس بجھتی نہیں تھی اُس کا جسم کانپ رہا تھا۔ ہونٹ کانپ رہے تھے۔ آواز کانپ رہی تھی۔

دھیمے سے بولا۔ "آپ ۔ گورو گوبند سنگھ"

گورو جی مسکرائے ۔ اس طرح اس کے تپ سے کٹھور بنے جسم کو دیکھا جیسے اُن کی نگاہیں دو ہاتھ ہوں۔ جنگل کے اس نواسی کو سینے سے لپٹائے لیتی ہوں۔

اور آہستہ سے بولے ۔ "تم کون ہو بیراگی !"

بیراگی جلدی سے جھکا۔ اُن کے دونوں پاؤں پکڑ کے۔ اُن پہ اپنا سر رکھ دیا۔ پاؤں کو چوم لیا۔ چومتا ہوا بولا ۔ "میں آپ کا بندہ گورو جی ۔ میں آپ کا بندہ ______ میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ بہت بھٹکا میں۔ بہت کھوجا۔ بہت لوگوں سے پوچھا۔ بہت کچھ سنا۔ لیکن من کو شانتی نہیں ملی ___ لیکن آج بنا پوچھے، بنا سنے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ مل گیا۔ اب کچھ جاننا باقی نہیں۔ حاصل کرنا باقی نہیں۔ لہر کو ساحل مل گیا۔ مسافر کو منزل مل گئی۔"

گورو جی نے اُسے اُٹھایا۔ اپنے سامنے بٹھایا۔

پیار سے بولے ۔ "تم بیراگی کیوں بن گئے؟ اس گھور گھنے جنگل میں کیوں چلے آئے؟"

مادھو داس نے اپنی کہانی سنائی ۔ یہ بھی بتایا کہ اُس مرتی ہوئی ہرنی کی آنکھیں مجھے بھولتی نہیں اُس کے بچوں کی آنکھیں بھی بھولتی نہیں جو صرف تھوڑی دیر زندہ رہ سکے۔

گورو جی بولے ۔ "ٹھیک کہتے ہو تم ___ لیکن کیا تمہیں معلوم ہے کہ ایک اور ہرنی بھی ہے ۔ جسے بار بار شکاری کا تیر لگتا ہے ۔ جسے بار بار کاٹا جاتا ہے۔ اور جس کے بچے بار بار دیکھتے ہیں کہ ان کی ماں ذبح ہو رہی ہے ___ اور اس بھیانک منظر کو دیکھ کر بچے ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھیں موند لیتے ہیں۔ ___ ماں ہے، ہماری یہ جنم بھومی۔ جسے ظالم بدیشی بار بار زخمی کرتے ہیں۔ اور اس کے بچے ___ کبھی ان بچوں کو اجیت سنگھ اور زوراور سنگھ کہا جاتا ہے۔ کبھی جوجھار سنگھ اور فتح سنگھ ___ کبھی ان کو ارجن دیو اور تیغ بہادر بھی کہا جاتا ہے ......"

مادھو داس نے سوچتے ہوئے کہا۔ "شری گورو ارجن دیو جی ۔ شری گورو تیغ بہادر جی ...... میں نے ان کے نام سنے ہیں ۔ لیکن یہ اجیت سنگھ ۔ زوراور سنگھ ۔ جوجھار سنگھ ۔ فتح سنگھ کون تھے ......"

گورو جی دھیمے سے بولے ۔ "میرے بیٹے ۔ پہلے دونوں اُس جنگ میں شہید ہوئے جس میں ایک طرف ہم چالیس آدمی تھے۔ دوسری طرف کئی ہزار ترک ___ جوجھار اور فتح دونوں صرف آٹھ اور چھ سال کے تھے۔ سرہند کے نواب نے انہیں زندہ ہی دیوار میں چنوا دیا ___"

گورو مہاراج شانت تھے۔ چہرے پر شکن نہیں۔ آنکھ میں نمی نہیں۔
لیکن مادھو داس اپنی سسکیاں روک نہیں سکا۔

تاریخ کہتی ہے کہ مادھو داس نے فیصلہ کیا۔ بیراگ اور جنگل دونوں کو تلانجلی دے دے گا۔
گورو مہاراج سے اُس نے پرارتھنا کی۔ "اجازت دیجئے کہ میں پنجاب میں واپس جا کر ظلم اور ظالم
دونوں کا سرب ناش کر سکوں۔"
تاریخ کہتی ہے کہ گورو جی نے اُسے "گور بخش سنگھ" اور "بندہ سنگھ" کے نام دیئے۔ اپنے پانچ تیر
بھی دیئے جن میں سونے کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ اور اس کے ساتھ بابا بنود سنگھ اور بابا کاہن سنگھ
کو بھیجا جو شری گورو انگد دیو جی مہاراج کی سنتان میں سے تھے۔ ان کے علاوہ گورو امر داس کے پریوار سے
تعلق رکھنے والے باز سنگھ کو بھی حکم دیا کہ بندہ سنگھ کے ساتھ جاؤ۔ ان کے علاوہ پانچ بہت اچھے سکھ
سپاہی بھی بندہ سنگھ کے ساتھ کر دیئے۔
بندہ نے ایک بار پھر اُن کے قدموں پہ سر رکھ کے کہا۔ "اب اجازت دیجئے میرے مالک!
۔ اور کوئی آخری حکم ......!"
گورو جی اپنی ایک کوِتیا کو یاد کرتے ہوئے بولے۔ "جہاں تہاں تم دھرم بِتھارو۔ دُشٹ
دوکھین پکر پچھارو ....."
ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ایک یا دو دِنوں میں نہیں ہوا۔ بندہ کافی دیر تک گورو مہاراج کے
پاس رہا۔ پھر اس طرح چل پڑا جیسے ساون کی گھٹا سے بجلی چمکی ہو۔ نیچے دُور تک پھیلے جنگل پہ گری ہو
اور شعلے اُبھرنے لگے ہوں۔ لگاتار اُچھلتے ہوئے، پھیلتے ہوئے، چیختے ہوئے شعلے .....

بندہ بہادر کی کہانی مجھے لکھنی نہیں۔ لیکن جو کچھ اُس نے کیا۔ اُس سے ایک
بات یاد آتی ہے۔ بہت پہلے، اس زمانے کی بات جس کا کوئی اتہاس نہیں۔
۔ دکش پرجاپتی نے یگیہ کیا۔ دوسرے دیوتاؤں کو بلایا۔ بھگوان شِو کو نہیں۔ شِو
کیلاش پہ تھے۔ مسکراتی نگاہوں سے تماشۂ عالم دیکھ رہے تھے۔ کروڑوں برہمانڈ
اربوں سُورج منڈل۔ مالا کے چمکتے ہوئے دانوں کی طرح۔ جیسے وہ دکھائی نہ دینے
والا پرم پُرش۔ اس مالا کو پھِراتا ہوا۔ اپنے ہی نام کا جاپ کرتا ہو۔ اس طرح وہ دیکھ
رہے تھے۔ تبھی ستی نے اُن کے پاس آکر کہا۔ "میرے پتا نے یگیہ کیا۔ سب کو بلایا

آپ کو اَور مجھ کو نہیں۔ لیکن وہ میرے پتا کا گھر ہے۔ میں جاؤں گی"۔ شو بھگوان ہنستے ہوئے بولے ۔"بن بلائے جانا نہیں چاہیئے دیوی"۔ لیکن دیوی مانی نہیں۔ گئیں۔ اُن کے پتا نے بھگوان شو کا اپمان کیا۔ تو وہ اپنے جسم سے یوگ کی آگ نکال کر وہیں بھسم ہو گئیں۔ بھگوان شو نے اپنی سمادھی میں سب کچھ دیکھا تیزی سے وہاں آئے ستی کی لاش کو اٹھا لیا۔ اور اپنے ایک بال کو زمین پہ ٹپک کے کہا۔ جاؤ! جو انیائے کرتے ہیں۔ اور اتیاچار کرتے ہیں۔ ان کا خاتمہ کر دو ـــ اور روایت ہے کہ اس بال سے وہ خوفناک "مہا بھیرو" پیدا ہوا جسے دیکھ کے سب لوگ بھاگنے لگے۔ اس نے دکش پرجاپتی کا سر کاٹ کے یگیہ کی آگ میں ڈال دیا ہر طرف خون کے فوارے جگا دیئے اس نے۔ اس طرح سب لوگ بھاگنے لگے جیسے پرچنڈ مہا تانڈو ناچتی ہوئی پرلے آ گئی ہو ـــــــ یہ تاریخی کہانی نہیں۔ لیکن بندہ کی کہانی تاریخ کے اوراق میں لکھی ہے۔ "مہا بھیرو" کی طرح وہ شری گورو گوبند سنگھ جی کے اُس تیج سے پیدا ہوا جو ظلم و نا انصافی کو کبھی معاف نہیں کرتا تھا ـــ مہا بھیرو کی طرح قیامتیں جگاتا، زلزلے ابھارتا خون کی ندیاں بہاتا اور لاشوں کے انبار لگاتا وہ آگے بڑھا ـــــ

ـــ کسی نے اعتراض کیا۔ "بندہ سنگھ! یہ تم کیا کر رہے ہو؟۔ شہروں کے بعد شہر تباہ ہوتے جاتے ہیں ـــ قلعوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے تم نے ـــ خون کے دریا بہا دیئے ہیں۔ کیا چاہتے ہو تم۔۔۔۔۔؟ ـــــ

ـــ اور بندہ نے جواب دیا ـــ "میں نرک سے بدلہ لینے آیا ہوں۔ مجھے میرے گورو نے بھیجا۔ میں اس کا بندہ ہوں۔ میں وزیرا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا اس کے گھر کو خاک میں ملا دوں گا۔ میں سرہند میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا میرے گورو کے بیٹے دیوار میں چُن دیئے یہاں۔ میں یہاں کوئی دیوار اب رہنے نہیں دوں گا۔ اور اس کے بعد میں ان پہاڑی راجاؤں کو سیدھا کروں گا۔ ان کی حکومتیں تباہ کر دوں گا۔ یہ سب کچھ ہو جانے کے بعد میں کہوں گا کہ میں گورو جی کا بندہ ہوں ـــ ابھی تو صرف نام کا بندہ ہوں۔ کام کا نہیں ـــــ"

گورو مہاراج شانت تھے۔ چہرے پر شکن نہیں۔ آنکھ میں نمی نہیں۔
لیکن مادھو داس اپنی سسکیاں روک نہیں سکا۔

تاریخ کہتی ہے کہ مادھو داس نے فیصلہ کیا۔ بیراگ اور جنگل دونوں کو تلانجلی دے دے گا۔
گورو مہاراج سے اُس نے پرارتھنا کی "اجازت دیجئے کہ میں پنجاب میں واپس جا کر ظلم اور ظالم دونوں کا سرب ناش کر سکوں۔"

تاریخ کہتی ہے کہ گورو جی نے اُسے "گوربخش سنگھ" اور "بندہ سنگھ" کے نام دیئے۔ اپنے پانچ تیر بھی دیئے جن میں سونے کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ اور اس کے ساتھ بابا بنود سنگھ اور بابا کاہن سنگھ کو بھیجا جو شری گورو انگد دیو جی مہاراج کی سنتان میں سے تھے۔ ان کے علاوہ گورو امر داس کے پریوار سے تعلق رکھنے والے باز سنگھ کو بھی حکم دیا کہ بندہ سنگھ کے ساتھ جاؤ۔ ان کے علاوہ پانچ بہت اچھے سکھ سپاہی بھی بندہ سنگھ کے ساتھ کر دیئے۔

بندہ نے ایک بار پھر اُن کے قدموں پہ سر رکھ کے کہا "اب اجازت دیجئے میرے مالک! اور کوئی آخری حکم ......!"

گورو جی اپنی ایک کویتا کو یاد کرتے ہوئے بولے "جہاں تہاں تم دھرم بتھار دو۔ دُشٹ دوکھین پکڑ پچھار دو ....."

ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ایک یا دو دنوں میں نہیں ہُوا۔ بندہ کافی دیر تک گورو مہاراج کے پاس رہا۔ پھر اس طرح چل پڑا جیسے ساون کی گھٹا سے بجلی چمکی ہو۔ نیچے دُور تک پھیلے جنگل پہ گری ہو اور شعلے اُبھرنے لگے ہوں — لگاتار اُچھلتے ہوئے، پھیلتے ہوئے، چیختے ہوئے شعلے .....

بندہ بہادر کی کہانی مجھے لکھنی نہیں۔ لیکن جو کچھ اس نے کیا۔ اس سے ایک بات یاد آتی ہے — بہت پہلے، اس زمانے کی بات جس کا کوئی اتہاس نہیں —
— دکش پرجاپتی نے یگیہ کیا۔ دوسرے دیوتاؤں کو بلایا۔ بھگوان شو کو نہیں۔ شو کیلاش پہ تھے۔ مسکراتی نگاہوں سے تماشۂ عالم دیکھ رہے تھے۔ کروڑوں برہمانڈ اربوں سورج منڈل۔ مالا کے چمکتے ہوئے دانوں کی طرح۔ جیسے وہ دکھائی نہ دینے والا پرم پرش۔ اس مالا کو پھیر تا ہُوا۔ اپنے ہی نام کا جاپ کرتا ہو — اس طرح وہ دیکھ رہے تھے۔ تبھی ستی نے اُن کے پاس آکر کہا "میرے پتا نے یگیہ کیا۔ سب کو بلایا

آپ کو اور مجھ کو نہیں ۔ لیکن وہ میرے پتا کا گھر ہے ۔ میں جاؤں گی" ۔ شو بھگوان منع کرتے ہوئے بولے "بن بلائے جانا نہیں چاہیئے دیوی" ۔ لیکن دیوی مانی نہیں ۔ گئیں ۔ اُن کے پتا نے بھگوان شو کا اپمان کیا ۔ تو وہ اپنے جسم سے یوگ کی آگ نکال کر وہیں بھسم ہو گئیں ۔ بھگوان شو نے اپنی سمادھی میں سب کچھ دیکھا تیزی سے وہاں آئے ستی کی لاش کو اٹھا لیا ۔ اور اپنے ایک بال کو زمین پہ ٹپک کے کہا ۔ جاؤ! جو انیائے کرتے ہیں ۔ اور اتیاچار کرتے ہیں ۔ ان کا خاتمہ کر دو ۔۔۔۔ اور روایت ہے کہ اس بال سے وہ خوفناک "مہا بھیرو" پیدا ہوا جسے دیکھ کے سب لوگ بھاگنے لگے ۔ اس نے دکش پرجاپتی کا سر کاٹ کے یگیہ کی آگ میں ڈال دیا ہر طرف خون کے فوارے جگا دیئے اس نے ۔ اس طرح سب لوگ بھاگنے لگے جیسے پرچنڈ مہا تانڈو ناچتی ہوئی پرلے آ گئی ہو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ تاریخی کہانی نہیں ۔ لیکن بندہ کی کہانی تاریخ کے اوراق میں لکھی ہے ۔ "مہا بھیرو" کی طرح وہ شری گورو گوبند سنگھ جی کے اُس تیج سے پیدا ہوا جو ظلم و نا انصافی کو کبھی معاف نہیں کرتا تھا ۔۔۔ مہا بھیرو کی طرح قیامتیں جگاتا ، زلزلے ابھارتا خون کی ندیاں بہاتا اور لاشوں کے انبار لگاتا ، وہ آگے بڑھا ۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔ کسی نے اعتراض کیا "بندہ سنگھ ! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ ۔ شہروں کے بعد شہر تباہ ہوتے جاتے ہیں ۔۔۔ قلعوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے تم نے ۔ خون کے دریا بہا دیئے ہیں ۔ کیا چاہتے ہو تم ۔۔۔۔۔؟" ۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔ اور بندہ نے جواب دیا ۔۔۔ "میں ترک سے بدلہ لینے آیا ہوں ۔ مجھے میرے گورو نے بھیجا ۔ میں اس کا بندہ ہوں ۔ میں 'وزیرا' کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا اس کے گھر کو خاک میں ملا دوں گا ۔ میں سرہند میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا میرے گورو کے بیٹے دیوار میں چن دیئے یہاں ۔ میں یہاں کوئی دیوار اب رہنے نہیں دوں گا ۔ اور اس کے بعد میں ان پہاڑی راجاؤں کو سیدھا کروں گا ۔ ان کی حکومتیں تباہ کر دوں گا ۔ یہ سب کچھ ہو جانے کے بعد میں کہوں گا کہ میں گورو جی کا بندہ ہوں ۔۔۔ ابھی تو صرف نام کا بندہ ہوں ۔ کام کا نہیں ۔۔۔۔۔"

بندہ چلا گیا۔ گورو مہاراج ناندیڑ میں ہی رہنے لگے۔ گوداوری کے ساتھ ساتھ کئی جگہوں پر انہوں نے قیام کیا۔ ایک جگہ کا نام "شکار گھاٹ" ہے۔ جہاں سے گوداوری کو پار کر کے گورو جی شکار کے لئے پرلی طرف کے جنگلوں میں جایا کرتے تھے۔ ایک اور جگہ "نگینہ گھاٹ" ہے جہاں گورو مہاراج نے سونے میں جڑے ہوئے نگینے کی ایک بیش قیمت انگوٹھی (جو کسی بھگت نے انہیں بھینٹ کی) گوداوری میں پھینک دی۔ کیونکہ وہ سونے اور ہیرے کے زیور پہننے کے خلاف تھے۔ ان کا فرمان تھا کہ "زیور پہننا ہو تو لوہے کا پہنو۔ سونے کا نہیں"۔ ایک اور جگہ ہیرا گھاٹ ہے۔ جہاں انہوں نے ایک اور انگوٹھی دریا میں پھینک دی۔ ایک اور جگہ "سنگت صاحب" ہے۔ جہاں گورو مہاراج سنگت کو گوربانی کا اپدیش دیتے تھے۔

گورو جی ۱۷۰۷ء کے اکتوبر یا نومبر میں ناندیڑ پہنچے۔ غالباً ۱۷۰۸ء کے ابتدائی مہینوں میں بندہ وہاں سے روانہ ہوا۔ اور بندہ سنگھ کو بھیجنے کے بعد انہیں ایسے لگا کہ ان کا کام ختم ہو گیا ہے۔ اُن کے لئے اپنے اس "ہیم کنٹ" پر جانے کا وقت نزدیک آ گیا ہے۔ جہاں پرم سکھ ہے۔ پرم شانتی ہے۔

ان کی نگاہیں دور تک دیکھتی ہیں۔ وہ دنیا کا تماشہ دیکھنے آئے تھے۔ اس دنیا کے وہ تھے نہیں۔ اُن کے لئے زندگی اور موت سب کھیل تھے۔ سب تماشہ۔ لیکن دوسرے لوگوں کی حالت تو یہ نہیں تھی۔ وہ دہلی سے آئے تو ماتا سندری جی وہیں رہ گئیں۔ ماتا صاحب کور جی ان کے ساتھ آئیں۔ اب گورو جی نے اُس دیوی کو بلایا جو صرف رسمی طور پر ان کی پتنی تھی۔ اور سنجیدگی سے کہا۔ "صاحب کور! تمہیں سندری کی یاد نہیں آتی؟"

صاحب کور جی بولیں۔ "کیوں نہیں آتی سچے پاتشاہ۔ وہ میری بہن ہیں۔ میری ماں کی طرح۔"

گورو جی نے کہا۔ "تو پھر اس کے پاس چلی جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں۔ وہ بہت اُداس ہے۔ روتی بھی ہے۔ تم خالصہ کی ماں ہو۔ بہادر ہو۔ اُسے جا کر ڈھارس دو۔"

صاحب کور جی اس کے لئے تیار نہ تھیں۔ بولیں۔ "یہ کیسے ہوگا سچے گورو جی۔ میں تو آپ کو دیکھے بغیر کھانا نہیں کھا سکتی۔؟"

گورو جی بولے "اس کا انتظام ہو جائے گا۔ میرے ہتھیار لے جاؤ۔ ہر روز کھانا کھانے سے پہلے انہیں دیکھنا۔ میں ان ہتھیاروں میں تمہیں ملوں گا۔"

اور بھائی منی سنگھ جی کے ساتھ انہوں نے ماتا صاحب کور جی کو دہلی بھیج دیا۔

اور تب وہ اس یار حملہ کی تیاری کرنے لگے جس سے کبھی کوئی واپس نہیں آیا۔

کئی مورخین کا خیال ہے کہ جس آدمی نے گورو مہاراج پر اُس وقت جنگل میں حملہ کیا جب کوئی تیسرا آدمی وہاں نہیں تھا۔ اس کا نام "گل خاں" تھا۔

گل خاں کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ وہ اُس "پینڈا خاں" کا پوتا تھا جسے گورو گوبند سنگھ جی کے دادا شری گورو ہرگوبند جی نے اُس وقت قتل کیا جب وہ شری گورو ارجن دیو جی پر حملہ کرنے آیا تھا۔ جو لوگ اس روائیت کو درست مانتے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ پٹھان لوگ عام طور سے پشت در پُشت ایک دُوسرے سے بدلہ لینے کی کوشش کیا کرتے ہیں اِسلئے ممکن ہے کہ پینڈا خاں کے پوتے نے شری گورو ہرگوبند جی کے پوتے سے بدلہ لینے کی کوشش کی ہو۔

ایک اور روائیت یہ ہے کہ یہ گل خاں گورو مہاراج کے ست سنگ میں آیا کرتا تھا۔ ایک دن انہوں نے اسلام کے متعلق کوئی ایسی بات کہہ دی جو اس گل خاں کو ناگوار گذری۔ اور اس نے گورو جی کو تنہا دیکھ کر ان پر حملہ کر دیا۔

ایک اور روائیت ہے کہ اس گل خاں کو سرہند کے نواب وزیر خاں نے بھیجا تھا۔ جو اب بھی گورو جی کو ختم کرنے کے پلان بناتا رہتا تھا۔

اور تب ایک اور روائیت یہ ہے کہ۔۔۔ اس گل خاں کو بادشاہ بہادر شاہ نے بھیجا کہ وہ گورو گوبند سنگھ جی کو ختم کر دے۔ کیونکہ انہوں نے مرہٹوں کے خلاف اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔

ان میں کون سی بات درست ہے یہ آج کوئی جانتا نہیں۔

میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ لیکن مجھے معلوم ہوتا ہے کہ گورو مہاراج پر کسی نے جان بوجھ کے حملہ نہیں کیا۔ بلکہ کسی حادثے میں انہیں یہ زخم لگا جو کافی گہرا تھا۔۔۔ میرے اس خیال کی سیدھی وجہ یہ ہے کہ اس "گل خاں" کا حملے کے بعد کیا بنا، یہ کہیں بھی معلوم نہیں ہوتا۔ گورو جی نانڈیڑ میں اکیلے نہیں تھے۔ قریباً دو سو گھوڑ سوار اور تین سو پیدل سپاہی ان کے ساتھ تھے۔ یہ پانچ سو آدمی ان کے ملازم نہیں بلکہ سکھ تھے۔ جو ہر وقت ان کے لئے اپنی جان دینے کو تیار رہتے تھے۔ اِن لوگوں کی موجودگی میں گورو جی پر کوئی آدمی جان بوجھ کر حملہ کر سکتا تھا۔ اور پھر بچ کر جا سکتا تھا، ایسا مجھے ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔

لیکن کسی بھی طرح لگا ہو، یہ زخم انہیں لگا۔ بادشاہ بہادر شاہ کو اس کا پتہ لگا تو اس نے

اپنے شاہی حکیم بھیجے کہ گورو جی کا علاج معالجہ کریں۔ ان حکیموں کی کوشش سے گورو جی کے سینے کا یہ زخم بھرنے لگا۔ وہ دھیرے دھیرے صحتیاب ہونے لگے۔ ایسی حالت میں ہی انہوں نے اپنے انتم سنسکار کا انتظام کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ سینے کا یہ زخم اچھا ہونے کے لئے نہیں لگا۔ کسی اور مطلب کیلئے لگا ہے۔ چنانچہ انہوں نے پانچ سو روپیہ الگ کر کے رکھدیا کہ "اس سے کڑاہ پرشاد بنا کر اس روز سب لوگوں میں تقسیم کیا جائے جب میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا" لوگ حیران ہوئے کہ گورو جی کیسی بات کہتے ہیں — لیکن انہوں نے ایک سو روپیہ اور بھی اپنے ساتھیوں کو دیا۔ اور کہا۔ اس سے چندن کی لکڑی خرید کر میری چتا بنا دینا"۔

اور کچھ ہی دنوں کے بعد لوگوں نے سمجھا کہ یہ مہاپرش یہ سب کی سب تیاریاں کیوں کر رہا تھا — دو سنئے کمان گورو جی کے پاس آئے۔ کافی سخت کمان تھے وہ۔ کچھ لوگوں نے کوشش کی کہ انہیں کھینچ کے ٹیڑھا کر دیں۔ لیکن وہ ایسا کر نہیں سکے۔ تب گورو جی نے کہا۔ لاؤ مجھے دو کمان — میں اسے کھینچ کر دوہرا کر دوں گا۔

اور واقعی انہوں نے کمان کو لیا۔ کھینچا۔ دوہرا کر دیا۔

لیکن ایسا کرنے سے وہ سینے کا زخم پھٹ گیا۔ جو تھوڑا تھوڑا بھر گیا تھا۔ خون بہنے لگا گورو جی کے کپڑے لال ہو گئے۔

لوگوں نے اس خون کو دیکھا تو گھبرائے۔

گورو جی دھیمے سے بولے۔ گھبراؤ نہیں۔ ہر آنے والے کو جانا پڑتا ہے۔ ہر شے جو بنتی ہے، وہ ٹوٹتی بھی ہے۔ ہر چیز جو پیدا ہوتی ہے مرتی بھی ہے۔ میں نہیں مروں گا، کا میں کبھی پیدا نہیں ہوا۔ یہ جسم پیدا ہوا تھا۔ اس کا مرنا لازمی ہے۔"

تبھی انہوں نے حکم دیا کہ شری گورو گرنتھ صاحب کو عزت اور احترام کے ساتھ وہاں لایا جائے۔

جب ایسا کیا گیا اور یہ مقدس گرنتھ اُن کے سامنے آیا تو وہ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے — شری گورو گرنتھ صاحب کو ایک اونچی چوکی پر رکھا گیا — گورو جی نے ایک ناریل منگوایا — پانچ پیسوں کے ساتھ اس ناریل کو شری گرنتھ صاحب کے سامنے رکھ کر ہاتھ جوڑ دیئے۔ سر جھکا دیا ——— کہا جاتا ہے کہ اس وقت انہوں نے فرمایا :-

آگیا بھئی اکال کی ۔ تبھی چلائیو پنتھ
سب سکھن کو حکم ہے ۔ گورو مانیو گرنتھ
گرنتھ گوروجی مانیو ۔ گرنتھ گوراں کی دیہہ
جو پربھو کو ملبو چہے ۔ کھوج شبد میں لے

اس طرح پرنام کر کے وہ اُٹھے ۔ نہائے، کپڑے بدلے ۔ حکم دیا ۔ "سامنے قناتیں لگا دو، چاروں طرف ۔ اُن کے بیچ چندن کی چتا بنا دو ۔ مَیں خود اس پر جا کر بیٹھوں گا ۔"

اور قناتیں لگتی رہیں ۔

چتا بنتی رہی ۔

گوروجی 'جپ جی صاحب' کا پاٹھ کرتے رہے ۔

اور ۔ تب تیار ہو گیا سب کچھ ۔

گوروجی چتا میں جا کر بیٹھ گئے ۔ بولے ۔ "میں جاپ کروں گا ۔ میرے پران نکل جائیں تو چتا کو آگ لگا دینا ۔"

اور لوگ اِس طرح رو اُٹھے جیسے دھرتی کا دِل پھٹا جاتا ہو ۔

گوروجی مسکراتے ہوئے بولے ۔ "رونا نہیں چاہیئے ۔ واہگورو کا نام لو ۔ بولو میرے ساتھ ——— واہگوروجی کا خالصہ ——— شری واہگوروجی کی فتح !"

اور تب وہ خود قنات کے دروازے تک پہنچے ۔ پیچھے دیکھ کر بولے ۔ "اب سب لوگ چلے جاؤ ۔ صرف سنتوکھ سنگھ میرے پاس رہیں گے ۔ میں چلا جاؤں گا تو آپ کو خبر کر دیں گے ۔"

اور سِکھوں، سِکھوں کا اُبلتا ہوا دریا باہر چھوڑ کر وہ قناتوں کے گھیرے میں گئے ۔ سنتوکھ سنگھ جی ان کے ساتھ تھے ۔ گوروجی خود چتا میں داخل ہوئے ۔ بیٹھ گئے ۔ بولے ۔

"سنتوکھ سنگھ ! ——— اب وقت بہت دُور نہیں ۔ یہ خاموش رات ——— یہ ہر طرف پھیلا ہُوا اندھیرا ——— اور یہ اُوپر ہیروں کی طرح چمکتے تارے ——— بہت سُہانی ہے یہ دُنیا ۔ ——— اور یہ رات ——— گھبراؤ نہیں سنتوکھ سنگھ ۔ ہر رات کی صبح ہوتی ہے ۔ کوئی رات ہمیشہ نہیں رہتی ——— لیکن دیکھو ۔ میرا لنگر بند نہیں ہونے دینا

ہر روز۔ ہر وقت گورو کا لنگر جاری رہنا چاہیئے۔ دیگ اور تیغ دونوں موجود ہوں تو فتح لازمی ہے——"

اور تب آسمان کی طرف دیکھ کر انہوں نے کہا:۔

"دیگ و تیغ و فتح و نصرت بے درنگ
یافت از نانک گورو گوبند سنگھ"[1]

"گوبند سنگھ نے گورو نانک کی کرپا سے پائے ہیں
دیگ۔ تیغ۔ فتح اور بے انت کامرانی"

اور مسکراتے ہوئے انہوں نے آنکھیں موندلیں۔ وہیں چندن پر لیٹ گئے۔ اور پھر کبھی ہلے نہیں——

صبح کے وقت چندن کی اس چِتا کو آگ لگا دی گئی۔ کیرتن ہوتا رہا۔ سوہلے گائے گئے۔ لیکن روائت ہے کہ یہ سب کچھ ہو رہا تھا تو ایک سادھو وہاں آیا۔ بولا۔ یہ کیا ہے؟ کس کو جلا رہے ہو تم؟"

ایک سکھ نے کہا۔ گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کا دیہانت ہو گیا ہے"۔

سادھو نے حیرت سے کہا۔ "گورو جی کا؟— کیسے لوگ ہو تم— میں ابھی ابھی تو انہیں دیکھ کر آیا ہوں۔ اُنہوں نے مجھ سے باتیں کیں— نیلے گھوڑے پر وہ سوار تھے۔ ہاتھ میں کمان تھی پیٹھ پہ تیروں سے بھرا ترکش تھا— میں نے پوچھا۔ کہاں جاتے ہیں؟۔ تو انہوں نے کہا۔ شکار کے لئے جا رہا ہوں— میں نے اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھا اپنے کانوں سے ان کی آواز سنی۔ اور تم کہتے ہو......"!

کسی نے اُسے جواب نہیں دیا۔ سب لوگ آنسو بہاتے کھڑے رہے۔ انہوں نے بھی اپنی آنکھوں سے کچھ دیکھا تھا۔ کانوں سے کچھ سنا تھا۔ اور دونوں میں سچ کیا تھا۔ یہ کون جانتا ہے——

لیکن یہ روائت نہیں۔ سچائی ہے۔ تخیل نہیں۔ تاریخ ہے——

نومبر ۱۷۰۸ء میں گورو جی مہاراج پرلوک سدھارے۔ اسکے چند مہینے بعد بندہ بہادر نے

---

[1] یہ وہ الفاظ ہیں جنہیں بعد میں شیرِ پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے سکوں پر لکھوایا۔

اپنی فوجی تنظیم شروع کی۔ تنظیم جتنی بھی ہو سکی، اُسے ساتھ لے کر وہ آگے بڑھا۔ گاؤں کے بعد گاؤں، قصبے کے بعد قصبے کوٹے گئے۔ اور پورے ڈیڑھ برس کے بعد مئی ۱۷۱۰ء میں سرہند کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ وزیر خاں مَرا۔ اس کے وزیر مرے۔ مُشیر مرے۔ جرنیل مَرے سپاہی مَرے۔ کوئی مکان، کوئی دوکان، کوئی چھت، کوئی دیوار نہیں رہنے دی اس بیراگی نے۔ گرجتی آواز میں اُس نے حکم دیا۔ "اِس شہر کو چکنا چور کر کے اس کے اُوپر ہل چلا دو۔ میرے گورُو کے معصوم بچے یہاں دیواروں میں چُن دیئے گئے ہیں اس کا نام و نشان رہنے نہیں دوں گا۔"

اور سات برس تک تباہی اور بربادی کا یہ طوفان پنجاب میں گرجتا رہا۔

بندہ خود رہا نہیں۔ لیکن ترکوں کے ایوانِ حکومت کو عملی طور پہ اس نے کھنڈر بنا کے رکھ دیا۔ اپنے سِکّے پہ اُس نے لکھوایا:۔

"سِکّہ زد ہر دو عالم تیغ نانک صاحب اَست
فتح گوبند سنگھ شاہِ شاہان فضلِ سچّا صاحب اَست"

"یہ سکّہ دونوں جہاں کیلئے ہے۔ گورو نانک دیوجی کی تلوار سے اور بادشاہوں کے بادشاہ سچّے پاتشاہ گورو گوبند سنگھ جی کی کرپا سے رائج ہوا ——————"

اِسی سِکّے کے دُوسری طرف لکھا تھا:۔

"ضرب با امان اُلدہر مصورات شہر زینت اُلتخت مبارک بخت"

"جہاں ہر آدمی کو پناہ ملتی ہے۔ جہاں ایک حسین شہر آباد ہے۔ اور جس کی زینت یہ مبارک تخت ہے۔ وہاں یہ سکّہ بنایا گیا ——————"

اور یہ معجزہ تھا اُس یگ پُرش کا۔ جس نے اپنے لئے کبھی کسی راج کی تمنا نہیں کی۔ کوشش نہیں کی۔ جو اس سوئے ہُوئے ملک میں اِس طرح آیا جیسے باغ میں صُبح آتی ہے اور پھر ہر طرف روشنی چھا جاتی ہے۔ ہر طرف پھُول مُسکرا اُٹھتے ہیں۔

اُن کے جیون کا مشن

ہم ایہہ کاج جگت مو آئے
دھرم ہیت گورو دیو پٹھائے

جہاں تہاں تُم دھرم بتھارو
دُشٹ دوکھین پکر پچھارو

یا ہی کاج دھرا ہم جنمم
سمجھ لیہو سادھو سب منمم

دھرم چلاون سنت اُبارن
دُشٹ سبن کو مُول اُپارن

اُن کی سب سے بڑی تمنّا

دیہہ شِوا - وَر موہے - اِ ہے
شُبھ کرمَن تے کَب ہُوں نہ ٹرَوں

نہ ڈروں اَر سَو جَب جائے لروں
نِشچے کر اپنی جِیت کروں

اَرو سِکھ ہُوں اَپنے ہی مَن کو
لیہہ لالچ گُن تَو اُچروں

جَب آو کی اَودھ ندان بَنے
اَت ہی رَن میں تب جُوجھ مَروں

اُن کی چمچاتی ہوئی تیغ

کھگ کھنڈ بہنڈم۔ کھل دل کھنڈم
اتی رن منڈم۔ بر ببنڈم

بھج ڈنڈ اکھنڈم۔ تیج پرچنڈم
جوت امنڈم۔ بھان پربھم

سُکھ سنتاں کرنم۔ دُرمت درنم
کل ویکھ ہرنم۔ اَس سرنم

جے جے جگ کارن سرشٹ اُبارن
مم پرت پارن۔ جے تیغن

شری ہیم کُنٹ — جس کے متعلق شری گورو گوبند سنگھ جی نے کہا — کہ وہاں پچھلے جنم میں میں نے بہت تپ کیا -

گوردوارہ شری پٹنہ صاحب — جہاں شری گورو مہاراج کا جنم ہُوا -
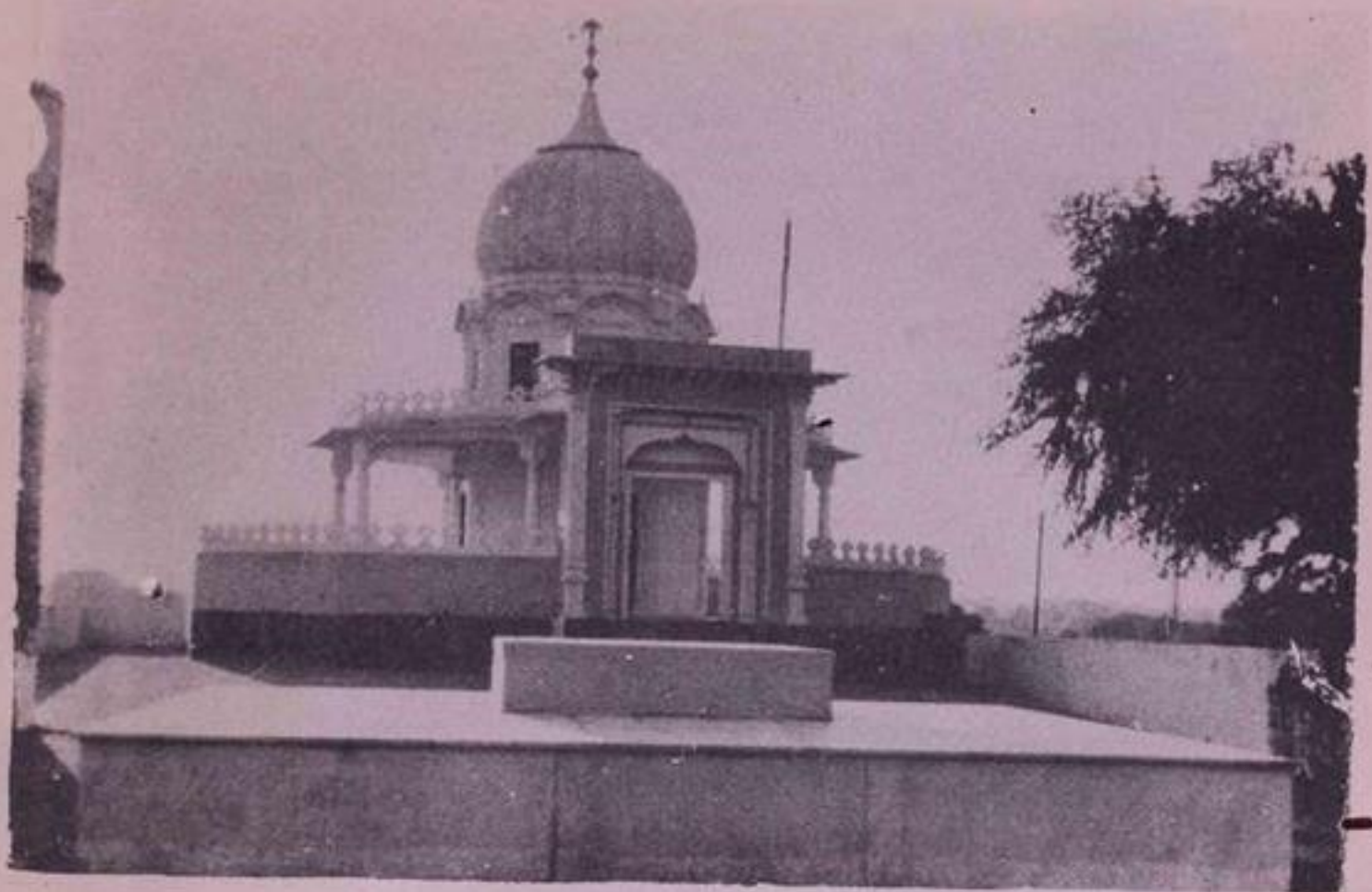
شری آنندپور صاحب ہیں وہ ستھان جہاں کشمیر کے برہمن شری گورو تیغ بہادر جی مہاراج
کے سامنے فریاد کرنے کے لئے حاضر ہوئے -
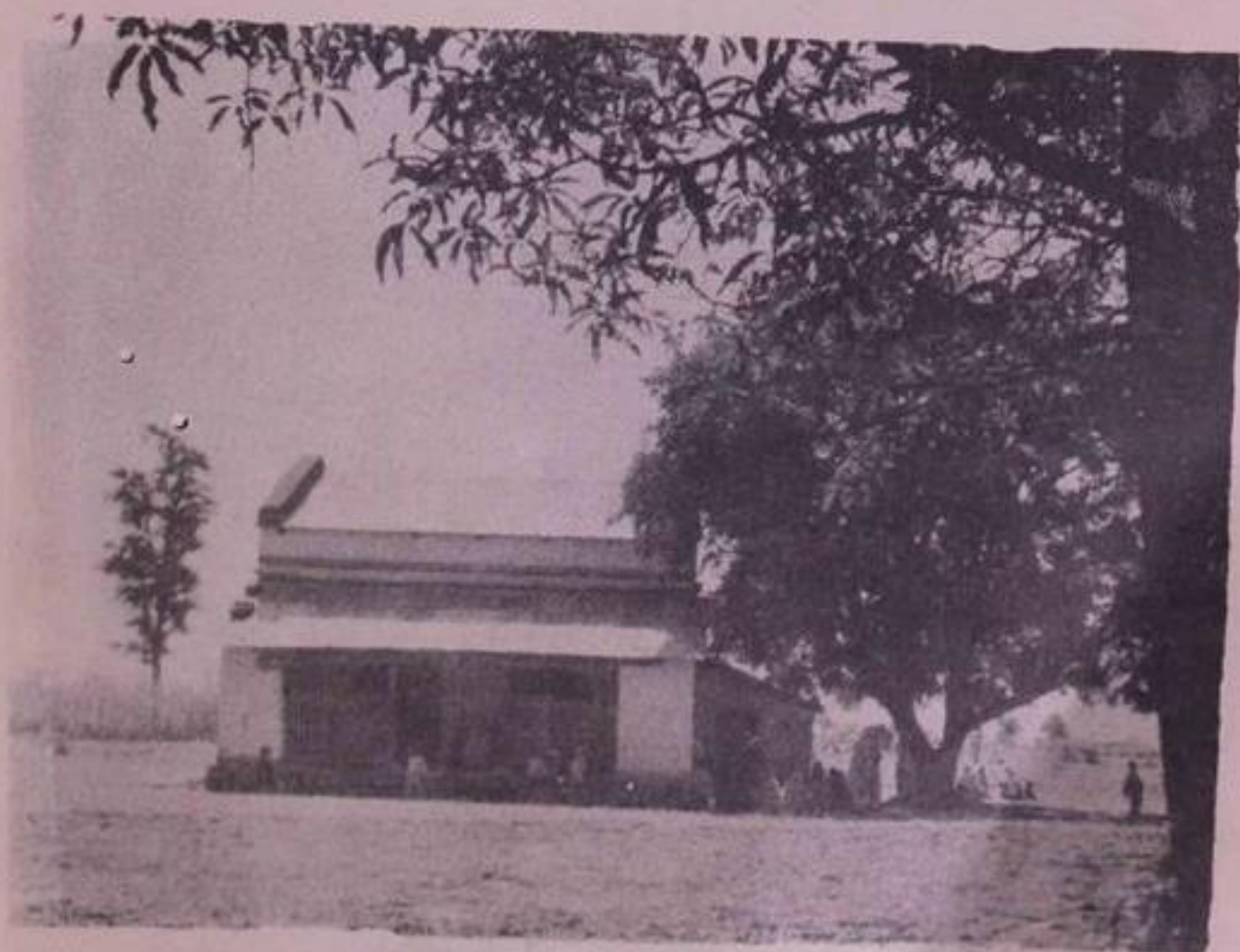
گوردوارہ بھنگانی صاحب جس کے میدانوں اور جنگلوں میں شری گورو گوبند سنگھ جی
مہاراج نے پہاڑی راجاؤں کے مجموعی حملے کا منہ توڑ جواب دیا -
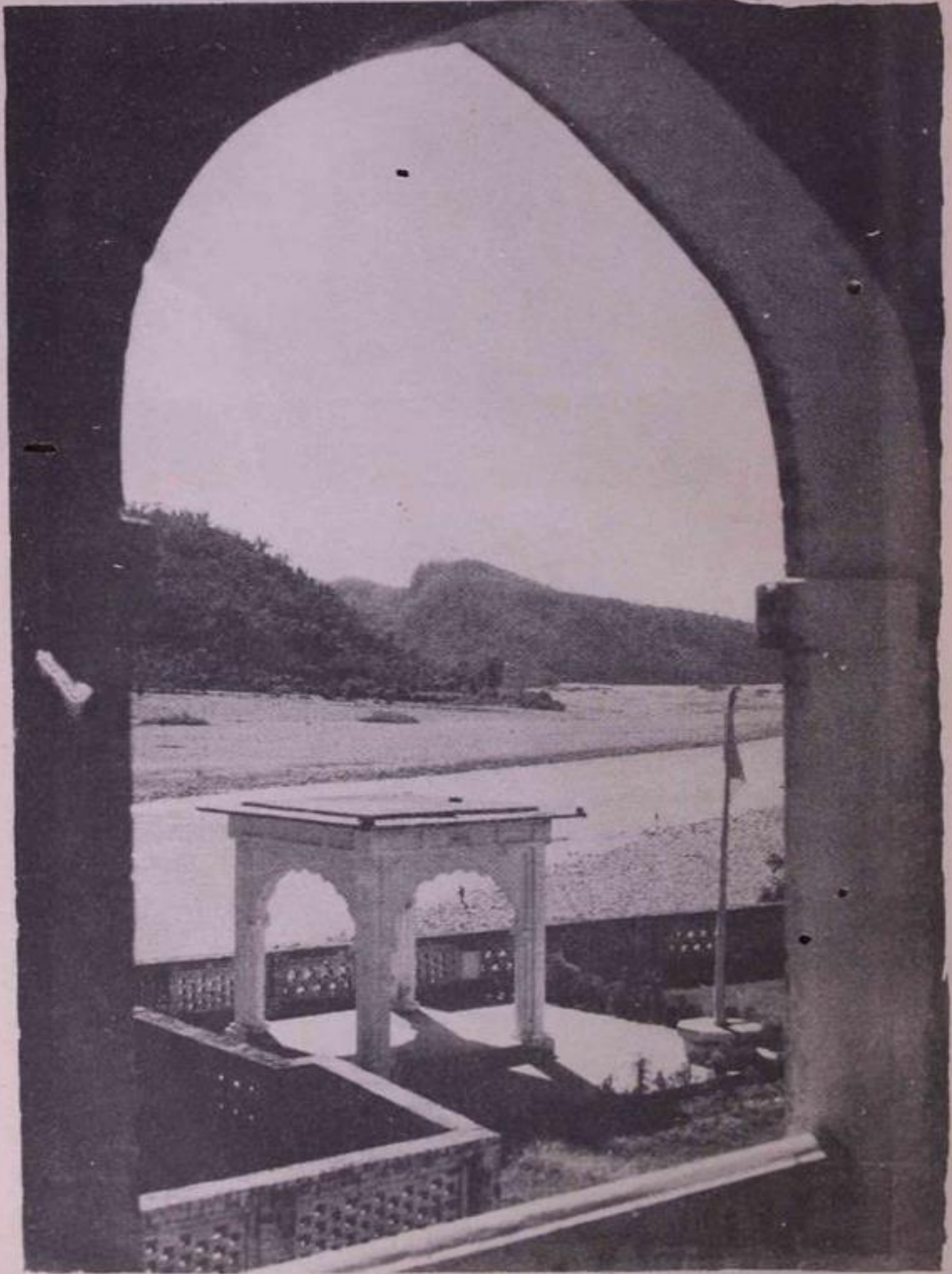
شری پاؤنٹہ صاحب میں جمنا کے کنارے وہ ستھان۔ جہاں شری گورو گوبند سنگھ جی
مہاراج اپنے ۵۲ کویوں کی کویتا سنتے۔ اور اپنی پوتر بانی کو اپنے پیارے بھگتوں کے سامنے رکھتے تھے

شری فتح گڑھ صاحب — جہاں شری گورو گوبند سنگھ جی کے دونوں چھوٹے شہزادے زندہ ہی دیوار میں چُن دیئے گئے۔
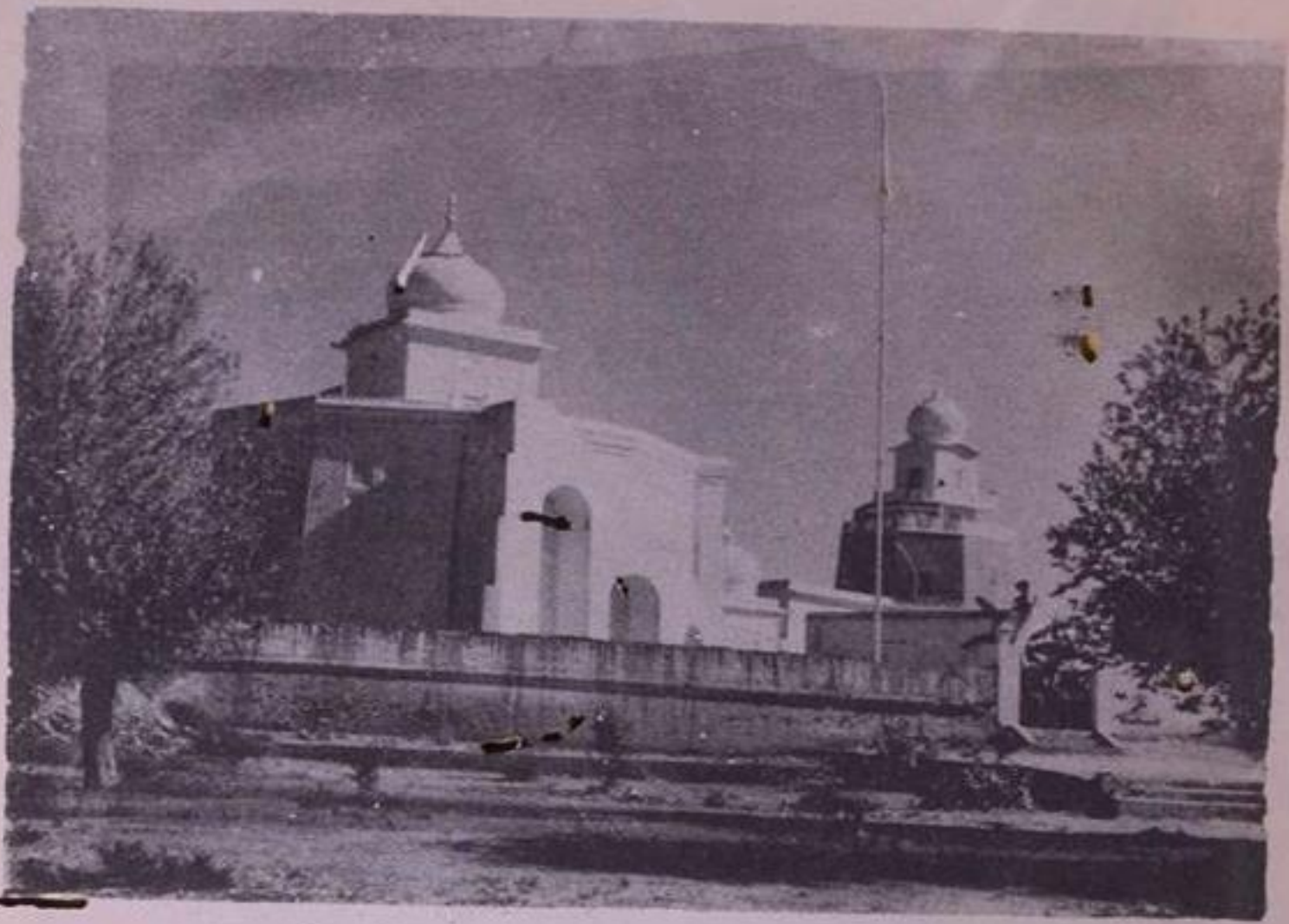
گوردوارہ شری دمدمہ صاحب۔ جہاں دشم پاتشاہ نے شری گورو گرنتھ صاحب کو اپنی یادداشت سے از سرِ نو تحریر کرایا۔
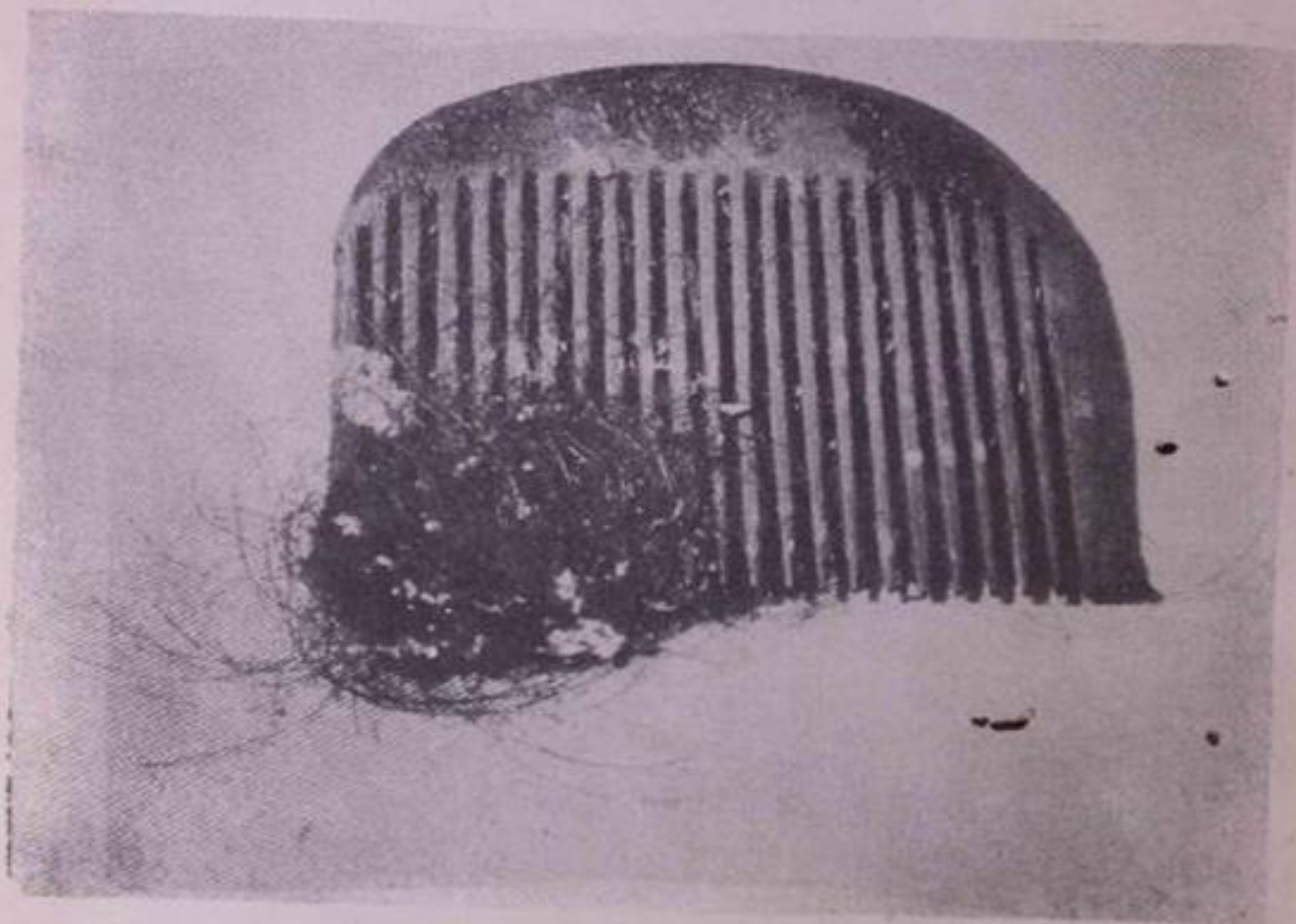
کلغی دھر دشم پاتشاہ کا کنگھا اور ان کے پوتر بال۔ جو انہوں نے پیر بدھو شاہ کو دیئے۔ اور جو نابھہ کے راج محل میں محفوظ ہیں۔

ناندیڑ میں ندی کے کنارے گوردوارہ بندہ گھاٹ ۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں بندہ بیراگی رہتا تھا۔ اور جہاں گورو مہاراج نے اُسے درشن دیئے ۔
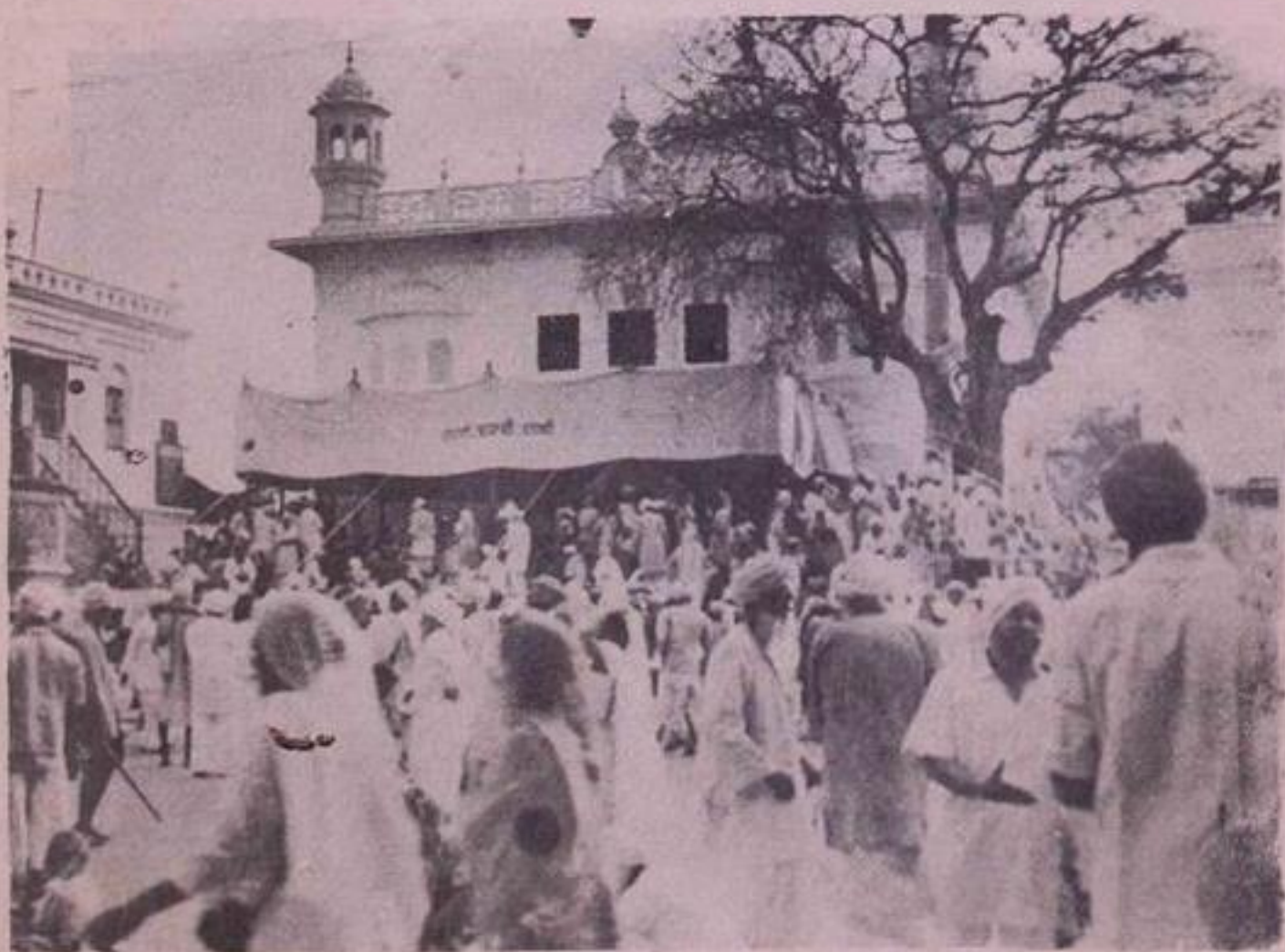
گوردوارہ تخت سری ناندیڑ صاحب ۔جہاں کلغی دھر پادشاہ دشمیش پتا نے اپنے شریر کا تیاگ کر دیا۔